سیرتِ نبوی ﷺ
پر اعتراضات کا جائزہ



ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی

مکتبہ قاسم العلوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

نام کتاب

سیرتِ نبوی ﷺ

پر اعتراضات کا جائزہ

مصنف

ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی

اہتمام ——————— ملک اسد علی قاسمی

مطبع ——————— گنج شکر پریس

ناشر ——————— مکتبہ قاسم العلوم

ملک اینڈ کمپنی

رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور، پاکستان
042-37231119 . 0321-4021415

ترتیب

حرف آغاز

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت وفلاح کے لیے ہر دور میں انبیاء ورسل کو مبعوث کیا۔انہوں نے لوگوں کے سامنے جس دین کو پیش کیا،وہ 'اسلام' تھا۔(آل عمران:١٩) اسی دین کو تکمیل تک پہنچانے کے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا۔آپؐ نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں سابقہ انبیاء کی تعلیمات کی نفی کرنے آیا ہوں،بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ یہی فرمایا کہ میں ان کی تصدیق وتائید کرنے اور ان میں درآئی تحریفات کی اصلاح کرنے آیا ہوں۔چوں کہ انبیائے کرام کی آمد اور بعثت کا سلسلہ تاقیامت بند ہوگیا،اس لیے اسی دین کو سارے جہان کے لوگوں کے لیے لازم ٹھہرایا گیا۔(الشوریٰ ١٣)دین اصل ہے،اس میں کبھی کوئی تبدیلی نہ ہوئی اور نہ ہوگی۔البتہ شرع ومنہاج یعنی دستور اور طریقہ میں فرق کیا جاتا رہا۔لیکن جب دین اسلام کی تکمیل کا اعلان حجۃ الوداع کے موقع سے کردیا گیا تو اب اس میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی اور کمی بیشی قیامت تک نہ ہوگی۔(المائدہ:٣) اب جو شخص اسلام کے علاوہ کسی دوسرے طریقے (دین) پر عمل کرے گا وہ عنداللہ مقبول نہ ہوگا۔(آل عمران:٨٥)

قرآن کی تصریحات کے مطابق تمام پیغمبروں کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا گیا ہے۔(النساء:١٦٥)لیکن ہم صحیح صورت حال اور ان کی تعداد کا اندازہ نہیں کرسکتے۔قرآن کریم میں بعض انبیاء اور ان کی قوموں کے حالات بیان کیے گئے ہیں،ان میں سے کسی کا اختصار کے ساتھ اور کسی کا وضاحت سے ذکر ہوا ہے اور بعض کے متعلق صرف اشارہ کردیا گیا ہے۔(النساء:١٦٥)لیکن ان اولوالعزم پیغمبروں کی زندگی اور دعوتی جدوجہد کا تفصیلی جائزہ بھی نہیں لیا جاسکتا،کیوں کہ تاریخی رکارڈ دستیاب نہیں ہیں۔خود حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ تاریخ کے اوراق میں ایسے گم ہوگئے ہیں کہ ہم

کو ان کے حالات سے پوری طرح واقفیت حاصل نہیں کر سکتے۔تو ریت وانجیل میں ان کے بارے میں جو تفصیلات ملتی ہیں، ان کا کلی اعتبار بھی نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ یہ تحریف و تلبیس سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ چوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے (البقرہ:۱۳۶) اس لیے ہم ان کا احترام کرتے اور انہیں عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں سابقہ انبیائے کرام کا ذکر بہت اچھے انداز میں کیا ہے اور ان سے اپنا تعلق بتایا ہے۔ایک حدیث میں فرمایا:

”انبیاء باہم 'علاتی بھائیوں' کی طرح ہوتے ہیں، جن کا باپ ایک ہوتا ہے اور مائیں الگ الگ ہوتی ہیں اور ان کا دین ایک ہے۔“

بعض دوسری احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”کسی بندہ کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ کہے کہ حضرت محمدؐ حضرت یونس بن متیؑ سے بہتر ہیں۔“

”تم مجھے حضرت موسیٰؑ پر ترجیح نہ دو۔“

”تم بعض نبیوں کو دوسرے نبیوں سے افضل نہ کہو۔“

ایک موقع سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

”میری اور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے نبیوں کی مثال اس عمارت کی سی ہے کہ جس طرح کسی نے ایک خوب صورت حسین وجمیل عمارت بنائی مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی گئی، لوگ اس عمارت کو دیکھ کر حیرت کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی گئی۔آپؐ نے فرمایا: وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔“

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی واحد عظیم ہستی ہیں جو تاریخ کے روشن دور میں مبعوث کیے گئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور نبوی کارناموں کا گوشہ گوشہ منور ہے۔ احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال سے تھوڑی دیر کے لیے صرف نظر کر لیا جائے تو صرف قرآن کریم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا بخوبی علم حاصل ہوسکتا ہے۔اسی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک سائل کے جواب میں فرمایا: 'جو کچھ قرآن میں فرمادیا گیا ہے، اس کی عملی تصویر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔' جب کہ

احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے اقوال کی روشنی میں اس کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔ سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اثرات واحوال کو کمال احتیاط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ جس سے آپؐ کے نبی برحق اور خاتم النبیین ہونے میں شک وشبہ نہیں رہ جاتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغی مساعی اور دنیا پر آپؐ کے ذریعے جو خوش گوار اثرات مرتب ہوئے، واضح ہو کر سامنے آجاتے ہیں۔

لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ اس عظیم ہستی (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو معاندین اسلام خاص طور سے یہود و نصاریٰ نے جس انداز سے تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور ان پر تہمتیں دھری ہیں، دیسا رویہ کسی اور نبی کے ساتھ تو کیا، کسی بھی بڑے آدمی کے ساتھ بھی اختیار نہیں کیا ہوگا۔ حالاں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بھی منفرد اور نرالے انداز میں ہوئی ہے۔ دنیا میں جتنے بھی انبیاء آئے سب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث کیے جانے کی بشارت دی ہے، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت لوگوں کے دلوں میں بیٹھ جائے۔ بلکہ حضرت عیسیٰؑ نے تو اپنی قوم سے یہ بھی فرمایا تھا: جب تک میں اس دنیا سے نہیں جاؤں گا آخری نبی نہیں آئے گا۔ برناباس کی انجیل میں حضرت عیسیٰؑ کا یہ فرمان قابل ملاحظہ ہے:

> ”تمام نبیوں نے جو ایک لاکھ چوالیس ہزار ہوئے ہیں، جنہیں خدا نے دنیا میں بھیجا، پردے میں (ابہام کے ساتھ) بات کی ہے۔ مگر میرے بعد تمام نبیوں اور قدوسوں کا سرتاج آئے گا اور تمام پردے کی (اجمالی) باتوں کو جو نبیوں نے کیں واضح کرے گا، کیوں کہ وہ خدا کا رسول ہے۔“

ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور دنیا پر آپؐ کے اثرات کی وضاحت کی گئی ہے اور آپؐ کو آخری نبی کے طور پر متعارف کرایا گیا ہے۔ 'پران' میں ہے:

> ”محمدؐ کے ذریعہ تاریکی دور ہوگی اور علم وروحانیت پروان چڑھے گی۔“

وید میں کہا گیا ہے:

> ”'احمد' عظیم شخص ہیں، سورج کے مانند اندھیرے کو ختم کرنے والے، انہیں کو جان کر آخرت میں کامیاب ہوا جا سکتا ہے۔“

زرتشت جس کا شمار قدیم مذاہب میں ہوتا ہے، اس میں بھی نبی کی بعثت کا ذکر بہت واضح انداز میں ملتا ہے:

"میں نے دین مکمل نہیں کیا۔ میرے بعد ایک نبی آئے گا جو اس کی تکمیل کرے گا اور اس کا نام رحمۃ للعالمین ہوگا۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں خاص طور پر یہود ونصاریٰ نے جس دریدہ دہنی اور کذب وبہتان کا سلسلہ شروع کیا تھا، اس کی آخری اور مضبوط شکل مستشرقین کا وجود میں آنا ہے۔ انہوں نے براہ راست اسلامی علوم کا مطالعہ کیا اور خاص طور سے سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو موضوع بحث بنایا۔ اس کے بعد 'جدید تحقیقات' کے نام سے ان کی جو کاوشیں منظر عام پر آئیں ان میں دانستہ یا ناقص معلومات کی مدد سے نہایت شاطرانہ طریقے سے اسلامی تعلیمات کا مذاق اڑایا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو مکروہ بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ تاکہ مسلمان اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وکردار سے متعلق شکوک میں مبتلا ہو جائیں اور نئی نسل اپنے نبیؐ اور ان کی پیش کردہ تعلیمات سے انحراف کرنے لگیں۔ ایسے لوگوں کی ایک لمبی فہرست ہے جنہوں نے سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر گفتگو کی ہے۔ اپنے منصوبے کو بار آور بنانے کے لیے اب مغرب جدید ذرائع ابلاغ کی مدد سے مختلف قسم کے ہتھکنڈے بھی استعمال کر رہا ہے اور بڑے پیمانے پر نبیؐ کے متعلق غلط فہمی پھیلا رہا ہے۔

"کائنات کی کوئی اور شخصیت اس قدر موضوع گفتگو نہیں بنی، جس قدر کہ سرور کائناتؐ کی ہمہ پہلو شخصیت۔ عالم اسلام میں قلم ان کے عشق ومستی میں سرشار تو عالم عیسائیت کا قلم بغض وعناد میں ڈوبا ہوا۔ ابوجہل وابولہب نے اگر انہیں شاعر وساحر ومجنون ومفتون قرار دیا تو صادق وامین وحلیم وکریم بھی تسلیم کرتے تھے۔ لیکن مغرب کی نظریں عرب جاہلیہ کے تعادل سے بھی عاری تھیں۔ انہیں سوائے قبح کے کوئی حسن نظر نہیں آتا۔ اپنی کور چشمی کو وہ ان کی شخصیت کا عکس سمجھے، اپنی ذہنی قبح کو الفاظ میں ڈھالا اور اسے سیرت نگاری تصور کرتے رہے۔"

بہ حیثیت داعی امت ہمارا فریضہ ہے کہ ان کے جارحانہ حملوں کا مثبت انداز میں دفاع کریں اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گوشوں کو آشکارا کریں۔ اللہ کا شکر ہے کہ ایسے لوگوں کی دریدہ دہنی کا علمائے اسلام نے بہتر طریقے سے تعاقب کیا ہے۔ اسی سلسلے کی ایک ادنیٰ کوشش زیر نظر کتاب "سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراضات کا جائزہ" ہے۔ امید ہے کہ اس کے

ذریعہ ان غلط فہمیوں کا ازالہ ہوگا، جنھیں بالخصوص مغرب برسوں سے پھیلا رہا ہے اور جن کی پیروی میں بعض وقت برادران وطن بھی ہرزہ سرائی کرتے نظر آتے ہیں۔

کتاب کے پہلے باب میں عہد نبوی سے لے کر عصر حاضر تک سیرت رسول ﷺ پر جس طرح کے اعتراضات کیے گئے ہیں، اسے تاریخی تسلسل کے ساتھ بالاختصار بیان کیا گیا ہے اور اس فرق کو بھی واضح کیا گیا ہے کہ عہد نبوی میں کفار و مشرکین اور یہود و نصاری نے جو اعتراضات کئے وہ زیادہ تر جہالت پر مبنی تھے، اس کے برعکس بعد کے عہد میں جو اعتراضات کیے گئے ہیں اور جس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ دوسرے باب کے تحت بعض مشہور اعتراضات کو مستند حوالوں اور آثار و قرائن کی روشنی میں بے نقاب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر جن لوگوں نے اعتراضات کیے ہیں خاص طور پر مستشرقین نے۔ اسے زیر نظر کتاب میں تفصیل سے قلم بند نہیں کیا گیا ہے، بلکہ مرکزی نکتہ کو ہی سامنے رکھا گیا ہے۔ تاہم کہیں کہیں بعض اعتراضات کے اقتباس بھی نقل کردیے گئے ہیں۔ اگر تمام اعتراضات کو کتاب میں جگہ دی جاتی تو بحث طویل ہو جاتی اور اس کی ضخامت بہت بڑھ جاتی۔

کتاب کی ترتیب کے وقت مصنف کے پیش نظر یہ بات بھی رہی ہے کہ اسلامی تعلیمات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و کردار اور اقوال میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بات اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی ہوگی تو وہ قرآنی تعلیمات کے عین مطابق ہوگی اور اگر صرف اسلامی تعلیمات کو ہی موضوع بحث بنایا جائے گا تو اس کی وضاحت اسوۂ حسنہ سے ضرور ہوگی۔ کتاب میں جہاں کہیں بھی اس قسم کی گفتگو ہوئی ہے، اس سے مصنف کی مراد یہی ہے۔

زیر نظر کتاب کا بیش تر حصہ ملک و بیرون ملک کے موقر رسائل و جرائد (ششماہی جہات الاسلام، لاہور، پاکستان: جولائی-دسمبر ۲۰۰۸ء، ماہ نامہ ترجمان القرآن، لاہور، پاکستان: مئی ۲۰۱۰ء، ماہ نامہ دارالعلوم دیوبند: ستمبر-اکتوبر ۲۰۱۰ء و جنوری ۲۰۱۱ء، ماہ نامہ تہذیب الاخلاق، علی گڑھ: دسمبر ۲۰۱۰ء، ماہ نامہ القاسم، اکوڑہ خٹک پاکستان: اکتوبر-نومبر، ۲۰۱۰ء، ماہ نامہ ترجمان دارالعلوم، نئی دہلی: جنوری-مارچ ۲۰۱۱ء، ششماہی عالمی السیرۃ، پاکستان: فروری ۲۰۱۱ء، سہ ماہی مطالعات، دہلی: جولائی-ستمبر ۲۰۱۱ء، ماہ نامہ معارف قاسم، دہلی: فروری-مارچ ۲۰۱۲ء) وغیرہ میں شائع ہو چکا ہے۔ اس پر بعض احباب نے خوشی کا اظہار کیا اور اسے وقت کی ایک اہم

ضرورت قرار دینے کے ساتھ اسے کتابی صورت میں شائع کروانے کا مشورہ دیا۔
ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی (سکریٹری تصنیفی اکیڈمی، مرکز جماعت اسلامی، نئی دہلی) مولانا محمد جرجیس کریمی (رکن ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ) ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی (استاذ فارسی) اور ڈاکٹر جمشید احمد ندوی (شعبہ عربی) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میرے شکریے کے مستحق ہیں کہ ان لوگوں نے کتاب کی ترتیب وتہذیب اور تصحیح میں میری مدد کی اور مفید مشوروں سے نوازا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالٰی اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں اس حقیر کوشش کو قبول عام عطا کرے اور اپنی رحمت سے میری کوتاہیوں اور لغزشوں کو درگزر فرمائے۔ (آمین)

محمد شمیم اختر قاسمی

بابِ اوّل

سیرت نبوی ﷺ پر اعتراضات کا تاریخی جائزہ

قرآن مجید کی تعلیمات اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو معاندین اسلام خاص طور پر یہود ونصاریٰ نے جس انداز سے تاریخ کے ہر دور میں ہدف تنقید بنایا ویسا رویہ کسی اور کتاب اور نبی کے ساتھ نہیں اختیار کیا گیا۔ حالاں کہ سابقہ انبیاء کی تعلیمات منسوخ ہو گئیں اور وہ قابل اتباع نہ رہیں۔ اس کے باوجود معاندین اسلام ان کی اسلام پر اہمیت جتانے کے لیے پیہم جدوجہد کر رہے ہیں اور پورے شجرہ اسلام کو مشکوک ٹھہرانے میں لگے ہوئے ہیں۔ ایسے لوگوں کی ہرزہ سرائی کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ مرور زمانہ کے ساتھ ان کے اعتراضات کی نوعیت میں بھی اتار چڑھاؤ ہوتا رہا ہے۔ جب کہ چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی آپؐ کی سیرت روز روشن کی طرح عیاں ہے اور اس کی تفصیلات کتب معتبرہ میں موجود ہیں۔

اعلان نبوت اور کفار مکہ کا ردِ عمل

چالیس سال کی عمر میں آپؐ کو نبوت کے عظیم منصب پر فائز کیا گیا۔ ابتدائی تین سالوں تک آپؐ نے خفیہ دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیا۔ اولین اسلام لانے والوں میں چار آدمی شامل ہیں: آزاد مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔ عورتوں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، غلاموں میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور بچوں میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔(۱) ابتدائی عہد میں اور بہت سے لوگوں کے اسلام قبول کرنے کی شہادت ملتی ہے، جن کے نام اور ان کے قبول اسلام کی تفصیل کتب سیرت میں موجود ہے۔(۲) ایک دوسری روایت سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ اس کے بعد مرد اور عورتیں

جماعت در جماعت اسلام میں داخل ہونے لگے، یہاں تک کہ مکہ میں اسلام کا ذکر پھیل گیا اور لوگوں میں اس کا چرچا ہونے لگا۔(۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچپن سے جوانی تک پوری کی پوری عمر مکہ میں گزاری۔ قریش مکہ شروع سے ہی آپؐ کی شرافت و دیانت داری کے نہ صرف معترف تھے، بلکہ اپنی امانتیں بھی آپ کے پاس جمع رکھتے تھے۔ یہ لوگ اپنے بعض امور میں آپؐ کو ہی اپنا حکم بناتے اور آپ کے فیصلے کو تسلیم کرتے تھے۔ ان سب خصوصیات کے باوجود جب آپؐ نے اپنی نبوت کا اعلان کیا تو یہ سب آپؐ کی نبوت کی تکذیب کرنے لگے۔ اس کا پہلا عمومی مظاہرہ اس وقت ہوا جب آپؐ کوہ صفا کی چوٹی پر تشریف لے گئے اور قریش کے اعیان و اشراف کو نام بہ نام پکارا اور اپنے قریب بلایا۔ آپ کی آواز سن کر سارے لوگ آپؐ کے گرد جمع ہو گئے۔ آپ نے اس وقت نہایت مؤثر انداز میں دین کی دعوت پیش کی۔ آپؐ کی ان باتوں کو سن کر سارا مجمع حیرت میں پڑ گیا اور آپس میں تبصرہ کرنے لگا کہ محمد کو کیا ہو گیا ہے؟ وہ ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے؟ انھیں چہ می گوئیوں کے ساتھ سارے لوگوں نے اپنی اپنی راہ لی۔ اس موقع پر ابولہب بھی وہیں موجود تھا، اس نے بڑے سخت الفاظ میں کہا: 'غارت ہو، کیا تو نے اسی بات کے لیے ہمیں جمع کیا تھا۔'(۴) اس کے بعد کفار مکہ نے آپؐ کی نبوت اور آپ کے کام کی مخالفت شروع کر دی۔

مخالفت کی وجوہات

اللہ کے رسولؐ نے قریش مکہ کے سامنے اپنی نبوت کے جو فرائض بیان کیے وہ کوئی ایسے نہ تھے جن سے وہ ناواقف ہوں اور اس کی اہمیت و افادیت سے بے خبر تھے۔ آپؐ نے ان سے وہی کہا جو انبیائے سابقین اپنی قوم سے کہا کرتے تھے۔ یہی وہ باتیں تھیں جنہیں حضورؐ آخر وقت تک لوگوں کے سامنے پیش کرتے رہے۔ یہ امر بھی مسلم ہے جس کو انبیاء کی تاریخ بھی بتاتی ہے اور جس کی تائید عہد نبوی کے عیسائی عالم ورقہ بن نوفل کے بیان سے بھی ہوتی ہے کہ ہر نبی کی دعوت کو شروع میں اس کی قوم نے جھٹلایا اور ان کی تعلیمات کا مذاق اڑایا ہے۔(۵) چنانچہ کفار مکہ کی مخالفت کی وجوہات تلاش کی جائیں تو مندرجہ ذیل باتیں سامنے آتی ہیں:

۱۔ غیر تربیت یافتہ اور تند خو قوموں کا خاصہ ہے کہ کوئی تحریک، جو ان کے آبائی رسم و رواج

اور عقائد کے خلاف ہو، ان کو سخت برہم کر دیتی ہے۔ اس کے ساتھ ان کی مخالفت محض زبانی نہیں ہوتی اور ان کی تشنگی انتقام کو خون کے سوا کوئی چیز بجھا نہیں سکتی۔ عرب ایک مدت سے بت پرستی میں مبتلا تھا، خلیل بت شکن کی یادگار (کعبہ) تین سو ساٹھ معبودوں سے مزین تھی، جو ان کے عقیدے کے مطابق ہر قسم کے خیر و شر کے مالک تھے، اولاد دیتے تھے، معرکہ ہائے جنگ میں فتح دلاتے تھے (اور ان میں ہبل خدائے عظیم تھا)۔ خدا یا تو سرے سے موجود نہ تھا یا تھا تو وجود معطل تھا۔

۲۔ اسلام کا اصل فرض اس طلسم کو دفعتاً برباد کر دینا تھا، لیکن اس کے ساتھ قریش کی عظمت واقتدار اور عالم گیر اثر کا بھی خاتمہ تھا۔ اس لیے قریش نے شدت سے مخالفت کی اور ان میں جن لوگوں کو جس قدر زیادہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا، اسی قدر مخالفت میں زیادہ سرگرم تھے۔ اپنے جاہ و منصب کی بنا پر قریش کا خیال تھا کہ نبوت کا منصب بھی اگر کسی کو ملتا تو مکہ یا طائف کے کسی رئیس کو ملتا۔ عرب میں ریاست کے لیے دولت اور اولاد زرینہ سب سے اہم چیز تھی اور حضوؐر ان سے محروم تھے۔

۳۔ ابرہہ اشرم نے کعبہ کو ڈھانے کے ارادے سے جو ذلیل حرکت کی تھی، اس سے قریش کے دل میں عیسائیت سے سخت نفرت ہوگئی تھی۔ اسلام اور نصرانیت میں بہت سی باتیں مشترک تھیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس زمانہ میں اسلام کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ ان اسباب سے قریش کو خیال ہوا کہ آں حضرتؐ عیسائیت قائم کرنا چاہتے ہیں۔

۴۔ آپ کی مخالفت میں خاندانی رقابت کا بھی بڑا دخل تھا۔ قریش میں دو قبیلے بڑے اہم اور ایک دوسرے کے حریف تھے۔ بنو ہاشم اور بنو امیہ۔ پہلے تو بنی ہاشم کا پلا بھاری تھا مگر ہاشم کے انتقال کے بعد بعض وجوہ سے ان کا اثر و رسوخ کم ہوتا جا رہا تھا اور بنو امیہ کا قبیلہ عروج حاصل کر رہا تھا۔ آں حضرتؐ کی نبوت کو خاندان بنی امیہ اپنے رقیب (ہاشم) کی فتح خیال کرتا تھا۔ اس لیے سب سے زیادہ اسی قبیلہ نے محمدؐ کی مخالفت کی۔ ابوسفیان کی دشمنی معروف ہے، وہ اسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ عقبہ بن ابی معیط جو حضوؐر کا شدید دشمن تھا، اموی تھا۔ قبیلہ بنو مخزوم میں ولید بن مغیرہ اسی خاندان کا رئیس تھا، اس کی بھی عداوت مشہور ہے۔ یہ قبیلہ بھی بنو ہاشم کی برابری کا

دعویٰ کرتا تھا۔ اس لیے دشمن قبیلہ یہ برداشت کرنے کو تیار نہ تھا کہ قبیلہ بنو ہاشم پھر سے اثر ورسوخ حاصل کرے اور نبوت کا دعویٰ کرے۔

۵۔ مخالفت کے اسباب میں بد اخلاقی کو بھی بڑا دخل تھا۔ تمام رؤسا بد اخلاقی کے حد درجہ دل دادہ تھے۔ جھوٹ، چوری، زنا کاری کے علاوہ اولاد کے قتل کرنے میں بھی دریغ نہ کرتے تھے۔ اللہ کے رسولؐ نے ایک طرف بت پرستی کی برائیاں بیان کیں تو دوسری طرف ان بد اخلاقیوں پر سخت دارو گیر کرتے تھے۔ جس سے ان کی عظمت واقتدار کی شاہنشاہی متزلزل ہوتی جاتی تھی۔

لیکن مخالفت کی جو سب سے بڑی وجہ تھی اور جس کا اثر تمام قریش بلکہ تمام عرب میں یکساں تھا، وہ یہ تھی کہ جو معبود سیکڑوں برس سے عرب کے حاجت روائے عام تھے اور جن کے آگے وہ ہر روز پیشانی خم کرتے تھے، اسلام ان کا نام ونشان مٹا دینا چاہتا تھا۔ (۶)

نبیؐ ان کے بتوں کی بے وقعتی اور بے چارگی کا جس طرح بھانڈا پھوڑ رہے تھے، اس سے یہ لوگ حد درجہ بوکھلائے ہوئے تھے۔ ان معبودان باطل پر ان کا یہاں تک اعتقاد تھا اور وہ لوگ اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ محمد جو ہمارے بتوں کی برائی بیان کر رہا ہے، یقیناً یہ معبود اس کی اس ناشائستہ حرکت پر گرفت کریں گے۔ مگر انہوں نے جو سوچا، ویسا کچھ بھی نہ ہوا تو بجائے اس کے کہ وہ ان باطل خداؤں سے بے زاری ظاہر کرتے، حضورؐ کی ہی مخالفت پر کمربستہ ہوگئے۔ (۷)

نبوت بشریت کے منافی ہے

نبی کی نبوت کا انکار کرتے ہوئے قریش مکہ نے کہا بھلا وہ آدمی کیسے اتنا عظیم مرتبہ حاصل کرسکتا ہے جو کل تک ہمارے ساتھ کھاتا پیتا تھا، ہماری مجلسوں میں اٹھتا بیٹھتا تھا، بازاروں میں آمد ورفت کرتا تھا۔ اس کام کے لیے کوئی دوسری شخصیت ہوتی ہے جو انسانوں میں سے نہیں ہوتی۔ کفار مکہ کے اس اعتراض کا ذکر قرآن میں اس طرح کیا گیا ہے:

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ
(الفرقان:۷)

”اور کہتے ہیں یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔“

قرآن کفار مکہ کے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (حٰم السجدہ:۶)

''اے نبیؐ ان سے کہو، میں تو ایک بشر ہوں تم جیسا۔''

ایک اور مقام پر کفار مکہ کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

وَ مَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا۝ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓىِٕكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَىِٕنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا۝ (بنی اسرائیل:۹۴،۹۵)

''لوگوں کے سامنے جب کبھی ہدایت آئی تو اس پر ایمان لانے سے ان کو کسی چیز نے نہیں روکا، مگر ان کے اسی قول نے کہ کیا اللہ نے بشر کو پیغمبر بنا کر بھیج دیا۔ ان سے کہو، اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چل پھر رہے ہوتے تو ہم ضرور آسمان سے کسی فرشتے ہی کو ان کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجتے۔''

کفار کے باطل نظریات اور خیالات کی تردید میں قرآن میں یہ صراحت موجود ہے:

وَ مَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ (الفرقان:۲۰)

''اے نبیؐ تم سے پہلے جو رسول بھی ہم نے بھیجے تھے وہ سب بھی کھانا کھانے والے اور بازاروں میں چلنے پھرنے والے لوگ ہی تھے۔''

رسالت کا انکار

شروع سے ہی آپؐ بے داغ شخصیت کے مالک تھے اور آپ کی ہر بات کو لوگ اہمیت دیتے تھے، مگر جب آپؐ نے اپنی رسالت کا اعلان کیا تو ان لوگوں نے سرے سے آپ کے نبی ہونے کا ہی انکار کر دیا۔ آپؐ اپنی رسالت کی تصدیق کے لیے قرآن سے دلائل پیش کرتے، اس کے جواب میں کفار مکہ کہتے رسول ایسی بے تکی باتیں نہیں کہتا۔ چنانچہ آپ کی رسالت کی توثیق

کرتے ہوئے اور منکرین کے اعتراضات کے جواب میں حق تعالیٰ نے فرمایا:

يٰسٓ ۝ وَ الْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ (یٰس: ۱-۳)

''یٰس، قسم قرآن حکیم کی کہ تم یقیناً رسولوں میں سے ہو۔''

قرآن کریم کا انکار

قرآن کریم بے شمار خصوصیات کی حامل کتاب ہے۔ اس کی خوبی یہ بھی ہے کہ جو کوئی اس کی آواز پر کان دھرتا ہے تو وہ سیدھا اس کی طرف کھنچا چلا آتا ہے اور اس سے قلب و ذہن کو سرور حاصل ہوتا ہے۔ جب بھی قرآنی الفاظ کفار و مشرکین کے کانوں میں پڑتے تو نہ چاہنے کے باوجود بھی بعض لوگ اس کو سننے کی کوشش کرتے۔ چنانچہ اس کی اثر آفرینی سے انہیں یہ خطرہ لاحق ہوا کہ اگر یہی حال رہا تو مبادا سارے لوگ اسلام کی گود میں نہ داخل ہو جائیں۔ اس لیے اس کے اثر کو لوگوں کے درمیان کم یا ختم کرنے کے لیے انہوں نے اس کے متعلق مختلف قسم کی باتیں کہیں۔ قرآن مجید نے ان کی ان باتوں کا کئی مقام پر نہ صرف تذکرہ کیا ہے، بلکہ اس کا جواب بھی بڑے خوب صورت انداز میں دیا ہے:

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ ا۟فْتَرٰىهُ وَ اَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّ زُوْرًا ۝ وَ قَالُوْۤا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۝ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (الفرقان: ۴-۶)

''جن لوگوں نے نبیؐ کی بات ماننے سے انکار کر دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) ایک من گھڑت چیز ہے، جسے اس شخص نے آپ ہی گھڑ لیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس کام میں اس کی مدد کی ہے، بڑا ظلم اور سخت جھوٹ ہے جس پر یہ لوگ اتر آئے ہیں۔ کہتے ہیں یہ پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی چیزیں ہیں جنہیں یہ شخص نقل کراتا ہے اور وہاں سے صبح و شام سنائی جاتی ہیں۔ اے نبیؐ ان سے کہو کہ اسے نازل کیا ہے اس نے

جو زمین و آسمان کا بھید جانتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا غفور و رحیم ہے۔"

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَلَا تَمْلِكُونَ لِي مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ (الاحقاف:۸)

"کیا ان کا کہنا یہ ہے کہ رسولؐ نے اسے خود گھڑ لیا ہے، ان سے کہو اگر میں نے اسے خود گھڑ لیا ہے تو تم مجھ کو خدا کی پکڑ سے کچھ بھی نہ بچا سکو گے۔"

ایک نبی جس کو کتاب ہدایت سے نوازا گیا، عمر کے ایک خاص حصے تک لوگوں کی فلاح اور بھلائی کا کام کرتا رہا، لیکن جب پیغام نبوت کو وسیع کرنے کی بات آئی تو اس کے متعلق خرافات وضع کیے اور اس کی اہمیت کو گھٹانے کی کوشش کرنے لگے۔ ان کی اس لاحاصل جدوجہد پر کڑی ضرب لگاتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ (الانعام:۹۳)

"اور اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جو اللہ پر بہتان گھڑے، یا کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے، درآں حالے کہ اس پر کوئی وحی نازل نہ کی گئی ہو۔"

حضور اکرمؐ نوشت وخواند سے واقف نہ تھے۔ اس بات کا علم کفار مکہ کو بھی تھا۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ اللہ کے رسول اتنا جامع اور ادبیت واعجاز سے بھرپور کلام وضع کر کے اسے اللہ کی طرف منسوب کرتے۔ اس میں کفار مکہ یہ اضافہ کرتے کہ دراصل قرآن سابقہ آسمانی کتابوں کی تعلیمات سے اخذ کیا ہوا ہے جسے محمدؐ نے اہل کتاب کے پڑھے لکھے لوگوں سے سیکھ کر تیار کیا ہے۔ حقیقت واقعہ یہ ہے یہ لوگ ایک طرف قرآن مجید کو محمدؐ کی تصنیف قرار دیتے تھے تو دوسری طرف وہ یہ بھی کسی نہ کسی طرح مانتے تھے کہ یہ انسانی کلام نہیں ہے۔ (۸) اس اعتراف کے باوجود کفار مکہ قرآن کے ساتھ کیا رویہ اختیار کرتے، اس کے متعلق قرآن میں ہی یہ صراحت موجود ہے:

لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ ۝ (حم السجدہ:۲۶)

"اس قرآن کو سنو ہی مت اور جب یہ سنایا جائے تو اس میں خلل ڈالو، شاید کہ اسی طرح تم غالب آجاؤ۔"

کاہن ہونے کا الزام

جو کچھ اللہ کی طرف سے آپ پر نازل ہوتا، اسے دوسروں تک پہنچانے کے لیے آپ ﷺ تمام لوگوں سے ملتے۔ اپنی گفتگو کو مزید مستحکم کرنے کے لیے انبیائے سابقین کی قوم کی بداعمالیوں اور گمراہیوں کا حوالہ دیتے اور اس نافرمانی کی وجہ سے جو عذاب الٰہی ان پر نازل ہوا اس سے بھی آپ خبردار کرتے۔ اس سے پہلے کہ لوگ آپ کی باتوں کو دھیان سے سنتے اور اس سے عبرت و نصیحت حاصل کرتے، مشرکین یہ کہہ کر اسے بے اثر کر دیتے کہ آپ تو کاہن ہیں، اس لیے کہ آپ گزرے زمانے کی باتیں بیان کرتے ہیں۔ قرآن نے ان کی ان مہمل باتوں کا جواب اس طرح دیا ہے:

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ۝ (الطور:۲۹)

"پس اے نبی! تم نصیحت کیے جاؤ، اپنے رب کے فضل سے نہ تم کاہن ہو اور نہ مجنون۔"

مجنون ہونے کا الزام

ایسا بھی ہوتا کہ آپ ﷺ کفار و مشرکین کو جو کچھ کہتے یا سناتے اسے وہ بغور سنتے، مگر جیسے ہی کوئی بات ان کے منشا اور مرضی کے خلاف ہوتی، فوراً اس کی تردید کرنے لگتے اور اس سے آگے بڑھ کر پاگل اور مجنون کا ہر بونگ مچاتے ہوئے اپنی راہ لیتے۔ اس سلسلے میں قرآن میں یہ صراحت ملتی ہے:

وَ اِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَ يَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ۝ (القلم:۵۱)

"جب یہ کافر لوگ کلام نصیحت (قرآن) سنتے ہیں تو تمہیں ایسی نظروں سے دیکھتے ہیں کہ گویا تمہارے قدم اکھاڑ دیں گے، اور کہتے ہیں کہ یہ ضرور دیوانہ ہے۔"

وَ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝ (الحجر:٦)

"اور کہتے ہیں اے وہ شخص جس پر قرآن نازل ہوا ہے، بے شک تو یقیناً دیوانہ ہے۔"

جادوگر ہونے کا الزام

کفار مکہ کی شدید مخالفت کے باوجود آئے دن لوگ حلقہ اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ اس وقت مخالفین مکہ کی جو ذہنی کیفیت تھی اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہتے: یقیناً آپ جادوگر ہیں اور جس پر چاہتے ہیں جادو کر دیتے ہیں۔ ان کے اس رویہ کا ذکر قرآن اس طرح کرتا ہے:

وَ عَجِبُوْۤا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ؗ وَ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝ (ص:٤)

"ان لوگوں کو اس بات پر بڑا تعجب ہوا کہ ایک ڈرانے والا خود انہیں میں کا آ گیا۔ منکرین کہنے لگے' یہ ساحر ہے، سخت جھوٹا ہے۔"

شاعر ہونے کا الزام

قریش مکہ کو اپنی زبان پر بڑا ناز تھا۔ اس کے مقابلے میں کسی اور زبان کو اہمیت نہ دیتے تھے۔ جب حضورؐ ان کے سامنے قرآنی آیات تلاوت کرتے تو اس کی فصاحت و بلاغت اور اس کے اعجاز و انداز سے چونک پڑتے اور سوچنے پر مجبور ہو جاتے کہ ایک امی اس قدر عمدہ کلام کیسے پیش کر سکتا ہے، ہو نہ ہو آپ شاعر ہیں، اس لیے ایسا ادبیت سے رچا بسا کلام پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ لوگ کلام الٰہی کی معنویت کو گھٹانے کے لیے کہتے:

بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ (الانبیاء:٥)

"بلکہ یہ شخص شاعر ہے۔"

ابتر ہونا

نبی اکرمؐ کی کوئی اولاد نرینہ زندہ نہ رہی، ایام طفلی میں ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ آپؐ کی

شخصیت کو مجروح کرنے کے لیے کفار مکہ نے اسے بھی نشانہ بنایا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہیں، اس لیے کسی اولادِ نرینہ کو زندہ رہنے نہ دیا۔ لڑکا تو بڑھاپے کا سہارا ہوتا ہے، اس سے ہی باپ، دادا اور خان دان کا نام روشن ہوتا ہے۔ اس لیے آپ کا تعلق سماج سے کٹ گیا ہے۔ مکہ کے سردار عاص بن وائل سہمی کے سامنے جب رسول اللہ کا ذکر کیا جاتا تو وہ کہتا: اجی چھوڑو انہیں وہ تو ابتر ہیں، مرجائیں گے تو کوئی نام لیوا نہیں رہے گا۔(۹) قرآن میں اس غلط نظریہ کی تغلیط اس طرح کی گئی ہے:

إِنَّآ أَعْطَيْنَٰكَ ٱلْكَوْثَرَ ۝١ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَٱنْحَرْ ۝٢ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ ٱلْأَبْتَرُ ۝٣ (الکوثر:۱-۳)

"اے نبیؐ! ہم نے تمہیں کوثر عطا کر دیا، پس تم اپنے رب ہی کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو، تمہارا دشمن ہی جڑ کٹا ہے۔"

اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا چھوڑ دیا ہے؟

حضورؐ کی ایک خاص صفت یہ تھی کہ آپ تنہائی کو زیادہ پسند کرتے، تاکہ یکسوئی سے اپنے رب کے حضور راز و نیاز کر سکیں۔ بلا ضرورت آپ ادھر ادھر نہ جاتے تھے۔ نبوت سے سرفراز کیے جانے کے بعد بھی دین کی تبلیغ کے لیے عموماً تنہا ہی جاتے۔ خانہ کعبہ میں بھی تنہا ہی عبادت کرتے تھے۔ حالاں کہ آپ کے اصحاب اور جاں نثاروں کی کمی نہ تھی۔ اس تنہائی اور اکیلا پن کو کفار مکہ نے غلط جامہ پہنایا۔ ایک مرتبہ آپؐ کسی جسمانی تکلیف میں مبتلا ہوئے تو دو تین دن تک رات کے آخری حصے میں بیدار ہو کر مصروفِ عبادت نہ ہوئے، یا کسی وجہ سے جبرئیل امین وحی لے کر نہ آئے۔ اس پر ام جمیل نے آپ کو طعنہ دیا کہ اے محمد میں دیکھتی ہوں کہ تمہارے شیطان (جبرئیل امین) نے تمہیں تنہا چھوڑ دیا ہے، دو تین رات سے وہ نہیں آتے ہیں۔ مشہور روایت کے مطابق اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسی طعن کے جواب میں سورۂ 'الضحیٰ' نازل کی،(۱۰) جس میں فرمایا گیا ہے:

وَٱلضُّحَىٰ ۝١ وَٱلَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ ۝٢ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ ۝٣
وَلَلْءَاخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ ٱلْأُولَىٰ ۝٤ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ

فَتَرْضٰی ﴿۵﴾ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰی ﴿۶﴾ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا
فَهَدٰی ﴿۷﴾ وَ وَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی ﴿۸﴾ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا
تَقْهَرْ ﴿۹﴾ وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴿۱۰﴾ وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ
فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾ (الضحیٰ:۱-۱۱)

''قسم ہے روز روشن کی اور رات کی جب کہ وہ سکون کے ساتھ طاری ہو جائے۔ (اے نبیؐ) تمہارے رب نے تم کو ہرگز نہیں چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا اور یقیناً تمہارے لیے بعد کا دور پہلے دور سے بہتر ہے اور عنقریب تمہارا رب تم کو اتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے، کیا اس نے تم کو یتیم نہیں پایا اور پھر ٹھکانہ فراہم کیا اور تمہیں ناواقف راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی اور تمہیں نادار پایا اور پھر مال دار کر دیا، لہٰذا یتیم پر سختی نہ کرو اور سائل کو نہ جھڑکو اور اپنے رب کی نعمت کا اظہار کرو۔''

مطالبۂ معجزات

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نیچا دکھانے کے لیے بعض وقت یہ لوگ آپ سے کہتے کہ اگر واقعی آپ نبی ہیں اور اللہ کے محبوب ہیں تو ہمیں کوئی ایسا معجزہ دکھایئے جسے نہ ہماری آنکھوں نے کبھی دیکھا اور نہ کانوں نے کبھی سنا ہو۔ حالاں کہ ان کے سامنے قرآن مجید کھلا ہوا معجزہ تھا۔ معجزات کے ضمن میں ان کے جو مطالبات تھے، اس پر قرآن کریم میں اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے:

وَ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾
اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ
خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا
كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ
مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى
تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ (بنی اسرائیل:۹۰-۹۳)

''اور انھوں نے کہا: ہم تیری بات نہ مانیں گے یہاں تک تو ہمارے لیے زمین

کو پھاڑ کر ایک چشمہ جاری کردے، یا تیرے لیے کھجوروں اور انگوروں کا ایک
باغ پیدا ہو اور تو اس میں نہریں جاری کردے، یا تو آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے
ہمارے اوپر گرا دے جیسا کہ تیرا دعویٰ ہے، یا خدا اور فرشتوں کو رودررو ہمارے
سامنے لے آئے، یا تیرے لیے سونے کا ایک گھر بن جائے، یا تو آسمان پر
چڑھ جائے اور تیرے چڑھنے پر بھی ہم یقین نہ کریں گے جب تک تو ہمارے
اوپر ایک ایسی تحریر نہ اتار لائے جسے ہم پڑھیں۔"

کفار مکہ نے بیک وقت کئی معجزات طلب کرڈالے، جو منشائے نبوت کے خلاف تھا۔ اللہ کے رسول ان کو ہدایت کا راستہ دکھانے کے لیے آئے تھے، نہ کہ ان کی خواہشات کی پیروی کرنے۔ ان کے سوالوں کے جواب میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ
اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ۝ (الرعد:۲۷)

"یہ لوگ جنہوں نے (رسالت محمدی کو ماننے سے) انکار کردیا ہے، کہتے ہیں اس شخص پر
اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہ اتری، کہو، اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کردیتا
ہے اور وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اسی کو دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے۔"

جو سوالات اور مطالبات کفار نے حضورؐ سے کیے، اس سے ان کا منشا ہرگز یہ نہ تھا کہ اگر یہ پورے ہو جائیں تو وہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئیں گے، بلکہ یہ ان کا تمسخر تھا، اسی زعم میں انہوں نے اللہ کے رسولؐ سے یہ سوال بھی کیا کہ اگر آپؐ اللہ کے واقعی نبی ہیں جیسا کہ آپ کا دعویٰ ہے تو آپ اپنے اللہ سے روزانہ ہمارے سامان کا نرخ معلوم کر کے بتایئے تاکہ ہم اسی کے مطابق اپنا سامان فروخت کریں، جس سے زیادہ منافع ہو۔ اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبیؐ کے ذریعے اس کا جواب دیا:

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ
كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚۖ وَ مَا مَسَّنِيَ
السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (الاعراف:۱۸۸)

''اے نبیؐ، ان سے کہو کہ میں اپنی ذات کے لیے کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا، اللہ ہی جو کچھ چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں بہت سے فائدے اپنے لیے حاصل کر لیتا اور مجھے کبھی نقصان نہ پہنچتا۔ میں تو محض ایک خبردار کرنے والا اور خوش خبری سنانے والا ہوں ان لوگوں کے لیے جو میری بات مانیں۔''

کفار مکہ کے مطالبات میں جو چیز مخفی تھی وہ یہ کہ حضورؐ کی رسالت کا انکار کیا جائے اور ان کا مذاق اڑایا جائے۔ اس لیے وہ جان بوجھ کر ایسے مطالبات کرتے تھے جن کا پورا ہونا ممکن نہ تھا۔ چوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ دلوں کے حال سے بخوبی واقف ہے، اس لیے ان کے مطالبات کو اہمیت نہ دی گئی۔ یہاں تک کہ ان مطالبات سے کفار کے کیا مقاصد تھے اس پر سے بھی پردہ اٹھایا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ﴿۱۴﴾ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ﴿۱۵﴾

(الحجر: ۱۴-۱۵)

''اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیتے اور وہ دن دہاڑے اس میں چڑھنے بھی لگتے تب بھی وہ یہی کہتے کہ ہماری آنکھوں کو دھوکا ہو رہا ہے، بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔''

ایک دوسرے موقع پر فرمایا گیا:

وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴿۷﴾ (الرعد: ۷)

''یہ لوگ جنھوں نے تمہاری بات ماننے سے انکار کر دیا ہے، کہتے ہیں کہ اس شخص پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہ اتری، تم تو محض خبردار کر دینے والے ہو اور ہر قوم کے لیے ایک رہنما ہے۔''

بعض علمی سوالات

کفار مکہ اپنی دھن میں لگے رہے کہ کوئی ایسی صورت بنے کہ جس سے سرعام نبیؐ کی

قدر و منزلت گھٹائی جائے، تاکہ ان کے ساتھی بھی ان کا ساتھ چھوڑ دیں۔ اسی زعم میں نضر بن الحارث اور عقبہ بن ابی معیط یثرب کے یہودی عالم کی خدمت میں پہنچے اور بعض علمی سوالات سیکھ کر آئے۔ ان کے سوالات بڑے پایہ کے تھے۔ لیکن ساتھ ہی اس یہودی عالم نے یہ بھی بتادیا کہ اگر وہ ان سوالوں کا صحیح صحیح جواب دے دیں تو سمجھ لینا کہ یہ وہی برگزیدہ نبی ہیں جن کی آمد کی بشارت کتب سابقہ میں دی گئی ہے۔(۱۱) ان کے سوالات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اصحاب کہف کون تھے؟

۲۔ ذوالقرنین کون تھے؟

۳۔ روح کیا ہے؟

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان سوالوں کے ذریعہ وہ بازی مار جائیں گے۔ لیکن جب انہوں نے یہ سوالات اللہ کے رسولؐ کے سامنے پیش کیے تو انہیں منہ کی کھانی پڑی۔ چنانچہ اللہ کے رسولؐ نے ان کے اول الذکر دونوں سوالوں کا جواب دے دیا جس کی تفصیل سورۂ کہف اور سورۂ بنی اسرائیل میں موجود ہے۔ آخری سوال کے متعلق نبیؐ نے اللہ کے حکم سے فرمایا:

وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ (بنی اسرائیل:۸۵)

"یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق سوال پوچھتے ہیں، کہو یہ روح میرے رب کے حکم سے آتی ہے۔"

قرآن کریم مکے کے کسی رئیس پر کیوں نہ نازل ہوا؟

حضور اکرمؐ شروع سے ہی کفایت شعار تھے۔ کسب معاش کے لیے آپ نے تجارت کے علاوہ اور دوسرے بھی کام کیے۔ اس سے جو منافع ہوتا، اس میں سے اتنا ہی آپ رکھتے کہ جس سے گزر بسر ہو سکے۔ ازدواجی رشتہ قائم ہونے کے بعد حضرت خدیجہؓ نے اپنی ساری دولت وتجارت کا مختار کل بنادیا۔ اس کے باوجود آپؐ نے ذخیرہ اندوزی کو کبھی پسند نہ کیا۔ اس لیے حضورؐ کی ظاہری شان وشوکت مکہ اور طائف والوں کے نزدیک ہیچ معلوم ہوئی جسے انہوں نے غربت وافلاس پر محمول کیا اور قرآن کریم کی اہمیت گھٹانے کے لیے یہ طعنہ دیا کہ ایسے لوگوں پر اللہ اپنا کلام نازل کرتا ہے جن کی سماج میں کوئی حیثیت نہیں، کیا مکہ میں کوئی رئیس اللہ کو نہ ملا تھا کہ جس پر

اپنا کلام نازل کرتا۔ ایسے شخص پر قرآن کا نزول ہی بے وقعتی ظاہر کرتا ہے، بھلا ہم اس کی باتوں کو کیوں مانیں۔ قرآن میں ان کی اس لغو بیانی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝ (الزخرف:۳۱)

"کہتے ہیں یہ قرآن دونوں شہروں کے بڑے آدمیوں میں سے کسی پر کیوں نازل نہ کیا گیا۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا رسانی

حضورؐ طائف اس مقصد سے تشریف لے گئے کہ شاید وہاں کے لوگ ایمان کی دولت سے سرفراز ہو جائیں، مگر وہاں کے لوگوں نے آپ کے ساتھ جو سلوک کیا وہ مکہ والوں نے بھی نہ کیا تھا۔ آپؐ طائف کے تین مشہور سرداروں سے ملے اور انہیں دین کی دعوت دی تو ان میں سے ایک نے آپ کی نبوت کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ کیا خدا کو تیرے سوا نبی بنانے کے لیے کوئی نہ ملا تھا۔ دوسرے نے کہا کہ اگر خدا نے تجھے نبی بنا کر بھیجا ہے تو کعبے کا پردہ چاک کر دے۔ تیسرے نے کہا کہ میں تم سے ہرگز بات نہیں کر سکتا، کیوں کہ تم اگر رسول ہو تو تمہاری باتوں کو رد کرنا میرے لیے انتہائی خطرناک بات ہے اور اگر تم نے اللہ پر جھوٹ باندھ رکھا ہے تو پھر مجھے تم سے بات ہی نہیں کرنی چاہیے۔ (۱۲) اس طعن و تشنیع کے علاوہ ان لوگوں نے آپ کے پیچھے اوباش قسم کے لڑکوں کو لگا دیا جو مستقل ٹھٹھے مارتے اور آپ پر پتھر برساتے تھے۔ اس سنگ باری کی وجہ سے آپ کا جسم لہولہان ہو گیا۔ زخموں کی تاب نہ لا سکے تو مجبور ہو کر وہاں سے نکلے اور قریب کے ایک باغ میں پہنچے۔ اس وقت آپ نے جس صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا اس کی نظیر نہیں ملتی۔

بعض شرپسند جب بھی حضورؐ کو کہیں آتے جاتے دیکھتے تو تنگ کرنا شروع کر دیتے اور برا بھلا کہتے۔ کبھی طعن کے انداز میں کہتے کہ یہ نبی ہیں جو ہمیں سمجھانے آئے ہیں۔ اس طرح کی باتوں سے ان کا مدعا یہ ہوتا کہ آپ دل برداشتہ ہو جائیں اور اپنے کام سے باز آ جائیں۔ قرآن نے کفار کے اس رویے کا بھی پردہ فاش ان الفاظ میں کیا ہے:

وَ اِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ۝ (الفرقان:۴۱)

”یہ لوگ جب تمہیں دیکھتے ہیں تو تمہارا مذاق بنا لیتے ہیں۔ (کہتے ہیں) کیا یہ شخص ہے جسے خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟“

مکہ چوں کہ مرکزی مقام تھا، اس لیے یہاں پورے عرب کی آمد ورفت کا سلسلہ جاری رہتا، خاص طور سے بعض اہم مواقع پر لوگوں کی بڑی بھیڑ ہو جاتی تھی۔ ایسے موقعوں پر اللہ کے رسولؐ ان نو واردوں سے ملتے اور ان کے سامنے دین پیش کرتے۔ کفار مکہ اکثر وبیش تر ان سے پہلے ہی مل لیتے اور ان کے کان بھر دیتے کہ یہاں ایک شخص ہے جو اپنے آپ کو اللہ کا نبی کہتا ہے، حالاں کہ وہ بہت بڑا جادوگر ہے، جو کوئی اس کے قریب جاتا ہے یا اس کی باتوں کو سنتا ہے وہ اس کے جادو کے اثر سے گمراہ وبے دین ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر وہ تمہارے پاس آئے تو تم اس کی طرف التفات نہ کرنا اور اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لینا، تاکہ اس کی باتیں تمہارے کانوں تک نہ پہنچیں۔

اسی طرح بڑے بڑے مجمعوں میں کفار مکہ آپ کو اپنے آبائی دین کا منکر بتاتے۔ کچھ لوگ تو صرف اس کام پر مامور تھے کہ حضور کہاں جا رہے ہیں اور کس سے مل رہے ہیں، اس پر نظر رکھیں۔ خاص طور سے ابولہب وہاں پہنچ جاتا اور مخاطب کو روکتا کہ آپ کی باتوں کو نہ سنے۔ (۱۳)

اذیت پہنچانے کی مختلف ترکیبیں

نفرت وعداوت میں کفار ومشرکین یہاں تک گر گئے تھے کہ حضورؐ کے جسم مبارک پر غلاظت ڈال دیتے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ابوجہل اور اس کے کچھ ساتھی حرم میں موجود تھے۔ وہیں آپؐ نماز ادا کر رہے تھے۔ ابوجہل نے حضورؐ کو نماز پڑھتا دیکھ کر کہا: کون ہے جو اونٹ کی اوجھ لائے اور حضورؐ کی پشت پر رکھ دے۔ بدبخت وشقی عقبہ بن ابی معیط اٹھا اور اونٹ کی اوجھ لا کر سجدہ کی حالت میں آپ کی پشت پر رکھ دی۔ (۱۴) خاص طور سے ابوجہل، عقبہ بن ابی معیط، ابولہب اور اس کی بیوی آپ کو اذیت پہنچانے میں پیش پیش تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا: میں دو بدترین پڑوسیوں کے درمیان رہتا تھا۔ ابولہب اور عقبہ بن ابی معیط۔ یہ دونوں میرے دروازے پر نجاستیں لا کر ڈالا کرتے تھے۔ (۱۵) ان کے رویے سے دل برداشتہ ہو کر حضورؐ فرماتے تھے: ”اے عبد مناف کیا پڑوسی کا یہی حق ہے جسے تم ادا کر رہے ہو۔“ ابولہب کی بیوی ام جمیل آپ کے راستے میں کانٹے ڈال دیا کرتی تھی۔ (۱۶)

ایسے لوگوں کی تعداد بھی خاصی تھی جنہوں نے طے کرلیا تھا کہ کچھ بھی ہو جائے حضورؐ کے پیش کردہ دین کو مکہ میں پنپنے نہیں دیں گے۔ اسی سبب سے انہوں نے حضورؐ کی رسالت کو مجروح کرنے میں ذرا بھی تامل نہ کیا۔ ابوجہل بن ہشام، ابولہب بن عبدالمطلب، اسود بن عبدیغوث، حارث بن قیس، ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف، ابوقیس بن الفاکہ بن مغیرہ، عاص بن وائل، نضر بن الحارث، منبہ بن الحجاج، زہیر بن امیہ، سائب بن صیفی، اسود بن عبدالاسد، عاص بن سعید بن العاص، عقبہ بن ابی معیط، ابن الاسدی ہذلی، حکم بن ابی العاص، عدی بن حمرا وغیرہ۔ ان میں بیش تر لوگ آپ کے پڑوسی تھے۔(۱۷) جو ہر وقت ایذا رسانی کے درپے رہتے تھے۔

یہ لوگ آپ کے مشن کے اثرات کو کم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے تو آخر میں آپ کے قتل کا منصوبہ بنایا، تاکہ ہمیشہ کے لیے نعوذ باللہ آپ کا کام تمام کر دیں۔ خاص طور پر اس کا مظاہرہ ہجرت مدینہ کے وقت کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ناپاک منصوبوں کو خاک میں ملا دیا اور آپ صحیح وسالم ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے۔

مدینے میں آپؐ کی آمد اور یہودیوں کا ردعمل

آپؐ اللہ کے حکم سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے۔ آپ کی آمد پر نہ صرف مدینہ کے مسلمانوں نے خوشی کا اظہار کیا، بلکہ یہودیوں کے بعض سنجیدہ اور فہیم لوگوں نے بھی اظہار مسرت کیا۔ کیوں کہ یہود بھی توقع لگائے بیٹھے تھے کہ نبی بنی اسرائیل میں سے ہوں گے، جن کے وارث اور امین ہم ہیں۔ لیکن جب انہیں پتا چلا کہ ایسا نہیں ہے تو ان کی دل چسپی حضورؐ سے نہ صرف ختم ہوگئی بلکہ وہ مخالفت پر اتر آئے۔ رومانوی سیرت نگار کونسٹینٹن ویرژیل جورجیو (Constanttin Virjil Gheroghiu) نے اپنی کتاب La vie de (عکس سیرت) میں لکھا ہے کہ یہود کی محمدؐ سے مخالفت کا آغاز حضورؐ کے قبا پہنچنے کے بعد ہی ہو گیا تھا اور مدینہ پہنچنے کے بعد اس میں تیزی آگئی تھی۔ یہودیوں نے نبیؐ کے متعلق اپنے مفاد میں جو مفروضہ تیار کر رکھا تھا، آپ نے قیام قبا کے خطبۂ جمعہ میں ہی اس کا بھانڈا پھوڑ دیا، جس سے ان کی توقعات پر پانی پھر گیا۔ اب کیا تھا، یہودیوں کے سرداروں نے طرح طرح سے مدینہ میں افواہیں پھیلائیں اور نو وارد مہاجرین کے تعلق سے انصار کے دلوں میں نفرت وعداوت پھیلانے کی کوشش کی۔(۱۸)

یہودیوں میں سب سے پہلے یاسر بن اخطب (حی بن اخطب کا بھائی) خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپؐ کے کلام سے متاثر ہو کر اپنی قوم سے کہا: "میرا کہا مانو! یہ وہی نبی ہیں جس کے ہم منتظر تھے، وہ آگئے ہیں۔" (۱۹) اس تیقن کے باوجود انہوں نے آپؐ کی مخالفت کی۔ ان کے نظریات کے مطابق نبیؑ کو بنی اسرائیل میں سے ہونا چاہیے تھا۔ بنی اسرائیل خود کو خدا کی منتخب قوم سمجھتے تھے۔ اپنی قوم سے باہر کسی اولوالعزم کا وجود انہیں گوارا ہی نہ تھا۔ جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ رسول عربیؐ کسی قبیلہ کے لیے کسی ترجیحی سلوک کے قائل نہیں اور وہ حضرت عیسیٰ بن مریم کو بھی خدا کا ایسا ہی برگزیدہ نبی بتلاتے ہیں جیسے حضرت موسیٰ کو تو انہیں رسول پاکؐ سے کوئی دلچسپی نہ وہی اور وہ بھی مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو مشکوک نظروں سے دیکھنے لگے۔ (۲۰) قاضی محمد سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں:

"محمدؐ نے اپنی بہترین تعلیم کی تبلیغ شروع کی تو یہود نے سخت پیچ و تاب کھایا اور آخر یہی فیصلہ کیا کہ محمد رسول اللہؐ کو بھی ویسا ہی ظلم و ستم کا آماج گاہ بنایا جائے جیسا کہ مسیح کو بنا چکے تھے۔" (۲۱) محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں:

> "یہودِ مدینہ آستین چڑھا کر رسول اللہؐ کے سامنے اس شدت سے مجادلہ پر اتر آئے، جس کے سامنے قریش مکہ کے مظالم بھی گرد تھے۔ انہوں نے ہر قسم کے فریب وجدل کے ساتھ انبیائے سابقین کی تعلیم سے ایسی پیشین گوئیاں وضع کر لیں جو رسول اللہؐ کے منصب (رسالت) پر معترض ہو سکتی تھیں۔ وہ آں حضرتؐ کے ساتھ آپ کے دوست داران مہاجر و انصار کو بھی اس قسم کے سوالات سے پریشان کرنے میں کوتاہی نہ کرتے۔ (انہوں نے) مدینہ ہی کے رہنے والے ایسے لوگوں کو بھی اپنے ساتھ شریک کر لیا تھا جو منافق تھے اور مصنوعی اتقاد پرہیزگاری کے اظہار میں اسلام کا سوانگ بھر رکھا تھا۔ آج سے وہ بھی یہود کو دیکھ کر مسلمانوں کے سامنے اسلام پر اعتراض کرنے لگے۔ ان تمام طائفوں کا مقصد ایک ہی تھا مسلمانوں کے دلوں میں خدا اور اس کے رسولؐ پر اعتقاد میں تزلزل پیدا کرنا۔" (۲۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و شخصیت پر یہودیوں کا حملہ

یہود و منافقین مدینہ کی آبادی کا اہم حصہ تھے۔ دونوں آپس میں مل کر نہ صرف اسلام اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے بلکہ حضورؐ کی مجلس میں آتے اور ذومعنی الفاظ کے ذریعے انہیں مطعون کرتے اور استہزائیہ و حقارت آمیز جملے کہتے تھے، جس سے مسلمانوں کی دل آزاری تو ہوتی ہی تھی، حضورؐ کو بھی اس کی وجہ سے بڑی تکلیف ہوتی تھی۔ ان کی اس ذلیل حرکت کا ذکر قرآن نے اس طرح کیا ہے:

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَ طَعْنًا فِي الدِّيْنِ ؕ وَ لَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَ انْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ اَقْوَمَ ۙ وَ لٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ (النساء:۴۶)

”جن لوگوں نے یہودیت کا طریقہ اختیار کر رکھا ہے، ان میں سے کچھ لوگ ہیں جو الفاظ کو ان کے محل سے پھیر دیتے ہیں اور دین حق کے خلاف نیش زنی کرنے کے لیے اپنی زبانوں کو توڑ مروڑ کر کہتے ہیں سمعنا وعصینا اور اسمع غیر مسمع اور راعنا۔ حالاں کہ اگر وہ کہتے سمعنا واطعنا اور اسمع اور انظرنا تو یہ انہی کے لیے بہتر تھا اور زیادہ راست بازی کا طریقہ تھا۔ مگر ان پر تو ان کی باطل پرستی کی بدولت اللہ کی پھٹکار پڑی ہوئی ہے، اس لیے وہ کم ہی ایمان لاتے ہیں۔“

ایسی صورت میں بھی ان کے ساتھ سختی کرنے کے بجائے حضورؐ صبر و تحمل سے کام لیتے رہے۔ یہود و منافقین آپ سے ملتے تو آپ کو سلام کرنے کے بجائے 'السام علیک' کہتے، جس کا معنیٰ و مطلب یہ ہوتا کہ 'تمہاری موت ہو'۔ ایک بار حضرت عائشہؓ ان کے اس جملہ پر سخت برہم ہوئیں اور ان کے حق میں کہا 'السام علیکم ولعنکم اللہ وغضب علیکم' اس وقت بھی اللہ کے رسولؐ نے حضرت عائشہؓ کو سمجھایا اور کہا 'نرم خوئی کا مظاہرہ کرو اور سختی اور بدکلامی سے اجتناب کرو'۔ (۲۳)

احکام اسلام پر یہودیوں کے اعتراضات

یہود مدینہ اگر ایک طرف مسلمانوں کے وجود کا صفایا کرنے کے لیے قریش مکہ کے ساتھ ساز باز کیے ہوئے تھے تو دوسری طرف وہ مسلمانوں کے دل سے اسلام کی تعلیمات کو مشکوک ٹھہرانے کے لیے بڑے الٹے سیدھے اعتراضات کرتے تھے تاکہ مسلمان متنفر ہو کر محمدؐ سے الگ ہو جائیں اور انہیں مدینہ سے نکال باہر کریں۔ یہ ایسی کوشش تھی کہ اگر وہ کامیاب ہو جاتے تو مسلمانوں کے لیے بڑے مسائل پیدا ہو جاتے۔ مگر خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول کی زبان سے معقول جواب دیا۔ ان کے چند اعتراضات یہاں درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ اسلام مسلمانوں کو مجبوری میں حکم دیتا ہے کہ جنابت کی حالت میں پاکی حاصل کرنے کے لیے تیمم کیا جا سکتا ہے۔ اس پر یہود یہ اعتراض کرتے کہ سابقہ کتابوں میں اس قسم کی اجازت نہیں ہے تو پھر یہ کیسا اسلام ہے اور اللہ کی کیسی کتاب ہے کہ جس میں ناپاکی کی حالت میں محض تیمم کر لینے کے بعد نماز کی اجازت دیتا ہے۔ یہ کوئی خدائی مذہب نہیں ہو سکتا۔ اس سے بہتر توریت پرستوں کا مذہب ہے۔

۲۔ اسلام نے کمزور طبقات مثلاً یتیموں، عورتوں اور کمزوروں کے حقوق متعین کر دیے تو اس سے یہودیوں کی ظلم و زیادتی کی راہیں مسدود ہونے لگیں تو یہودیوں نے اس کے خلاف بے بنیاد باتوں کی تشریح کی، ان کی پوری کوشش یہ رہی کہ وہ ان اصلاحات کو ناکام بنا دیں۔

۳۔ تحویل قبلہ کا حکم آیا تو یہود نے اس کو بھی برداشت نہ کیا اور کہا کہ یہ مسلمان بھی کیا عجیب لوگ ہیں کہ بیٹھے بٹھائے انہوں نے اپنا قبلہ بدل دیا اور نئے قبلہ کی طرف منہ پھیر لیا۔

منافقین کی ریشہ دوانیاں

اسلام اور پیغمبر اسلام کے مشن کی مخالفت میں مدینہ میں منافقین کا بھی ایک بڑا قوی گروہ تھا۔ اس کی حیثیت مار آستین کی تھی۔ یہ بہ ظاہر مسلمان ہونے کا دم بھرتے تھے مگر اندر سے اسلام کو کمزور کرنے کے لیے کمر بستہ تھے اور بڑی ہوشیاری کے ساتھ یہود مدینہ کو تقویت پہنچاتے تھے۔ ان کا سردار عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔ اسے نہ تو اپنے خان دان کے مسلمانوں

سے محبت تھی اور نہ ہی رسول اللہؐ سے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضورؐ کے مدینہ پہنچنے کے بعد اسے ملنے والا وہ سماجی تفوق حاصل نہ ہوسکا جس کا وہ دعوے دار تھا اور جس کو حاصل کرنے کی اس نے پوری تیاری کر لی تھی۔ اسی عناد میں اس نے اسلام کو جڑ سے اکھاڑنے کی ٹھان لی اور اپنا ایک گروہ بنالیا۔ یہ سب حضورؐ کی خفیہ تدابیر کو نہ صرف افشا کرتے، بلکہ وہ بعض مواقع پر کھلے عام محمدؐ کا مذاق اڑاتے تھے۔ (المجادلہ:۸) منافقین آپس میں بیٹھ کر اللہ اور اس کے رسول کے حق میں بدگوئی بھی کرتے تھے۔ کوئی اگر یہ کہتا کہ ہوسکتا ہے نبیؐ کو اس کا علم ہو جائے تو شامت آجائے گی۔ اس پر یہ کہتے کہ اس کی کیا پروا، وہ تو 'کان ہی کان ہیں' یعنی جو سنتے ہیں ان سنی کر دیتے ہیں، یا جو بات ہم توڑ مروڑ کر کہتے ہیں اسے وہ مان لیتے ہیں۔ (النور:۶۱) اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہاں سب کچھ ہونے کے باوجود مسلمانوں پر ہر وقت خوف و ہراس کے بادل منڈلاتے رہتے تھے۔ (۲۴)

نئے دور کا آغاز

فتح مکہ کے بعد خطہ عرب میں کوئی ایسی چنگاری نہ بچی جو مسلمانوں کی جمعیت کو بہ آسانی خاکستر کر سکے۔ وصال نبویؐ کے بعد صحابہ کرام دین اسلام کی اشاعت کی جدوجہد کرتے رہے، جس کے نتیجے میں بہت جلد اسلام دور دراز ملکوں میں پہنچ گیا۔ مصر، فرانس اور افریقہ کے عیسائی ہوں یا یہودیوں کی مختصر تعداد، سب نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کی۔ اسلام کی اس مقبولیت اور برتری دیکھ کر عیسائیوں کے بعض مذہبی رہنماؤں نے کروٹ بدلی اور اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے اسلام اور نبیؐ کی سیرت کو ہدف تنقید بنایا اور پروپیگنڈے کے زور پر آپ کی شخصیت کو مجروح کرنے کی کوشش کی۔ اس میں وہ اس حد تک بڑھ گئے کہ انہیں یہ احساس تک نہ رہا کہ جو کچھ کہا جارہا ہے، اس کا تعلق پیغمبر اسلام کی سیرت و شخصیت سے ہے بھی کہ نہیں اور اس کا انجام کیا ہوگا۔

تاریخی حوالوں سے واضح ہوتا ہے کہ سب سے پہلے جس مذہبی رہنما نے اسلام اور نبیؐ کی سیرت پر اعتراض کیا وہ جان آف دمشق (پ:۶۷۶ء) تھا۔ اس نے پیغمبر اسلام کے خلاف نفرت اور دشمنی کی آگ بھڑکا دی اور اس کے پیروؤں نے حضورؐ پر طرح طرح کے الزام واتہام لگائے اور اسلام کا تعارف 'ایک نبی کاذب کے بت پرستانہ مذہب کی حیثیت سے کرایا'۔ (۲۵)

جان کے بعد عیسائی دنیا کے بہتیرے علماء اور مذہبی رہنماؤں نے قرآن کریم اور حضورؐ کی ذات گرامی کو کئی سو سال تک موضوع سخن بنائے رکھا اور حیرت انگیز افسانے تراشے۔ اس دور میں ان لوگوں نے زیادہ زور اس بات پر دیا کیا کہ آپؐ امی نہیں بلکہ بہت پڑھے لکھے شخص تھے، تو ریت اور انجیل سے اکتساب کر کے آپ نے قرآنی عبارتیں تیار کیں، بہت بڑے جادوگر کے ساتھ آپ (العیاذ باللہ) حد درجہ ظالم، سفاک اور جنسی طور پر پراگندہ شخصیت کے حامل تھے۔(۲۶) مندرجہ ذیل اقتباسات سے ان کے ذہنی خبث کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

ملکہ الزبیتھ کے زمانے کے ایک عیسائی مبلغ ہنری اسمتھ کے حوالے سے 'راجر وینڈ ووز' نے اسلام میں حرمت خنزیر کی جو علت بیان کی ہے، وہ انتہائی مضحکہ خیز اور دل آزار ہے۔ ایک نبی برحق کے متعلق جس نے دنیا کو انسانیت کا درس دیا اور اسے بہترین زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھایا، اس طرح کی باتیں کرنا عداوت کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ وہ لکھتا ہے:

> ''ایک شام...... اپنے محل میں شراب سے مخمور بیٹھا تھا کہ اسے اندازہ ہوا کہ اس پر اس کی بیماری کا دورہ پڑنے والا ہے (یعنی وحی آنے والی ہے) لہٰذا تیزی سے اٹھ کر روانہ ہوا، بہانہ یہ بنایا کہ اسے فرشتے سے گفتگو کرنے کے لیے بلایا جا رہا ہے، کوئی اس کے پیچھے نہ آئے، مبادا وہ فرشتے کو دیکھتے ہی ختم ہو جائے۔ اس خیال سے کہ کہیں گرنے سے چوٹ نہ آ جائے وہ گوبر کے ایک ڈھیر پر بیٹھ رہا، جہاں سے وہ اس حالت میں لڑھکتا گرا کہ دانت پر دانت جمے ہوئے تھے اور منہ سے کف جاری تھا۔ یہ دیکھ کر وہاں پر موجود بہت سارے خنزیر دوڑ کر حملہ آور ہوئے اور تکہ بوٹی کر کے اس کا خاتمہ کر ڈالا۔ اس کی بیوی اور اہل خانہ نے جو شور سنا تو دوڑے اور اپنے آقا کی لاش اس حالت میں پائی کہ اس کا بیشتر حصہ کھایا جا چکا تھا۔ بچے کھچے اعضا کو انہوں نے یکجا کر کے ایک تابوت میں بند کیا جو سونے چاندی سے گھڑا گیا تھا اور یہ اعلان کیا کہ اللہ کے فرشتوں نے اس کا بدن مشکل سے ہی زمین پر چھوڑا ہے اور اس کی روح کو خوشی خوشی آسمانی مسرتوں سے ہم کنار کر دیا گیا ہے۔''(۲۷)

ایولوگس (م ۸۵۹ء) نے کتے کی حرمت کے بارے میں جو افسانہ گھڑا ہے، وہ بڑا ہی تکلیف دہ ہے:

"جب اسے احساس ہوا کہ موت قریب ہے تو اس نے پیشین گوئی کی کہ اس کی موت کے تیسرے دن فرشتہ آ کر اس کا جسد آسمان پر لے جائیں گے۔ جب اس کی روح واصل جہنم ہوگئی تو اس کے معتقدین اس کی لاش کے پاس بیٹھ کر انتظار کرنے لگے،لیکن جب کوئی فرشتہ نہ آیا تو معتقدین نے سمجھا کہ شاید ان کی موجودگی آسمانی مہمانوں کی آمد میں مخل ہے۔لہٰذا لاش کے (جو بگڑ کر متعفن ہوگئی تھی) پاس سے ہٹ گئے۔اس کے بعد آسمانی فرشتوں کی جگہ کتے پہنچے ،جنھوں نے لاش کو چیڑنا پھاڑنا شروع کر دیا، جو کچھ بچا اسے مسلمانون نے دفن کر دیا،اسی حرکت کے باعث مسلمان کتوں سے انتقام لینے کے لیے ہر سال ان کا قتل عام کرتے ہیں۔"(۲۸)

اسلام نے شراب کو اس لیے حرام قرار دیا ہے کہ وہ ام الخبائث ہے۔اس کے استعمال کے بعد انسان کا حاسہ بگڑ جاتا ہے اور اس سے طرح طرح کی جسمانی،سماجی و معاشرتی بیماریاں اور برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔لیکن مغربی ذہن نے اس کی حرمت کی جو وجہ بیان کی ہے اس سے اس کی ذہنی پراگندگی کا اندازہ ہوتا ہے۔چنانچہ جان مانڈیول ایک من گھڑت کہانی کے ذریعے یہ باور کرانے کی کوشش کرتا ہے:

"......کو ایک نیک راہب سے محبت تھی۔یہ راہب ایک صحرا میں رہتا تھا۔اکثر و بیش تر ...... اپنے لوگوں کے ساتھ اس راہب کے پاس جایا کرتا تھا۔وہ اور اس کے آدمی رات رات بھر شوق سے اس کی باتیں سنا کرتے تھے۔ایک مرتبہ اس کے آدمیوں نے سوچا کہ اس راہب کو قتل کر ڈالیں۔ایک رات ایسا ہوا کہ...... نے عمدہ شراب پی اور سو گیا۔اس کے آدمیوں نے...... کی تلوار لی اور اس راہب کو قتل کر کے خون آلودہ تلوار میان میں واپس رکھ دی۔صبح جب راہب کو مردہ پایا تو...... غم و غصہ میں اپنے آدمیوں کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گیا۔لیکن سب کے سب لوگوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ خود اسی نے تو راہب کو نشے کے عالم میں قتل کیا تھا اور ثبوت کے طور پر اس کی خون آلودہ تلوار دکھلائی،تب اس نے شراب اور اس کے پینے والوں پر لعنت بھیجی۔"(۲۹)

سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر جارحیت کا تسلسل

اشاعت اسلام کے نتیجے میں جہاں جہاں مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئی وہاں

دوسرے لوگوں کی طرح یہود و نصاریٰ کو ہر طرح کی آزادی حاصل تھی۔ حد درجہ رعایت و مراعات ملنے کے باوجود اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف دریدہ دہنی کے ارتکاب سے باز نہ آئے اور اپنے دل کا چور چھپا نہ سکے۔(۳۰) اس کی واضح مثال یہ ہے کہ عیسائیوں کی طرف سے ۸۵۰ء میں ایک تحریک 'تحریک منافرت' کے نام سے چلائی گئی۔ اس کی ابتدا دو ایسے عیسائی عالموں کے ذریعہ ہوئی جن کے رویہ نے مسلمانوں میں بے چینی پیدا کر دی۔ ان میں سے ایک عیسائی راہب پرفیکتس (Perfectus) تھا۔ اس نے عیسیٰؑ کی الوہیت کا اعلان کیا اور حضورؐ کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کیا۔ اس نے بائبل کے حوالے سے کہا کہ "...... بہت سے جھوٹے نبی میرے بعد آئیں گے اور ان میں سب سے بڑا کذاب...... تھے۔"(۳۱) دوسرا شخص عیسائی تاجر جان تھا۔ یہ اپنا سامان فروخت کرتے وقت حضورؐ کے حق میں ذم کا پہلو تلاش کرتا اور اسے لوگوں میں باور کرانے کی کوشش کرتا تھا۔(۳۲) پادری 'آئزک' بھی ان ہی لوگوں میں ہے۔ اس نے بھری عدالت میں شان رسالت میں حد درجہ گستاخی کا ارتکاب کیا۔ 'اولوجیس' اور 'الوارو' بھی اپنی بدزبانی اور عداوت اسلام کی وجہ سے عیسائی حلقوں میں بڑا مقبول سمجھا گیا۔(۳۳) یہ پروپیگنڈا اتنا خطرناک ثابت ہوا کہ عیسائی دنیا کے دلوں میں اسلام اور محمدؐ کے خلاف نفرت و عداوت کا شعلہ بھڑک اٹھا۔

ایسے لوگوں کی ایک بڑی تعداد ہے جنہوں نے شان رسالت کے خلاف تحریک منافرت میں حصہ لیا اور اسلام اور پیغمبر اسلام کی تعلیمات اور شخصیت کو داغ دار کرنے کی کوشش کی۔ ادھر مسلم حکومتوں میں بعض وجوہ سے انتشار کے واضح آثار دکھائی دینے لگے تھے۔ اس صورت حال میں عیسائیوں کے لیے زیادہ مشکل نہ رہا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف سر عام بغاوت کر دیں۔ صلیبی جنگیں برسوں کے اسی پروپیگنڈے کا ثمرہ تھیں۔(۳۴)

مسلمانوں کے آپسی انتشار نے عالم اسلام کو شدید نقصان پہنچایا۔ یہ ایسی کمزوری ثابت ہوئی کہ عیسائی دنیا کے لیے یہ کام آسان نظر آنے لگا کہ وہ ایک ایسی جنگ برپا کرے کہ جس میں مسلمانوں کا بالکل صفایا نہیں تو کم از کم معاملہ عیسائیوں کے برعکس ہو جائے۔ لیکن یہ کام ابھی عیسائی دنیا کے لیے آسان نہیں تھا۔ یورپ کی یہ جنگ کئی صدیوں پر محیط ہے۔ صلیبی جنگوں کی معرکہ خیزی سے صرف نظر کرتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ عیسائی پروپیگنڈے کا اثر عیسائیوں میں غیر معمولی ہوا اور پوپ کی اپیل پر لوگوں نے جوش و جذبہ کے ساتھ اس جنگ میں شرکت کی۔

چور اچکوں نے بھی اسے اپنی بخشش اور مغفرت کا نادر موقع جانا اور گناہوں کے کفارہ کے لیے شریک جنگ ہوئے۔(۳۵) مگر صلاح الدین ایوبی کی حکمت اور دور اندیشی نے عیسائی دنیا کو اس کے ناپاک مقاصد میں ناکام کر دیا۔ اب انہوں نے اپنی اسلام دشمنی کو بارآور بنانے کے لیے جو طریقہ اختیار کیا وہ پروپیگنڈا نہیں بلکہ فکری مطالعہ تھا۔ عیسائیوں کی آئندہ حکمت عملی کا اندازہ مندرجہ ذیل اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے:

> ”صلیبی جنگوں میں ناکامی کے بعد یورپ کے علما اور اہل کلیسا نے علمی اور فکری محاذ پر مسلمانوں کو شکست دینے کا فیصلہ کیا اور استشراق کے پردے میں عربی اور اسلامی علوم کی حفاظت و تحقیق کے نام پر اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں غلط فہمی پھیلانے کا منصوبہ بنایا۔ اسلامی عقائد و نظریات میں تشکیک پیدا کرنے اور مسلمانوں کی نئی نسل کو دین سے برگشتہ کرنے کے لیے اسلامی فرقوں اور ابتدائی صدیوں کے دوران میں پیش آنے والے علمی و فکری مباحث پر نام نہاد تحقیق ہوئی۔ اسلامی نظریہ جہاد اور اسلامی ریاست میں غیر مسلم رعایا کی حیثیت کے بارے میں مضحکہ خیز معلومات اور نتائج اخذ کیے گئے، فقہ اسلامی کے بنیادی مآخذ کی صحت و اعتبار کے بارے میں شکوک پھیلائے گئے مسلمان، علما کی علمی و فکری کوششوں کی تحقیر کی گئی۔ اسلامی تحقیق کے نام پر ایسے مراکز، تعلیمی ادارے اور رسائل و مجلات جاری کیے گئے جن میں سارا زور شعائر اسلام کی توہین اور مسلم زعما کی تحقیر پر صرف ہوتا رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مغربی عیسائیت کا یہ حملہ صلیبی حملوں سے کہیں زیادہ خطرناک ثابت ہوا۔ مسلمانوں کی نئی تعلیم یافتہ نسل کی اکثریت نہ صرف عیسائی تحقیقی مراکز کی کوشش کو اسلام اور علوم اسلامیہ پر آخری سند بلکہ اسلامی تعلیمات اور بنیادی قدروں کو بے قیمت، بے معنی اور ذلت و پستی کا سبب سمجھنے لگی ہے۔ عیسائی مستشرقین کی اس کوشش میں متعصب یہودی مستشرق بھی پیش پیش رہے۔“(۳۶)

یورپی عیسائی کلیسا سے وابستہ اہل علم اور دانش وروں نے، کس طرح اسلامی علوم کی قدر و منزلت کو گھٹانے کی کوشش کی ہے، اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ کلیسا کے زیر اثر پیٹر ونیریبل (Peter the Venerable) کے ایما پر لاطینی زبان میں ترجمۂ قرآن کی ناقص کوشش ۱۱۴۳ء میں سامنے آئی۔ اس کا سہرا ایک انگریز دانش ور 'رابرٹ' کے سر جاتا ہے۔ اس کا

مقدمہ' ونیز یبل' نے لکھا۔اس گروہ کے بعض لوگوں نے اسے خوب پسند کیا۔ جب کہ بعض دوسرے افراد نے اسے عیسائیت کے لیے ایک بدنما داغ قرار دیا، کیوں کہ اس میں حقیقت سے چشم پوشی اور فرضی باتوں کو غیر معمولی اہمیت دی گئی تھی۔' ویز یبل' نے ان لوگوں کو جس طرح خاموش کرنے کی کوشش کی اس سے اس گروہ کا تعصب اور لائحہ عمل کھل کر سامنے آ جاتا ہے:

"اگر میری مساعی صرف اس لیے لاحاصل نظر آ رہی ہیں کہ دشمن پر اس سے کوئی اثر نہیں ہوگا۔تو عرض یہ ہے کہ ایک عظیم بادشاہ کے ملک میں کچھ کام ضرورتوں کے پیش نظر اور کچھ کام آرائش وزیبائش کے لیے اور کچھ دونوں کے لیے کیے جاتے ہیں۔ صاحب امن سلیمان نے دفاع کے لیے ہتھیار بنوائے جن کی ضرورت اس کے دور میں نہیں تھی۔داؤد نے ہیکل کی آرائشی اشیا تیار کروائیں، جب کہ یہ اشیا ان کے عہد میں استعمال نہیں کی جا سکیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرا کام لاحاصل نہیں کہا جا سکتا، کیوں اگر گم راہ مسلمان اس سے راہ حق (Conversion) پر نہیں لائے جا سکتے تو وہ محقق جو تلاش حق میں سرگرداں ہیں، چرچ کے ان کم زور ارکین کو آگاہ کرنے سے ہرگز گریز نہیں کریں گے جو بہ آسانی متزلزل ہو جاتے ہیں یا غیر ارادی طور پر معمولی باتوں سے ہراساں ہو جاتے ہیں۔" (۳۷)

علوم اسلامیہ کے مطالعہ سے اس کی دل چسپی اسلام کو سمجھنے کے لیے نہیں تھی، بلکہ اسلام کے کم زور پہلوؤں کو تلاش کر کے کلیسا کو وہ مواد فراہم کرنا تھا جس کے ذریعہ اسلام پر بے جا اور متعصبانہ حملہ کیا جا سکے۔انہوں نے عیسائیت کی سربلندی کے لیے نہ صرف اسلام کو گم راہ مذہب کہا بلکہ موسیٰؑ کے ذریعہ جس دین کی دنیا میں اشاعت ہوئی اسے بھی اس نے اسی خانے میں رکھا، البتہ اس کا تیکھا رنگ اسلام سے متعلق زیادہ واضح تھا۔

۱۲۸۰ء میں ایک یہودی پروفیسر' ابن کمونہ' نے اپنی کتاب میں اسلام پر شدید تنقید کی۔اس کا کہنا تھا کہ شرعی قوانین انصاف کے اصولوں کے متصادم ہیں۔اس نے نبی کریمؐ کی ذات اقدس کے حوالے سے یہ بھی کہا کہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ محمدؐ کی ذات ہر لحاظ سے کامل تھی۔ اسلام قبول کرنے والوں نے اسلام کی حقانیت سے متاثر ہو کر نہیں، بلکہ اپنے مفاد کی خاطر اسلام قبول کیا۔(۳۸)

عیسائی دنیا کا ایک مشہور مصنف 'راجر بیکن' ہے۔اس نے عیسائیت کی برتری واضح کی اور دین محمدی کی اہانت جس انداز میں کی ہے اس سے اس کی بددیانتی کھل کر سامنے آجاتی ہے۔اس نے اپنے ہم خیال لوگوں کو مشورہ دیا کہ اسلامی تعلیمات اور اس کی آفاقیت کو بے وقعت ثابت کرنا ہے تو سوائے اس کے اور کوئی دوسرا راستہ نہیں کہ دو طریقے اختیار کیے جائیں۔ایک معجزات کا انکار کیا جائے اور دوسرے فلسفہ پر بحث وتمحیص کی جائے۔بعد میں اس نے اپنی ساری توجہ اس بات پر مرکوز کردی کہ اسلامی فلسفہ کی افادیت کا اعتراف کیا جائے ،کیوں کہ فلسفہ بددینوں کا اہم ترین ہتھیار ہے اور منطقی انداز اختیار کرکے اسلام کو اکھاڑ پھینکا جائے۔(۳۹)

'بیکن' کا ہم خیال 'ریمنڈلل' بھی ہے،جو کبھی کلیسا کا رکن رہ چکا تھا۔اس نے اپنی ساری توانائی اسلام کے خلاف نفرت انگیز لٹریچر تیار کرنے میں صرف کردی۔اسے مسلمانوں کی تباہی سے کم کوئی دوسری چیز مطمئن نہیں کرسکتی تھی۔وہ کئی کتابوں کا مصنف بھی ہے۔اس کا سب سے بڑا کارنامہ Refutation of Infidel Errors (لادینی اغلاط کا ابطال) نامی کتاب ہے۔اس نے خود عربی زبان سیکھی۔راہبوں کا ایک سلسلہ قائم کیا۔مقصد اسلام اور محمد کی حیات طیبہ کا راست عربی سے مطالعہ کرکے تنقید کرنا تھا۔اپنے مطمح نظر کی اشاعت کے لیے وہ تیونس بھی گیا اور وہاں اسلام اور پیغمبر اسلام کی شان میں کھلے عام گستاخی کا مرتکب ہوا جس کی وجہ سے شہر کے قاضی نے قید کی سزا سنائی اور پھر اسے شہر بدر کیا گیا۔اس کا نعرہ تھا'عیسائی شریعت وقانون مقدس ہے اور مورون (مسلمانوں) کا جھوٹا'(۴۰)

جان دی سیگو یہ (Juan de Segovia) پندرہویں صدی عیسوی کا مشہور بشپ اور پوپ کا پرجوش حامی تھا۔آخر عمر میں اس نے علوم اسلامیہ کا مطالعہ شروع کیا اور پھر قرآن مجید کا ترجمہ کیا۔اس نے اپنے ترجمہ کے ذریعہ لوگوں کو سابقہ حکمت عملی سے ہٹ کر نئے پیرائے میں اسلام پر اعتراض کرنے کا مشورہ دیا۔عیسائی مذہب کی برتری ثابت کرنے کے لیے اس نے اجتماع اور کانفرنسوں کا بھی انعقاد کیا۔(۴۱)

اسی صدی کا ایک اور عالم اور فلسفی نکولاس آف کیوسا (Nicholes of Cusa) ہے اس نے برسوں اسلام کے خلاف مواد جمع کیا۔اس نے ازالہ اسلام کے لیے کانفرنسیں بھی منعقد کیں۔۱۴۶۰ء میں اس نے The Cribration of Alcoran کے نام سے ایک کتاب لکھی،

جس میں قرآنی مضامین کی چھان بین تفصیلی انداز میں کی اور یہ مفروضہ پیش کیا کہ قرآنی مضامین کے تین عناصر ہیں: پہلا نسطوریت، دوسرا عیسائیت کے اختلافی نظریات جن سے یہودی مشنریوں نے روشناس کرایا، تیسرا وہ ردو بدل، تحریف وتصرف جو وصال نبوی کے بعد یہود نے (نعوذ باللہ) قرآن میں کیا ہے۔ اس کے نظریے کے مطابق نہ صرف جنگ وتبلیغ بلکہ فلسفہ بھی اسلام کے خلاف بے کار اور بے اثر ہے۔ وہ خود قرآن میں نقائص کا متلاشی رہا اور دوسروں کو بھی اس راہ پر گامزن ہونے کی دعوت دیتا رہا۔(۴۲)

ژان ژرمان (Jean Jerman) پندرہویں صدی کا ایک فرانسیسی بشپ تھا۔ اس کا اندازِ فکر دوسرے لوگوں سے مختلف تھا۔ اس نے اپنے دور میں عیسائی حکمرانوں کو ابھارا کہ متفق ہو کر اسلام کے خلاف تلوار اٹھائیں اور عیسائیت کو فتح و حکمرانی سے ہم کنار کریں۔ اس نے بڑی کوشش کی کہ مغرب کو متحد کر کے کسی نہ کسی طرح پھر سے صلیبی جنگ چھیڑ دی جائے اور عیسائیت کو بزورِ شمشیر رائج کیا جائے۔ یہ شخص اس قدر متعصب تھا کہ مسلمان تو مسلمان، ان عیسائیوں سے بھی متنفر تھا جو کبھی کسی مسلمان ملک میں گئے ہوں یا جنہوں نے اسلام میں پائی جانے والی کسی حقیقت کا اعتراف کیا ہو۔(۴۳)

اینئیس سلویئس (Aenias Silvius) ایک اطالوی پوپ تھا۔ اس کا انتقال ۱۴۶۳ء میں ہوا۔ اس نے بھی اپنی تمام علمی وفکری صلاحیت کو اس کام کے لیے صرف کر دیا کہ اسلام کی تخریب کی جائے اور عیسائیت کی تعمیر۔(۴۴)

نیا دور، نئی حکمتِ عملی

جان آف دمشق کے بعد سیرت نبوی کو مشکوک بنانے کی جو کوشش مختلف پیرائے میں کی گئی وہ اس کے منصوبوں کو مکمل کامیابی نہ دلا سکی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ اپنے منصوبوں کو بارآور بنانے کے لیے اپنی حکمت عملی میں تبدیلی کرتے رہے۔ اسی کا ایک ثمردار درخت مستشرقین کا گروہ ہے، جو باضابطہ سولہویں صدی عیسوی میں وجود میں آیا۔ یہ بھی کلیسا کا پیدا کردہ تھا، اس لیے وہ انیسویں صدی تک کلیسا کی مقرر کردہ پالیسی پر کاربند رہا، بعد میں یہ کلیسا کی گرفت سے آزاد ہو گیا تو اس کے مطالعہ وتحقیق کا میدان بھی مزید وسیع ہو گیا۔ تحریک استشراق کی تاریخ اور ان کے کام

کی نوعیت کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر نثار احمد لکھتے ہیں:

''تحریک استشراق کو اگر خلاف اسلام سرگرمیوں کی علامت مانا جائے تو یہ امر واقعہ ہے کہ اس قسم کی سرگرمیوں کا آغاز دراصل ظہور اسلام کے ساتھ ہی ہو گیا تھا اور باقاعدہ ایک تحریک کی شکل اختیار کرنے سے پہلے بھی اہل مغرب کی طرف سے اسلام کے خلاف بالعموم اور پیغمبر اسلام کے خلاف بالخصوص بغض وعداوت کا اظہار موقع بہ موقع تاریخ کے مختلف ادوار میں ہوتا رہا اور وفور جذبات سے سرشار رومی، بازنطینی، لاطینی، مسیحی اور یہودی روایتیں صدیوں سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہیں، افواہوں کے دوش پر سفر کرتی رہیں اور کبھی کبھار تحریر وتصنیف اور وقائع واشعار کے قالب میں ڈھلتی رہیں اور ان کی اپنی آئندہ نسلوں کے لیے سرمایہ افتخار بنتی رہیں۔ چنانچہ ظہور اسلام کے بعد سے کوئی چار ساڑھے چار سو سال تک اسلام اور پیغمبر اسلام کے حوالہ سے ان کی مخالفت ومخاصمت کا عام انداز یہی رہا اور اس تمام عرصہ میں بلکہ اس کے بعد بھی مغربی دنیا اس قابل نہ ہو سکی کہ حقائق وواقعات کا صحیح ادراک کر سکے اور مسلمانوں کی تاریخ وثقافت کو علم کی روشنی میں جان سکے۔ اس صورت حال کا ایک بہ ظاہر سبب ان کے دلی جذبات کے علاوہ یہ تھا کہ صحیح معلومات کے لیے اصل اسلامی مآخذ تک رسائی ممکن نہ تھی۔ پھر تعصب، سنی سنائی باتوں، غلط فہمیوں اور خود ساختہ مفروضات نے انہیں اس قابل ہی نہ رکھا کہ وہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی حقیقی تصویر دیکھ سکیں۔ اس پر مستزاد تصادم وکش مکش کے وہ واقعات تھے جو تاریخ میں بار بار دہرائے گئے، خاص طور پر آنے والے زمانہ میں صلیبی محاربات کا سلسلہ جس سے دشمنی وعداوت کا ایسا نشہ ان پر طاری ہوا جو آج تک نہیں اترا۔ صلیبی جنگوں کے طویل محاربات میں دنیائے مغرب کی ناکامی سے نہ صرف یہ کہ یورپ کی مشترکہ عسکری قوت پاش پاش ہو گئی بلکہ یہی شکست اس بات کا زبردست محرک بن گئی کہ جنگی محاذ پر پسپا ہونے کے بعد ذہنی وفکری محاذ پر اسلام اور دنیائے اسلام کو زک پہنچائی جائے۔ اس کی تدبیر اس سے بہتر کوئی اور نہ تھی کہ اسلام، اسلامی عقائد، پیغمبر اسلام اور اسلامی معاشرہ کو ہدف تنقید بنایا جائے۔ چنانچہ اس کام کے لیے جذباتی طوفان پہلے سے موجود تھا، پھر لاطینی آبادکار اور مسلم علاقوں سے آئے ہوئے عیسائی اور یہودی، اسلام اور مسلمانوں کے

متعلق جو کچھ علم و معلومات رکھتے تھے، وہ کتنی ہی ناکارہ وخام سہی، ان کے لیے بہرحال مفید مطلب تھیں جن کی مدد سے اسلام اور پیغمبر اسلام کی (خاکم بہ دہن) ایک نفرت انگیز کریہ المنظر اور بھیانک تصویر پیش کی جاسکتی تھی اور سیرت رسولؐ کو افراط وتفریط کے سانچوں میں ڈھال کر محض خیالی اور قیاسی انداز سے پیش کیا جاسکتا تھا۔ مختصر یہ کہ اس پورے عرصہ میں بہ حیثیت مجموعی پیغمبر اسلام کے بارے میں مغرب کے پاس معلومات انتہائی مبہم اور ناقص تھیں اور اس خلا کو افسانہ طرازی اور دیو مالائی اسلوب سے پر کیا گیا۔" (۴۵)

مستشرقین کے منصوبے

مستشرقین نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے جو منصوبہ بنایا وہ حسب ذیل ہے:

۱۔ مشرقی علوم خصوصاً عربی زبان سے واقفیت۔

۲۔ علوم اسلامی کا مطالعہ تاکہ کمزور پہلو کو دریافت کر کے وہاں سے دباؤ ڈالا جاسکے۔

۳۔ اسلام کے خلاف مناسب دلائل کی فراہمی۔

۴۔ مسیحی تقدس سے لبریز فلسفہ جو عالم اسلام کے اذہان کو متاثر کر سکے۔

۵۔ ایسا لٹریچر جو مسلمانوں کی اسلام سے وابستگی ختم کر سکے۔

۶۔ تبلیغی سرگرمیاں تاکہ مسلم معاشرہ کو عیسائی بنایا جاسکے۔

اس کام کو انجام دینے کے لیے ۱۵۳۹ء میں عربی کا اولین شعبہ فرانس میں قائم کیا گیا، اس کی صدارت کی ذمہ داری 'گلاؤم پوستال' (Guillaume Postal) نے سنبھالی۔ یہ ایک بڑا مسیحی عالم تھا۔ اسے گروہ مستشرقین کا باوا آدم تصور کیا جاتا ہے۔ اس کی محنت سے مستشرقین کی ایک بڑی جماعت تیار ہوگئی جس میں جوزف، اسکالیجر نے بڑی شہرت حاصل کی۔ ان لوگوں کی کاوش اور سنجیدہ مطالعہ سے ان کی تحقیق عربی زبان میں شائع ہونے لگی۔ اسی صدی کے آخر میں لندن میں عربی کا شعبہ قائم ہوا۔ اس ابتدائی کوشش کے بعد یہ سلسلہ آگے بڑھتا رہا، یہاں تک کہ سترہویں صدی میں مغربی دنیا میں اسلامی لٹریچر کے مطالعہ کو ہی معیار بنا کر اسلام پروار کرنا شروع کر دیا گیا۔ بقول علامہ شبلی نعمانی:

"سترہویں صدی کے سنین وسطی یورپ کے عصر جدید کا مطلع ہے، یورپ کی جدوجہد، سعی وکوشش اور حریت وآزادی کا دور اسی عہد سے شروع ہوتا ہے۔ ہمارے مقصد کی جو چیز اس دور میں پیدا ہوئی وہ مستشرقین یورپ کا وجود ہے، جن کی کوشش سے نادرالوجود عربی کتابیں ترجمہ اور شائع ہوئیں، عربی زبان کے مدارس علمی وسیاسی اغراض سے جابجا ملک میں قائم ہوئے اور اس طرح وہ زمانہ قریب آتا گیا کہ یورپ اسلام کے متعلق خود اسلام کی زبان سے کچھ سن سکا۔"(۴۶)

اسلامی علوم کے مطالعہ اور واقفیت کے جو ادارے اور شعبے قائم ہوئے ان میں ایک ادارہ روم میں بھی قائم ہوا، جو پوپ اربن ہشتم کی کوشش کے نتیجے میں وجود میں آیا۔ اس کا نام ہی اس نے 'کالج آف پروپیگنڈا' رکھا۔ یہاں مشرقی علوم کا مطالعہ بڑی سرگرمی سے کیا جاتا تھا۔ ۱۶۳۸ء میں آکسفورڈ میں شعبہ عربی قائم ہوا۔ 'ایڈورڈ پوکاک' اس کے اولین صدر ہوئے۔ ان کے ہم عصروں میں 'اسکالنجر' اور 'ہوتنگر' نے بھی بڑی شہرت حاصل کی۔ ان کی کوششوں سے کم پڑھے لکھوں نے بھی فائدہ اٹھایا۔ B.de Herbdot نے مستشرقین کے فراہم کردہ مواد پر ایک کتاب ۱۶۹۷ء میں لکھی جس کا نام Bibliotheque Orientalo ہے۔ یہ کتاب مغرب میں 'انسائیکلوپیڈیا آف اسلام' کا کام دیتی تھی۔ اسی عہد کے سنجیدہ مطالعہ میں بقول علامہ شبلی:

اتفاقاً یا قصداً ان مستشرقین نے ابتداءً جن عربی کتابوں کا ترجمہ کیا وہ اکثر ان مسیحی مصنفین کی تصنیفات تھیں جو قرون ماضیہ میں اسلامی ممالک کے باشندے تھے، یعنی سعید بن بطریق (م ۹۳۹ء) جو اسکندریہ کا پیٹریارک تھا اور ابن العمید المکین (۱۲۷۳ء) جو سلاطین مصر کا ایک درباری تھا اور ابوالفرج بل العمری الملطی (۱۲۸۶) مصنف تاریخ دول۔(۴۷)

جس مقصد کے حصول کے لیے یورپ نے مختلف اداروں میں عربی علوم سے واقفیت کے ادارے قائم کیے وہ ان کے حق میں مفید ثابت ہوئے اور عربی علوم کی منتقلی کا کام تیزی سے بڑھتا رہا، اسی ضمن میں اسلام کے خلاف زہریلا مواد خاصا تیار ہوگیا۔ تاہم اس گروہ کے بعض منصف خیال مصنفین کے قلم سے کچھ ایسے علمی کام ہوئے جو خود مستشرقین کے حق میں شدید تنقید تھے۔ چنانچہ رچرڈ سائمن (Recherd Simon) نے ۱۶۸۴ء میں مسلمانوں کے عقائد ودیانت داری پر مبنی کتاب لکھی جس پر اس کے ساتھیوں نے اسے مطعون کیا۔ اے ریلنڈ (A Relend) نے

بھی اسی انداز میں اپنی کتاب تحریر کی۔ فلسفی پیر بیل (Perre Bayle) نے سیرت پر ایک منصفانہ کتاب ۱۶۹۷ء میں تحریر کی۔ اس صدی میں ہنری اسٹب (D.Henry stubb) نے Rise and Fall of Mohametanism کے نام سے ایک کتاب لکھی جو یقیناً اپنی چھوٹی موٹی خامیوں کے باوجود سیرت پر عمدہ تصنیف ہے، جس میں غیر جانب دارانہ مطالعہ کے پیش کرنے کے ساتھ مغرب کے فکر کے متعلق معذرت ظاہر کی گئی ہے۔(۴۸)

منصوبے کی تکمیل کے لیے مستقل اداروں کا قیام

جامعات اور تعلیم گاہوں میں عربی علوم اور زبان و ادب سے واقفیت کی کوشش کے نتیجے میں مستشرقین کی ایک بڑی تعداد تیار ہوگئی۔ تاہم ان کے لیے اس امر کی شدید ضرورت محسوس کی گئی کہ ایسا ادارہ قائم کیا جائے جہاں بیٹھ کر یہ لوگ اپنے ہدف کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکیں۔ چنانچہ اس منصوبہ کو کامیاب بنانے کے لیے مختلف ممالک میں علوم شرقیہ کے مطالعہ اور بحث و تحقیق کے ادارے قائم کیے گئے۔ جہاں سے کچھ کارآمد تحقیقات سامنے آئیں۔ یہ ماہرین بھی اس تعصب سے بالاتر نہ تھے جو مغرب کی گھٹی میں پڑا تھا۔ مذہبی عصبیت و جدل نے ماہرین کی نگرانی میں نئی راہ اختیار کی۔ غیر مفید حقائق بے دردی سے نظر انداز ہوئے، کارآمد مواد کا خردبینی سے مطالعہ کیا گیا اور اب جو اعتراضات سامنے آئے، ان میں شاطرانہ مہارت پائی گئی، جسے رد کرنا عام انسان کے لیے آسان نہ تھا۔ یہ اعتراضات عیسائی دنیا کے لیے خوش کن، عالم اسلام کے لیے کرب انگیز اور غیر جانب دار لوگوں کے لیے گم راہ کن تھے۔(۴۹)

سیرت نبویؐ پر اعتراضات کے تعلق سے جو باتیں صدیوں سے منتقل ہوتی چلی آرہی تھیں، وہ ایسی تھیں جو آگے چل کر عیسائی اہل قلم اور ماہرین تعصب کا پردہ فاش کرتیں۔ چنانچہ عیسائی دنیا سے اس عناد کے دھبے کو کم کرنے کے لیے مستشرقین سامنے آئے اور اپنے ہم خیال لوگوں کے بعض نظریات کی تردید کی۔ مثلاً 'اڈورڈ پوکاک' نے لکھا کہ 'معلق تابوت کی کہانی پر مسلمان جی کھول کر ہنستے ہیں اور اسے محض عیسائی ذہن کی اپج قرار دیتے ہیں۔' ہمفرے پریڈو نے اس کبوتر کے من گھڑت قصے کی تردید کی جو حضورؐ کو اپنی آواز سے وحی کے الفاظ کان میں پہنچاتا تھا۔ اس نے کہا کہ یہ سب بے بنیاد اور حقائق سے بعید باتیں ہیں اور یہ کہ ایسی

چالیس عربوں کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھیں۔ چنانچہ ایسے لوگوں کی خامہ فرسائی کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالقادر جیلانی لکھتے ہیں:

''مذہبی جدل و تنگ نظری نے ان پر اس قدر غلبہ کیا کہ حضورؐ کی ذات گرامی پر تہمتوں اور الزامات کے انبار لگا دیے۔ ہر بری بات منسوب کی بہتمیات تک وضع کیں۔ چڑیا چڑے کی کہانیاں گھڑیں۔ وحوش و بہائم کی دل خراش داستانیں ترتیب دیں۔ کنویں کا افسانہ تراشا۔ بیماری کے قصے تیار کیے۔ چنگیز کے اسلاف سے تعلق ثابت کرنے کے لیے خراسان کی وطنیت منسوب کی۔ ہسپانیہ کے مفروضہ سفر کے اہتمام کیے۔ راہبوں سے نام نہاد تعلیم کے حصول کے ڈھول پیٹے۔ عیسائی فوج میں تربیت کی داستان تراشی۔ فرضی حکم راں کے خون کا الزام رکھا۔ کلیسا کی عہدہ داری اور الوہیت (کے دعوے) کی تہمت دھری۔ پھر جو کروٹ بدلی تو جہنم کے شیاطین کو بھی پناہ مانگنے پر مجبور کر دیا۔''(۵۰)

۸ رمئی ۱۸۴۰ء کو تھامس کارلائل نے اڈنبرا میں تاریخ کے ہیروز اور ہیروزشپ پر طویل لکچر دیا۔ اس میں اس نے پیغمبر اسلام کو دنیا کی عظیم ترین شخصیت کے طور پر قبول کیا اور ان کے پیغمبرانہ کام کو تسلیم کیا۔ اس نے اپنی تقریر میں عیسائی دنیا کو خبردار کیا کہ:

''محمدؐ کے بارے میں ہمارے موجودہ خیالات کہ وہ (نعوذ باللہ) ایک دھوکے باز پیغمبر تھے اور ان کا پیش کردہ مذہب خرافات کا مجموعہ ہے۔ غور و فکر کی روشنی میں یہ باتیں بے وزن دکھائی دیتی ہیں۔ جس دروغ گوئی کا انبار ہم نے اس مقدس ہستی کے گرد لگا دیا ہے وہ اس عظیم ہستی کے لیے نہیں، ہم مسیحیوں کے لیے باعث شرم ہے۔ گزشتہ بارہ صدیوں کے نشیب و فراز سے گزرتے ہوئے اس پیغمبر عالی مقام کا پیغام آج بھی ۱۸ کروڑ انسانوں کے لیے مشعل راہ ہے۔ کیا یہ ۱۸ کروڑ انسان خدا کے بنائے ہوئے نہیں ہیں؟ ان تمام افراد کو بھٹکے ہوئے اور گم کردہ راہ سمجھیں تو سوچنے کا مقام ہے کیا جعلی پیغام بارہ صدیوں تک اس کامیابی سے آگے بڑھ سکتا ہے؟ کیا میرے ہم مذہب بھائی بہن یہ بات نہیں جانتے کہ آج بھی کرہ ارض پر قرآن کریم کے اصول آگے بڑھ رہے ہیں۔ بناوٹ بناوٹ ہوتی ہے اور اسے ظاہر ہونے میں صدیاں نہیں لگتیں۔''

انسانی دنیا پر حضورؐ کے اثرات کی وضاحت کرتے ہوئے اس نے اپنے خطاب میں یہ بھی کہا تھا:

''وہ لوگ جو محمدؐ کے کردار پر انگشت نمائی کرتے ہیں، آپ کو جاننا چاہیے کہ وہ اپنے جھوٹ کا جالا کہاں بنتے ہیں؟ ان لوگوں کے حسد پر جنہوں نے دو تین صدیوں بعد اس مقدس ہستی کے بارے میں کہانیاں گھڑیں۔ خدا کی قسم! محمدؐ اتنے عظیم انسان تھے کہ اگر انہوں نے کوئی غلطی بھی کی ہوتی تو زمانے بھر کے لیے بھلائی اور خوبی کا معیار بن جاتی۔ میں آپ کو ایک راز کی بات بتاتا ہوں۔ نسل در نسل دنیا میں لوگ آتے رہیں گے، جاتے رہیں گے، صحرا کے اس فرزند کی عظمت کو پوری طرح ایک شخص بھی سمجھ نہ سکے گا۔ ریت کے سمندر میں پیدا ہونے والی ہستی دنیا بھر کو گل زار بنانے کا درس دے گئی۔'' (۵۱)

کارلائل کے اس لیکچر سے مستشرقین کے گروہ میں ہلچل پیدا ہوگئی۔ کیوں کہ اس نے مغرب کے معاندانہ رویے کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ اب مستشرقین کے دعوے کے دبدبے طنطنے میں بدل گئے، لے دہی رہی سُر میں فرق آ گیا۔ اب مستشرقین کے دو گروہ سامنے آئے۔ ایک نے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ نفسیاتی اعتبار سے رسولؐ نارمل تھے، لیکن وحی اور پیغام الٰہی کے بارے میں (نعوذ باللہ) پرخلوص نہیں تھے۔ دوسرے نے کہا کہ وہ پیغام الٰہی اور فرائض نبوت پر پختہ یقین رکھتے تھے، لیکن نعوذ باللہ ذہنی طور پر متوازن نہیں تھے۔ پھر ایک تیسرا گروہ وجود میں آیا جس نے بیچ کی راہ نکالنے کی کوشش کی۔ اس نے کہا کہ وہ غیر مخلص تو نہیں تھے تاہم قرآن کو وحی باور کرنے میں انہیں غلط فہمی ہوئی تھی۔ (۵۲)

نیک نیتی ان کے کاموں میں کتنی ہے اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ 'نکلسن' نے 'پامر' کے ترجمہ قرآن پر دیباچہ لکھا۔ اس میں وہ حضورؐ کے خلوص کا اعتراف کرتا ہے۔ مگر ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتا ہے: 'جب حالات کے جبر کے تحت پیغمبر ایک حکم راں اور قانون ساز میں ڈھل گئے تو بھی یہ ایک نفسیاتی ضرورت تھی کہ وہ خود کو الہامی پیغامات کا منتخب ذریعہ سمجھتے رہیں۔' (۵۳)

'ویبر' نے حضور کے مکی اور مدنی دور میں فرق کیا اور مدنی دور کو خواہشات نفس کی پیروی

قرار دیتے ہوئے یہاں تک لکھا کہ وہ مدینے میں حکم راں کے طور پر تھے اور مال و دولت کی ذخیرہ اندوزی میں معروف ہو گئے۔(۵۴)

'میور' نے حضورؐ کی شان اقدس میں جو بہتان تراشے ہیں اس کا آئینہ دار اس کی کتاب لائف آف محمد ہے، رہ رہ کر اس نے مسلمانوں کے قلب و ذہن کو مسموم کیا۔ وحی کے متعلق اس نے لکھا کہ اس کے متعلق خود نبی کو یقین نہیں تھا۔ واقعہ غرانیق اور دوسرے امور کی اس نے جو توجیہ کی ہے اس سے اس کے دل کا چور سامنے آ گیا۔(۵۵)

'اسپرنگر' کے نزدیک (نعوذ باللہ) آپؐ ایک بہروپیے سے زیادہ کچھ نہیں تھے۔ اس نے لکھا ہے کہ: 'اسلام...... کا کارنامہ ہے۔ یہ اس بہروپیے (شخص) کی اپنی تعلیمات بھی نہیں، تاہم اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس بہروپیے نے اسے اپنی بدکرداری اور ذہنی بے راہ روی سے آلودہ کیا اور یہ تمام قابل اعتراضات تعلیمات اس کی اپنی ہیں۔'(۵۶)

جارج برناڈ شا سے کون واقف نہیں، اس کی علمی بصیرت کے سب ہی قائل ہیں۔ لیکن نبیؐ کی ذات بابرکات کو دبے لفظوں میں اس نے جس انداز سے مجروح کرنے کی کوشش کی ہے اس سے اس کی تمام کاوشیں مشکوک ہو کر رہ جاتی ہیں اور اس سے اس کا عناد کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:

> "محمد عربیؐ تند خو قبائل کو پتھروں کی پرستش سے ہٹا کر ایک خالص توحید کے منوانے کا عزم تو کر سکتے تھے، مگر حسین خاتون کا رد کرنا ان کے بس میں نہیں تھا۔"(۵۷)

پروفیسر 'مارگولیتھ' نے سیرت نبویؐ پر ایک کتاب تحریر کی۔ بہ قول علامہ سید سلیمان ندوی: اس سے زیادہ زہریلی کوئی کتاب سیرت نبوی پر انگریزی میں نہیں لکھی گئی۔ اس میں اس نے ہر واقعہ کے متعلق انتہائی سند بہم پہنچا کر سیرت نبوی کو بگاڑ کر دکھانے کی پوری کوشش کی ہے۔(۵۸)

'منٹگمری واٹ' نے محمد ایٹ مکہ، محمد ایٹ مدینہ اور محمد دی اسٹیٹسمین کے نام سے سیرت نبوی پر کتابیں تحریر کی ہیں۔ اپنی چرب زبانی اور کمال دانش مندی سے اس نے بڑی شہرت حاصل کی۔ مسلم حلقوں میں بھی اس نے خاصا اثر و رسوخ حاصل کیا۔ لیکن یہ کتنا بڑا متعصب اور اسلام دشمن تھا اس کے متعلق سید صباح الدین عبدالرحمٰن لکھتے ہیں: وہ انہی مستشرقین میں سے ہے جو انتہائی زہریلی باتیں اپنے طاقت ور اور ماہرانہ انداز میں کہہ کر اپنی مطلب براری کی کوشش کرتے ہیں۔(۵۹)

قرآن مقدس اور آپ کی تعلیمات نے دنیا میں جو انقلاب برپا کیا وہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ مگر تعصب کی اتنی دبیز عینک آنکھوں پر چڑھی ہوئی ہے کہ یہ جلی کارنامے اسے دکھائی نہیں دیتے۔ اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ ۱۹۳۴ء میں بازنطینی حکمران 'مینول ثانی' اور ایران کے ایک عالم کے درمیان ہوئے مناظرہ میں 'مینول' نے کھلے عام کہا تھا:

> "مجھے دکھاؤ محمد ایسی کیا نئی شے لے کر آئے ہیں سوائے غیر انسانی اور ظالمانہ چیزوں کے۔ انہوں نے اپنے عقیدے کو پھیلانے کے لیے تلوار کا استعمال کیا۔ خدا خون بہانے سے خوش نہیں ہوتا، نہ ہی عقل کے مطابق عمل کرنا خدا کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ ایمان روح کی پیدائش ہے جسم کی نہیں۔ جو شخص کسی کا عقیدہ بنانا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنے اندر بولنے اور قائل کرنے کی صلاحیت پیدا کرے۔ ایک عقل مند آدمی کو قائل کرنے کے لیے مضبوط بازوؤں اور ہتھیاروں کی ضرورت نہیں ہوتی۔"(۶۰)

دورِ جدید کے بعض متعصب مفکرین

مستشرقین نے ایک طرف نبیؐ کو دنیا کا سب سے بڑا معیوب انسان باور کرایا تو دوسری طرف اپنی تحریر میں جگہ جگہ ان کے محاسن بھی بیان کیے ہیں تاکہ توازن برقرار رہے۔ اس کی تفصیل میں جانے کا یہاں موقع نہیں ہے۔ اس طرح کے زہریلے لٹریچر کو پڑھ کر مغرب میں جو نسل تیار ہوئی یا اس کی فکر سے دوسرے لوگ متاثر ہوئے انہوں نے اپنے پیش روؤں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا اور پورے سرمایہ اسلام پر ہی زبان طعن دراز کرنے لگے۔ ایسے لوگوں کو مغرب نے خوب سراہا اور داد تحسین دی۔

رابرٹ اسپینسر ایک امریکی مصنف ہے۔ اس نے چھ کتابیں لکھیں ہیں۔ ان کتابوں کا موضوع اسلام اور دہشت گردی ہے۔ وہ اسلام دشمن ویب سائٹ Jhad Watch اور Dhimi Watch کا بھی بانی ہے۔ اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ اس کی دشمنی اسلام اور پیغمبر اسلام سے کس حد تک بڑھی ہوئی ہے۔

سرگئی ترفکوچ (Serge Tirfkovich) سربیائی امریکی تاریخ داں اور سیاسی تجزیہ نگار ہے۔

اس کے تجزیوں کا سارا زور اسلام کو ایک پرتشدد مذہب ثابت کرنے اور یہ باور کرانے پر ہے کہ محمدؐ کی سیرت نقائص کا مجموعہ ہے۔

وی۔ایس۔نائپل (V.S.Naipaul) نوبل پرائز حاصل کرنے والا ہندو پس منظر کا حامل برطانوی مصنف ہے۔اس نے اپنی تحریروں کے ذریعے اسلام کے خلاف بہت ساری بدگمانیاں پیدا کیں۔اس کا کہنا ہے کہ اسلام نے اس دین کو قبول کرنے والوں کی زندگی پر انتہائی خراب اثرات مرتب کیے ہیں اور ان لوگوں نے اپنی ثقافت اور تاریخ کو بھلا دیا ہے۔

اوریانا فلاسی (Oriana Falase) ایک اطالوی صحافی ہے۔اسلام کے حوالے سے دو کتابوں کا مصنف بھی ہے۔اسے ۲۰۰۷ء میں اسلام کے خلاف جدوجہد کے حوالے سے بین الاقوامی ایوارڈ سے بھی نوازا گیا ہے۔اس نے اسلام کے حوالے سے لکھا ہے:

> ''اسلام ایک تالاب ہے اور تالاب کا ساکن پانی کا چینل ہوتا ہے...... یہ کبھی صاف نہیں ہوتا...... یہ آسانی سے آلودہ ہو جاتا ہے۔بالکل کم تر حیثیت کے مویشیوں کے لیے بنائے گئے پانی کے چھپڑ کی طرح...... تالاب زندگی سے پیار نہیں کرتا۔یہ موت سے محبت کرتا ہے۔''

گیرٹ ولڈر (Geert Wilders) نیدرلینڈ کا رہنے والا ہے۔اس نے بار بار قرآن پر پابندی لگانے کی بات کہی ہے اور قرآن کو مغرب سے تمام اختلافات کی اصل قرار دیتا ہے۔اس کی انتہا پسندی تیزی سے یورپ میں مقبول ہو رہی ہے۔قرآن اور مسلمانوں پر جارحانہ تنقید کر کے سکہ رائج الوقت بنتا جا رہا ہے۔اس نے محمدؐ کے بارے میں لکھا کہ وہ ایک دہشت گرد انسان تھے۔۲۰۰۸ء میں اس نے ایک فلم 'فتنہ' بنائی جس میں قرآن پر شدید تنقید کی ہے۔

Par Rebertson اسلام پر یہ الزام عائد کرتا ہے کہ یہ بدامنی کا مذہب ہے اور بنیاد پرست مسلمان شیطانی مذہب کے پیروکار، اسامہ بن لادن محمدؐ کا سچا پیروکار ہے۔

Jerry Falwell محمدؐ کے متعلق باور کرانا چاہتا ہے کہ نعوذ باللہ وہ دہشت گرد تھے۔

Franking Graham اسلام کو ایک جھوٹا اور بدی پر مشتمل مذہب سمجھتا ہے۔اس کا کہنا ہے کہ اسلام کو ماننے والے لوگوں کو طالبان کے زیر اثر علاقوں میں چلا جانا چاہیے۔

ان کے علاوہ اور بھی غیر مسلم دانش ور اور اہل قلم ہیں جنہوں نے سیرت رسول ﷺ کو

مشکوک ٹھہرانے کی کوشش کی ہیں۔ان کے نام یہ ہیں: ڈینیل پائپس (Danial Pipes)، Ba'at Ya'oran، گیبریل برجٹ (G Brigitte Gabriel)، برناڈ لیوس، مائکل انفرے (Michel Onfray)، ریچرڈ ڈاوکنس (Richerd Dawkins) سیم ہیرس (Sam Harris)، کرسٹوفر ہاکنس (Christopher Hitchens)، ریچرڈ کیریئر (Richerd Carrier)، پاٹ کنڈل (Pat Condell)، آر۔البرٹ مولر (R.Albert Mohler) وغیرہ۔

نام نہاد مسلم مفکرین کی بھی بڑی تعداد ہے اوران کی ہرزہ سرائی بھی بڑی تکلیف دہ ہے۔ان لوگوں نے مادیت اور شہرت کی لالچ میں اپنے دین وایمان اور ضمیر کا سودا کیا اور اسلام کو داغ دار کرنے میں مصروف ہوگئے۔ان میں سے چند یہ ہیں:

ہندوستانی نژاد 'سلمان رشدی' سے کون واقف نہیں ہے۔اس نے نبیؐ کی سیرت و شخصیت اور ازواج مطہرات پر جو غلیظ حملہ کیا ہے وہ انتہائی دردناک ہے۔اس کی کتاب 'شیطانی آیات' پر لوگوں نے شدید احتجاج کیا، اس کے بعد اس کی اشاعت پر نہ صرف پابندی لگائی گئی بلکہ خود اسے بھی روپوش ہونا پڑا۔

'ایان ہرسی علی' صومالیہ سے تعلق رکھنے والی خاتون ہے۔وہ اپنی تعلیم کے دوران ہی اسلام سے بے زار ہوگئی اور گیارہ ستمبر کے واقعے کے بعد اس نے اسلام سے لاتعلقی کا اعلان کردیا۔اس کا کہنا تھا کہ قرآن کے ساتھ اپنے اتنے پرانے تعلق کے باوجود آج کے بعد سے قرآن میرے لیے ایک تاریخی ریکارڈ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔اس نے اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی کے علاوہ پیغمبر اسلامؐ کی شان میں گستاخانہ باتیں کہیں اور Theo Von Gogh کی بدنام زمانہ فلم Submisson ہے۔اس میں مسلمان عورتوں اور حضرت عائشہؓ کو موضوع بحث بنایا گیا تھا، اس میں اسکرین پلے کرنے پر اس کو مسلم تنظیموں کی طرف سے جان کا خطرہ لاحق ہوا، جس کے بعد اس نے خود کو منظر عام سے غائب کرلیا۔

'تسلیمہ نسرین' یہ ایک بنگلہ دیشی مصنفہ ہے جو خود کو سیکولر باور کراتی ہے۔اس نے بھی اسلام کے خلاف دریدہ دہنی میں عالم گیر شہرت حاصل کی۔توہین رسالت اور اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی کے بعد بنگلہ دیش میں اس کا رہنا ناممکن ہوگیا۔

'مگدی علام' مصری نژاد اطالوی منہ پھٹ صحافی ہے۔اس نے مارچ ۲۰۰۸ء میں

پوپ بنی ڈکٹ کے ہاتھوں کیتھولک فرقے میں شمولیت اختیار کی۔ اس کا کہنا ہے کہ اسلام تشدد کا مذہب ہے جو نفرت اور عدم برداشت کی تعلیم دیتا ہے۔

'نونی درویش' اسرائیل کی حامی ویب سائٹ کی بانی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اسلام محض ایک مذہب نہیں بلکہ یہ مطلق العنان ریاست ہے۔ اس کی کتاب: Now they Call Me Infidel Why I Renounced Jihad for America,Idrael and the War on Terror نے غیر معمولی شہرت حاصل کی۔

Nyamko Sabuniswui: سویڈن میں صنفی مساوات کی وزیر ہے اور یہ حجاب پر پابندی کی انتہائی سخت حامی ہے۔ وہ اسکول کی طالبات کے Gynocoligical Examination کی حامی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ میں یہ بات کسی صورت میں برداشت نہیں کر سکتی کہ خواتین اور بچوں کو مذہب کے نام پر دبایا جائے۔ اس نے اسلام میں اصلاحات کرنے کا تو کوئی دعویٰ نہیں کیا، مگر اسلامی تعلیمات کو ناقابل قبول ضرور قرار دیا ہے۔

'خالد دران' اس نے مراکش اور پاکستان میں مشرقی زبانوں میں اسلام کی تعلیم حاصل کی۔ اس کو اسلاموفاسزم کی اصطلاح کا بانی کہا جاتا ہے۔

'احسان جامی' ڈچ سیاست داں ہے جس نے محمدؐ کی ذات کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا۔

'ولید شوبیت' PLO کا سابق رکن جس نے اسرائیل کے خلاف حملوں میں حصہ لیا۔ یہ بھی اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی میں معروف ہوا۔

'ابن وراق' پاکستان سے تعلق رکھنے والا سیکولر مصنف اور Institute for the Secularisation of Islamic Society کا بانی ہے۔ اس نے سات کتابیں تصنیف کی ہیں۔ اس نے دوسرے اسلام دشمن مصنفین کے ساتھ مل کر ۲۰۰۷ء میں 'سیکولر اسلام سمٹ' میں شرکت کی۔ اس میں سلمان رشدی بھی شامل تھا۔ اس کانفرنس نے اسلامی قوانین، شریعت، فتویٰ، ریاستی مذہبی قوانین کو ختم کرنے کا مطالبہ کیا۔ اس کے علاوہ ان افراد نے (ان میں ارشاد مانجی اور وفا سلطان بھی شامل ہیں) توہین رسالت کے قوانین پر بین الاقوامی انسانی حقوق کے چارٹر کے تحت پابندی کا مطالبہ کیا۔

'وفا سلطان' شام سے تعلق رکھنے والی سنی مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے والی خاتون

ہے۔ دنیا بھر میں اپنی اسلام دشمنی کی وجہ سے جانی جارہی ہے۔ اسلام کے بارے میں اس کا کہنا ہے کہ پیغمبر اسلام نے فرمایا ہے کہ مجھے اس وقت تک لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک وہ اسلام قبول نہ کرلیں۔ پھر وہ اسلامی تعلیمات پر براہ راست حملہ کرتی ہے اور کہتی ہے:

> ''اسلام کے مسائل کی جڑیں اس کی تعلیمات میں ہیں۔ اسلام صرف ایک مذہب نہیں، بلکہ یہ ایک سیاسی نظریہ بھی ہے جو تشدد کی تعلیم دیتا ہے اور اپنے ایجنڈے کو طاقت کے زور پر نافذ کرتا ہے۔''

'ارشاد مانجی' اس خاتون کا تعلق کنیڈا سے ہے۔ یہ خود کو مسلمان کہتی ہے مگر اسلام کی تمام تعلیمات سے اس کو اختلاف ہے۔ یہ The trouble with Islam نامی کتاب کی مصنفہ ہے جس کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ کتاب کے نام سے ہی واضح ہوتا ہے کہ اس نے اسلام کو کس طرح توڑ مڑور کر دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔(۶۱)

عظمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتراف

اس میں کوئی شک نہیں کہ مستشرقین کی صدیوں پر محیط کاوشوں کے نتیجہ میں کچھ مثبت باتیں بھی سامنے آئیں۔ تاہم اس محنت کے پیچھے جو عوامل کارفرما تھے وہ یہ کہ اسلام کے اندر داخل ہو کر اسلام اور محمدؐ پر اس چابک دستی سے حملہ کیا جائے کہ لوگوں کو اس کی صداقت کا یقین ہو جائے۔ اس کی ایک واضح مثال 'جرجی زیدان' کی کتاب 'تمدن اسلام' ہے۔ جو بظاہر مسلمانوں کی مدح سرائی میں لکھی گئی ہے، لیکن در پردہ مسلمانوں پر سخت اور متعصبانہ حملہ ہے۔ باوجود اپنی پر فریبیوں کے گھر گھر یہ کتاب پھیل گئی۔(۶۲) اسی طرح میور کی کتاب لائف آف محمد ہے۔ اس کتاب کے بعض مباحث کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ مجموعی طور پر اس نے نبیؐ کی نبوت اور آپ کی تبلیغی مساعی کا اعتراف کیا ہے۔ انتہائی زہریلی کتاب لکھنے کے باوجود 'مارگولیتھ' اپنی کتاب کی ابتداء میں ہی لکھتا ہے:

> ''محمدؐ کے سوانح نگاروں کا ایک وسیع سلسلہ ہے جس کا ختم ہونا غیر ممکن ہے، لیکن اس میں جگہ پانا قابل فخر بات ہے''۔(۶۳)

'مائکل ہارٹ' نے دنیا کی سو عظیم شخصیات کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ اپنے

انتخاب میں اس نے نبی اکرمؐ کو سب سے اونچا مقام دیا ہے اور سب سے پہلے آپؐ کا ذکر کیا ہے۔ وہ اپنے مضمون کی شروعات اس طرح کرتا ہے:

''محمدؐ تاریخ کے واحد شخص تھے جنہوں نے اعلیٰ ترین کامیابی حاصل کی۔ مذہبی سطح پر بھی اور دنیاوی سطح پر بھی۔ محمدؐ نے معمولی حیثیت سے آغاز کر کے ایک عظیم ترین مذہب کی بنیاد رکھی اور اس کو پھیلایا۔ وہ انتہائی موثر سیاسی لیڈر بن گئے۔ ان کی وفات کے تیرہ صدیوں بعد آج بھی ان کے اثرات غالب اور طاقت ور ہیں۔'' (۶۴)

بہت کم عرصے میں نبیؐ کے اثرات دنیا میں پھیل گئے اور آپ کے ماننے والوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا، اس کا بجا اعتراف کرتے ہوئے 'جوزف شاخت' لکھتا ہے:

''نبیؐ کو اپنی رسالت کی صداقت پر پختہ یقین تھا، وہ ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ آپ کی شخصیت کا جو پہلو نہایت شدت سے ابھرا وہ آپ کا دینی جذبہ تھا۔ جب اس کا امتزاج آپ کی غیر معمولی سیاسی صلاحیتوں سے ہوا تو آپ کی رسالت دنیا میں ہی کامیابی سے ہم کنار ہوگئی۔ مکے میں آپ کا صبر و استقلال اور مدینے میں آپ کے مدبرانہ اعمال اور منصوبے، یہ سب آپ کی اس نظریاتی جدوجہد کے مظاہر تھے، جس کے لیے آپ ساری عمر انتھک کوشش کرتے رہے۔ آپ کی غیر معمولی شخصیت نے جس کے اثر و نفوذ نے آپ کی کامیابی کی راہیں ہموار کیں، اسلام پر اپنے انمٹ اثرات چھوڑے ہیں۔'' (۶۵)

بیروت کے مسیحی اخبار الوطن نے ۱۹۱۱ء میں لاکھوں عرب عیسائیوں سے سوال کیا کہ دنیا کا سب سے بڑا انسان کون ہے؟ اس کے جواب میں ایک عیسائی عالم 'داور مجاعض' نے مختلف دلائل ومحاسن کے ذریعہ ثابت کیا کہ محمدؐ دنیا کی سب سے عظیم ہستی ہیں۔

مغرب کے دوش بہ دوش یا اس کی برپا کی ہوئی تحریک کے زیر اثر ہندوستان میں بھی ایسے غیر مسلم مفکرین کی کمی نہیں، جنہوں نے سیرت رسولؐ کا مطالعہ ہر دو پہلو سے کیا ہے۔ موقع محل کو دیکھ کر انہوں نے بھی محمدؐ پر زبان طعن دراز کی ہے۔ گنگا پرساد اوپادھیائے بھی ان میں سے ایک ہیں۔ انہوں نے اسلام کا مطالعہ تعصب کی عینک لگا کر کیا ہے۔ ان کی معروف کتاب 'مصابیح الاسلام' اس کی آئینہ دار ہے۔ اس میں انہوں نے اسلام کے بہت سے موضوعات سے بحث کی

ہے اور جگہ جگہ اسلامی اصول واقدار پر نشتر زنی کی ہے۔خاص طور پر تعدد ازدواج پر بحث کرتے ہوئے اس نے نبیؐ کو حد درجہ شہوت پرست ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔کتاب کے مقدمہ میں اس نے اپنی لچھے دار باتوں سے ہر دو فریق کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی ہے اور خود کو غیر جانب دار بتایا ہے۔باوجود اپنے عناد کے وہ نبیؐ کے متعلق لکھتا ہے:

> ''حضرت محمد صاحب کے لیے یہ کچھ کم عزت کی بات نہیں ہے کہ ان کی عین حیات میں ان کی عظمت کا سکہ سارے عرب میں بیٹھ گیا اور روئے زمین کی آبادی کا ایک حصہ آج بھی حضرت محمد صاحب کا معتقد ہونے کو اپنا فخر سمجھتا ہے...... جب میں قرآن شریف پڑھنے لگتا ہوں تو حضرت محمدؐ کی خردمندی اور حوصلہ کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔اگرچہ میرے اعتقادات اور مسلمانوں کے مروجہ اعتقادات میں مشرق ومغرب کا بعد ہے۔''(۶۶)

بیسویں اور رواں صدی میں بھی منفی رجحان کی اشاعت کے لیے مغرب سرگرم ہے۔ پوپ بنی ڈکٹ نے ستمبر ۲۰۰۶ء میں جرمنی کی ایک یونیورسٹی میں خطاب کے دوران اسلام اور محمدؐ جو اعتراضات کیے ہیں اس کی واضح مثال ہے۔ڈاکٹر عبدالقادر جیلانی لکھتے ہیں:

> ''کائنات کی کوئی اور شخصیت اس قدر موضوع گفتگو نہیں بنی، جس قدر کہ سرور کائناتؐ کی ہمہ پہلو شخصیت۔عالم اسلام میں قلم ان کے عشق ومستی میں سرشار تو عالم عیسائیت کا قلم بغض وعناد میں ڈوبا ہوا۔ابوجہل وابولہب نے اگر انہیں شاعر و ساحر و مجنون و مفتون قرار دیا تو صادق وامین وحلیم وکریم بھی تسلیم کرتے تھے۔لیکن مغرب کی نظریں عرب جاہلیہ کے تعادل سے بھی عاری تھیں۔انہیں سوائے قبح کے کوئی حسن نظر نہیں آیا۔اپنی کورچشمی کو وہ ان کی شخصیت کا عکس سمجھے۔اپنے ذہنی قبح کو الفاظ میں ڈھالا اور اسے سیرت نگاری تصور کرتے رہے۔''(۶۷)

معاندین اسلام کے بعض اعتراضات

بیش تر مستشرقین اور مفکرین مغرب نے حضورؐ کی سیرت کو مکروہ بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور دانستہ یا غیر دانستہ ٹھوکریں کھائی ہیں۔ جوزف شاخت، ہمفرے پریڈو، ریلانڈ، ریسکی، ایڈمنڈ ڈوٹے، سینٹ ہلری، دمی انکونا، سائمن اوکلے، ایڈورڈ گبن، جارج سیل،

گوئٹے، ڈیون پوٹ، باس ؤرتھ اسمتھ، اسٹینلے لین پول، رینان، واشنگٹن ارونگ، ایچ جی ویلز، کائیتانی، بکر، گرم، ولہاوزن، جان کریمر، نولدیکی، اسپرنگر، دوزی، گولڈزیہر، وبر، ڈیوڈ مارگولیتھ، ہنری لیمن، ولیم میور وغیرہ ان ہی لوگوں میں سے ہیں۔ ان کی صدیوں پر محیط کاوشوں کے جو نتائج برآمد ہوئے ہیں وہ وہی ہیں جس کی ابتدا شروع میں ہوئی تھی۔ حکمت عملی کے بدلنے کے ساتھ آخر تک وہی باتیں الفاظ کے ردوبدل کے ساتھ دہراتے رہے۔ لیکن دل چسپ بات یہ بھی ہے کہ مستشرقین کے ان پراگندہ اعتراضات وخیالات کا جواب خود ان کے گروہ کے بعض لوگوں نے بھی دیا ہے اور اسے تعصب وعناد کا شاخسانہ قرار دیا ہے۔ مغربی دنیا کی طرف سے سیرت رسولؐ پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

- ☆ پیغمبر اسلام کا نام محمد نہیں، موہومٹ (شہزادہ تاریکی) تھا۔
- ☆ محمد نیچ ذات تھے۔
- ☆ محمد دراصل ایک مسیحی پادری تھے اور خواہش کر بیٹھے کہ پوپ منتخب کر لیے جائیں۔ ان کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی تو کلیسا سے قطع تعلق کر لیا اور ایک نئے دین اسلام کو ایجاد کر لیا۔
- ☆ مخالف مسیح اور دشمن عیسائی تھے۔
- ☆ ترکوں کے پیغمبر تھے۔
- ☆ حیوان تھے اور صرف حیوانی زبان عربی جانتے تھے۔
- ☆ شہوت پرست تھے اور اپنے پیروکاروں کو بھی اس میں ملوث کیا۔
- ☆ نبوت نتیجہ تھی ان کی خود بیانی یا خود ایعادی اور القاء نفس کا۔
- ☆ وہ خواب بہت دیکھا کرتے تھے، وحی بھی بہ طور خواب دیکھا کرتے تھے۔
- ☆ دوسروں کو یقین دلانے کے لیے کہ ان پر وحی آتی ہے محض ایک ڈھونگ تھا اور اسی کے لیے انھوں نے ایک سفید دودھیا رنگ کے کبوتر یا فاختہ کو سدھار رکھا تھا، جو ان کے کندھے پر بیٹھا رہتا تھا اور وقفہ وقفہ سے چونچ مار کر ان کے کان میں دانے چگا کرتا تھا۔ اس طرح وہ دوسروں پر یہ تاثر قائم کرتے تھے کہ فرشتہ ربانی (جبرئیل) ان پر وحی کرتا ہے۔
- ☆ اعصابی امراض، توہمات اور فریب حسی میں مبتلا تھے۔
- ☆ نزول وحی کے وقت مرگی کا دورہ پڑتا تھا۔

- ☆ وہ اپنے الہامی اور انبیائی مشن کے بارے میں خود مشکوک تھے۔
- ☆ مذہب کی تشکیل میں شام کے مسیحی اثرات کو بڑا دخل تھا۔ اس لیے کہ نسطوری راہب سے خاص ملاقات تھی۔
- ☆ ان کو بائبل کی تعلیمات کا علم تھا۔
- ☆ نبوت کا تسلسل برقرار نہیں رہا۔
- ☆ اسلام کی ترویج واشاعت کے لیے تشدد کا مظاہرہ کیا اور تلوار سے کام لیا۔
- ☆ حضور کی مکی زندگی مکہ تک پیغمبرانہ رہی، لیکن مدینہ جا کر بادشاہی میں بدل گئی۔
- ☆ دنیاداری کی سی حکمت اور عملی بہانہ جوئی اختیار کی۔
- ☆ کار نبوت کی ابتدا میں تو ایمان داری سے یہودی اور عیسائی طور وطریق اور نظام کو اپنایا اور اپنے مذہب کے لیے انہیں بنیاد بنایا۔ لیکن جب مطلب نکل گیا تو اس سے برأت ظاہر کر دی۔
- ☆ شاید اسلام یہودیت کا ایک حصہ بن جائے۔
- ☆ منشور مدینہ میں نبی کا مقام ومرتبہ غیر متعین تھا۔
- ☆ نبی کی ہجرت سے کفار مکہ بڑے خوش ہوئے۔
- ☆ محمد نے بلاوجہ قریش کو اپنے خلاف بھڑکایا۔
- ☆ غزوات محض لوٹ مار کی مہمیں تھیں اور غربت وتنگ دستی دور کرنے کا ذریعہ۔
- ☆ نبی کا لایا ہوا انقلاب اور مذہبی اصلاحات اس لیے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی کہ وہاں کا ماحول ان کے موافق اور مناسب نہیں تھا۔
- ☆ اسلام ایک بدقسمت تاریخی حادثہ تھا اور محمد مرگی میں مبتلا ہو کر مر گئے جو شدت بھوک کا نتیجہ تھا۔
- ☆ اسلام ایک اشتراکی رجحان تھا اور محمد صرف ایک معاشرتی وسماجی مصلح تھے نہ کہ پیغمبر۔
- ☆ لونڈی اور غلام بنانے کی اجازت دی اور اس پر عمل کیا۔
- ☆ داستان غرانیق، شیطانی آیات کو نبی نے قبول کیا۔
- ☆ مطلقہ عورتوں اور چچازاد بہنوں سے شادی کرنا ان کے نزدیک کوئی عیب کی بات نہ تھی۔

☆ اپنی نبوت کا جواز پیدا کرنے کے لیے پہلے تمام انبیائے بنی اسرائیل کو تسلیم کیا، بعد میں بڑے نبی بن گئے اور ختم نبوت کا اعلان کر دیا۔

☆ محمد نے معجزات کی نسبت محض انبیائے ماسبق کے ہم پلہ ثابت کرنے کے لیے قائم کی تھی۔(۶۸)

حاصل بحث

عیسائی دنیا کی مغلوبیت مسلمانوں کے ہاتھوں ہوئی۔ وہ ایک رعایا کی حیثیت سے مسلم ممالک میں کافی عرصہ تک رہے، مسلمانوں نے ان کے ساتھ جس فراخ دلی اور رواداری کا مظاہرہ کیا اس کی نظیر نہیں ملتی۔ باوجود اس کے وہ اسلام اور مسلمانوں کے بڑھتے اثرات سے اندر ہی اندر کڑھتے رہے اور موقع ومناسبت سے اسلامی احکام اور حضورؐ کی سیرت پر اعتراض بھی کرتے رہے، جن سے ان کی اسلام دشمنی واضح ہو جاتی ہے۔ اختلاف رائے کا حق سب کو ہے مگر بدزبانی اور بہتان تراشی کسی کو بھی پسند نہیں۔ کیا مسلمانوں نے سابقہ انبیاء اور ان کی تعلیمات کے متعلق اپنی زبان کو کبھی آلودہ کیا اور انہیں خدا کا فرستادہ اور نبی ماننے سے انکار کیا ہے۔ مسلمانوں کا رویہ اہل کتاب کے متعلق ہمیشہ نرم رہا اور وہ انہیں ایک قسم کے مختلف دھارے سمجھتے رہے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ عیسائی دنیا اور خاص طور پر مستشرقین کبھی یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلام کوئی مذہب نہیں ہے، کبھی انہوں نے پیغمبر اسلام کی ذات بابرکات کو مجموعہ خرافات ثابت کرنے کی کوشش کی، یہاں تک کہ مقدس کتاب کو کلام الٰہی ماننے سے انکار کیا اور اسے محمدؐ کی تصنیف قرار دینے اور ثابت کرنے کے لیے بے بنیاد شواہد پیش کرتے رہے۔ ایسے لوگوں کی ایک بڑی تعداد ہے جن کا ہم ٹھیک طریقے سے شمار بھی نہیں کر سکتے اور نہ ان کی یاوہ گوئی کا مزید تذکرہ کر کے اپنے خیالات کو پراگندہ کرنا چاہتے ہیں۔ مختصر لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مستشرقین نے ہر اس چیز کے خلاف اپنی صلاحیتیں صرف کیں جس کا تعلق اسلام سے تھا۔ جو چیز قلعہ اسلام کے لیے جتنی ناگزیر تھی وہ اسی شدت کے ساتھ مستشرقین کی فتنہ انگیزیوں کا نشانہ بنی۔ انہوں نے قرآن حکیم کے خلاف دل کھول کر نشتر زنی کی۔ احادیث مبارکہ سے امت کے اعتماد کو ختم کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور تعلیمات اسلام کو اس انداز میں پیش کیا کہ

جو بھی دیکھے کراہت محسوس کرے۔ اسلام میں جو چیز بالخصوص مستشرقین کے حملے کا نشانہ بنی وہ حضورؐ کی سیرت طیبہ ہے۔ حالاں کہ سیرت مبارکہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ ابوسفیان باوجود دشمن ہونے کے ہرقل کے دربار میں کوئی ایسی بات نہ کہہ سکا جو جھوٹی ہو۔ وہ کافر ضرور تھا، لیکن اس کے نزدیک جھوٹ ایک اخلاقی مرض تھا۔ اس لیے وہ جھوٹ نہ بول سکا اور کفارِ مکہ آپؐ سے شدید عداوت رکھنے کے باوجود آپ کو صادق اور امین کہہ کر پکارتے تھے۔ مستشرقین ان سب حقیقتوں سے آشنا ہونے کے باوجود روایتی تعصب اور تنگ نظری سے دامن نہ چھڑا سکے، انہوں نے حضورؐ کے دامن کو داغ دار کرنے کے لیے مختلف انداز اختیار کیے، کبھی آپ کو اپنے ڈراموں، فلموں اور تصویری کہانیوں کے ناپسندیدہ کرداروں کی شکل میں پیش کیا، کبھی آپ کے جسم مبارک کو جہنم کے پست ترین درجوں میں دکھایا، غرض کہ جو بھی اخلاقی برائی ہو سکتی تھی (نعوذ باللہ) آپ کو اس میں گرفتار دکھایا۔ یہ باتیں یقیناً اہل اسلام کے لیے کرب ناک ہیں۔ بقول علامہ اسد:

> "یورپین کا رویہ اسلام کے بارے میں اور صرف اسلام ہی کے بارے میں دوسرے غیر مذاہب اور تمدنوں سے بے تعلقی کی ناپسندیدگی ہی نہیں، بلکہ گہری اور تقریباً بالکل مجنونانہ نفرت ہے۔ یہ محض ذہنی نہیں ہے، بلکہ اس پر شدید جذباتی رنگ بھی ہے۔ یورپ بدھشٹ اور ہندو فلسفوں کی تعلیمات کو قبول کر سکتا ہے اور ان مذہبوں کے متعلق ہمیشہ متوازن اور مفکرانہ رویہ اختیار کر سکتا ہے، مگر جیسے ہی اسلام کے سامنے آتا ہے، اس کے توازن میں خلل پڑ جاتا ہے اور جذباتی تعصب آ جاتا ہے۔ بڑے سے بڑے یورپین مستشرقین بھی اسلام کے متعلق لکھتے ہوئے غیر معقول جانب داری کے مرتکب ہو گئے ہیں...... اس طریقۂ عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ یورپ کے مستشرقین کے ادب میں ہمیں اسلام اور اسلامی معاملات کی بالکل مسخ شدہ تصویر ملتی ہے۔ یہ چیز کسی ایک خاص ملک میں محدود نہیں، بلکہ جرمنی، روس، فرانس، اٹلی، ہالینڈ، غرض ہر جگہ جہاں یورپین مستشرقین نے اسلام سے بحث کی ہے، انہیں جہاں کہیں بھی کوئی واقعی یا محض خیالی ایسی بات نظر آتی ہے جس پر اعتراض کیا جا سکے، وہاں ان کے دل میں بدنیتی کی مسرت کی گدگدی ہونے لگتی ہے۔" (۲۹)

اسلام اور سیرت رسولؐ پر خاص طور پر مغربی مصنفین اور دانشوروں نے جو بہتان تراشی کی ہے اور اس سلسلے میں آئندہ ان کی کیا پیش رفت ہوگی اس کی وضاحت کرتے ہوئے

The Prophet of the Desert (پیغمبر صحرا) کے مصنف علامہ شیخ خالد لطیف گابا نے جس حقیقت کا اظہار کیا ہے وہ بہت دل چسپ اور قابل ملاحظہ ہے:

''گزشتہ صدیوں میں اسلام اور پیغمبر اسلام کو غلط تعبیر، غلط تفسیر بلکہ بے اندازہ بہتان اور تہمت کی حشر سامانیوں سے گزرنا پڑا، جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ تاریخی حقائق کو مسخ کیا جاتا ہے۔ مثلاً صلاح الدین ایوبی کی فتوحات کو لوٹ مار کی مہم جوئی قرار دیا جاتا ہے۔ صلیبی جنگوں کی شکست کی خفت کو مٹانے کے لیے ان کو فتح میں بدلنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جنرل گورڈن کی موت، مغلیہ سلطنت اور مصطفےٰ کمال پاشا وغیرہ کے بارے میں بے سروپا باتیں بیان کی جاتی ہیں۔ جب تک اسلام اس مادی دنیا میں ایک زندہ قوت کی حیثیت سے موجود ہے، غیر مسلموں کی جانب سے یہ توقع کرنا عبث ہے کہ وہ بنی نوع انسان کے معاشرتی، معاشی اور سیاسی مسائل حل کرنے کے سلسلے میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے کارناموں کے بارے میں کوئی کلمہ خیر بھی زبان اعتراف سے ادا کریں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عیسائیت، صیہونیت اور بدھ مت اس مادی دنیا سے اپنا اپنا مقام کھو رہے ہیں، جب کہ اسلام اب تک نہ صرف یہ کہ ایک زبردست زندہ قوت کی حیثیت سے موجود ہے، بلکہ روز بروز ترقی کی جانب گامزن ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے بلقانیوں کا حسد، یہودیوں کی نفرت، ہندوؤں کا تعصب اور روس کی مخاصمت بھی روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔(۷۰)

☆☆☆

مآخذ و مراجع

(۱) حافظ ابن کثیر دمشقی، البدایۃ والنہایۃ، دارالفکر، بیروت، لبنان، ۱۹۹۴ء، ج:۲، جز:۳، ص:۱۳۶۔ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری، تاریخ طبری (تاریخ الرسل والملوک) دارالمعارف، قاہرہ، ج:۲، ص:۳۰۹-۳۱۷۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۹۸۶ء، ج:۲، ص:۳۹

(۲) تفصیل کے لیے دیکھیے: ابو محمد عبدالملک بن ہشام، سیرۃ النبیؐ، مطبع حجازی، قاہرہ، ج:۱، ص:۲۶۹-۲۷۴

(۳) ایضاً، ج:۱، ص:۲۷۴۔ تاریخ طبری، ج:۲، ص:۳۱۷۔ الکامل فی التاریخ، ص:۲، ص:۳۹

(۴) محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، دارالفکر، بیروت، لبنان، ۱۹۹۴ء، ج:۱، ص:۱۳۶۔ تاریخ طبری، ج:۲، ص:۳۱۹-۳۳۲۔

(۵) ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی۔ سیرۃ النبی، ج:۱، ص:۲۰۶-۲۰۷ اور ۲۵۶-۲۵۷۔ تاریخ طبری، ج:۱، ص:۳۰۲

(۶) علامہ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۳ء، ج:۱، ص:۱۵۱-۱۵۵ (بہ تصرف)

(۷) محمد حسین ہیکل، حیاۃ محمد، مکتبۃ النھضۃ، قاہرہ، ۱۹۵۲ء، ص:۱۴۱

(۸) سیرۃ النبیؐ، ابن ہشام، ج:۱، ص:۲۸۳-۲۸۴ اور ۳۱۳-۳۱۴

(۹) اسماعیل بن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، دارالاشاعت دیوبند، ۲۰۰۲ء، ج:۴، ص:۲۶۷۔ سیرۃ النبی، ابن ہشام، ج:۱، ص:۴۲۱

(۱۰) صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب فضائل القرآن۔ تفسیر القرآن العظیم، ج:۴، ص:۶۷۵۔ البدایہ والنہایہ، ج:۲، جز:۳، ص:۱۰۲

(۱۱) سیرۃ النبی، ابن ہشام، ج:۱، ص:۳۲۰-۳۲۱

(۱۲) الکامل فی التاریخ، ج:۲، ص:۴۳-۴۴۔ محمد الغزالی، فقہ السیرۃ، مطبعۃ الحسان، قاہرہ، ۱۹۷۶ء، ص:۱۰۱

(۱۳) الطبقات الکبریٰ، ج:۱، ص:۱۷۴

(۱۴) صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب اذا القی علی ظہر المصلی قذر او جیفۃ لم تفسد علیہ الصلوٰۃ

(۱۵) الطبقات الکبریٰ، ج:۱، ص:۱۳۷

(۱۶) سیرۃ النبی، ابن ہشام، ج:۱، ص:۳۷۸-۳۷۹

(۱۷) الطبقات الکبریٰ، ج:۱، ص:۱۳۶-۱۳۷۔ الکامل فی التاریخ، ج:۲ ص:۵۰-۵۱

(۱۸) کونسٹینٹن ویرژیل جورجیو، عکس سیرت (مترجم: خلیل الرحمٰن) رحمٰن پرنٹر و پبلشرز، کولکاتا، ۲۰۰۸ء، ص:۱۷۷ (مصنف رومانیہ کے راسخ العقیدہ پادری کے گھر میں ۱۹۲۸ء میں پیدا ہوا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد حکومت کی جانب سے سپرد کیے گئے کئی اہم عہدوں پر فائز رہا ہے۔ اسے ۱۹۶۳ء میں پیرس میں رومانیہ کے ارتھوڈوکس چرچ میں پادری کا عہدہ بھی سونپا گیا۔ اس نے کم وبیش ۲۶ رکتابیں قلم بند کی ہیں۔ ۱۹۹۲ء میں اس کا انتقال پیرس میں ہوا۔ یہ کئی سال تک سعودی عرب میں بھی رہ چکا ہے۔ وہاں کی زبان سمجھنے کے ساتھ ساتھ اس نے مختلف مقامات کی سیاحت کرکے وہاں کی ثقافت اور تہذیب کا مطالعہ بھی کیا ہے۔ اسی پس منظر میں اس نے غیر جانب دارانہ طریقے سے سیرت نبوی کے اہم گوشوں کو اجاگر کیا ہے اور سیرت پر کیے جانے والے اعتراضات کا دفاع کیا ہے۔ کتاب کے مندرجات سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف نے اس کتاب کو رومانوی زبان میں تحریر کیا۔ بعد میں اس کا ترجمہ فرانسیسی اور فارسی زبان میں ہو۔ فارسی سے ہی یہ اردو زبان میں منتقل ہوئی۔)

(۱۹) حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی، فتح الباری، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان، ج:۷، ص:۲۷۵

(۲۰) سید محمد اسماعیل، سیرت رسول اور عصر جدید، اریب پبلیکیشنز، دہلی، ۲۰۰۸ء، ص:۱۳۱

(۲۱) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، فرید بک ڈپو، دہلی، ۱۹۹۹ء، ج:۱، ص:۱۳۰

(۲۲) حیات محمد، ص:۲۳۴

(۲۳) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب الرفق فی الملائکۃ۔ باب لم یکن النبیؐ فاحشاً ولا متفاحشاً۔ کتاب الجہاد، باب الدعاء علی المشرکین بالھزیمۃ والزلزلۃ۔ کتاب الاستیذان، باب کیف الرد علی اہل الذمۃ بالسلام۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، باب النہی عن ابتداء اہل الکتاب بالسلام وکیف یرد علیہم

(۲۴) شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج:۱، ص:۲۱۸

(۲۵) اردو دائرہ معارف اسلامیہ (تکملہ) دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۲۰۰۲ء، ج:۱، ص:۵۶۷

(۲۶) ایضا

(۲۷) ڈاکٹر عبدالقادر جیلانی، اسلام، پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، اریب پبلیکیشنز، دہلی، ۲۰۰۷ء، ص:۱۹۰

(۲۸) ایضا، ص:۱۹۰-۱۹۱

(۲۹) ایضا، ص:۱۹۱

(۳۰) وکٹر ای ماسڈن، وثائق یہود (مترجم: یحیی خان) ہمراز پبلشرز، دہلی، ۲۰۰۵ء، ص:۶۱

(۳۱) اسلام، پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، ص:۱۲۶

(۳۲) ایضا، ص:۱۲۷

(۳۳) ایضا، ص:۱۲۷-۱۲۸

(۳۴) ایضا، ص:۱۲۸

(۳۵) ایضا، ص:۱۳۱

(۳۶) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۷۳ء، ج:۱۲، ص:۲۱۹

(۳۷) اسلام، پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، ص:۱۳۹-۱۴۰

(۳۸) ہفت روزہ فرائڈے اسپیشل، کراچی، پاکستان، ۱۲/تا۱۸/دسمبر، ۲۰۰۸ء، ص:۱۵، مضمون: مغرب کے اسلام دشمن مفکرین

(۳۹) اسلام، پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، ص:۱۴۱

(۴۰) ایضا، ص:۱۴۲

(۴۱) ایضا، ص:۱۴۵

(۴۲) ایضا، ص:۱۴۵-۱۴۶

(۴۳) ایضا، ص:۱۴۶

(۴۴) ایضا، ۱۴۷

(۴۵) سید صباح الدین عبدالرحمن، اسلام اور مستشرقین (مجموعہ مقالات سیمنار) دار المصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۴ء، ج:۳، ص:۶۷-۶۸۔ مقالہ نگار: ڈاکٹر نثار احمد، مقالہ: مطالعہ سیرت اور مستشرقین

(۴۶) شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، ج:۱، ص:۶۱

(۴۷) ایضاً، ج:۱،ص:۶۱-۶۲

(۴۸) اسلام، پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، ص:۱۵۲

(۴۹) ایضاً، ص:۱۵۵

(۵۰) ایضاً، ص:۱۶۲

(۵۱) Thoms Carlyle, The hero as prophet, Islam Service Lea gue Dongri, Bomby, p:3-5

کارلائل کے خطبے کا اردو ترجمہ میرے پیش نظر ہے۔ اسے ششماہی مجلہ 'عالمی السیرۃ' (شمارہ:۱۷، مارچ ۲۰۰۷ء، ص:۳۶۶) پاکستان نے شائع کیا ہے۔

(۵۲) اسلام، پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، ص:۱۶۴

(۵۳) ایضاً، ص:۱۶۴

(۵۴) ایضاً، ص:۱۵۷-۱۵۸و۱۶۴-۱۶۵

(۵۵) اایضاً، ص:۱۶۵

(۵۶) ایضاً، ص:۱۶۵

(۵۷) ایضاً، ص:۲۰۸

(۵۸) سید سلیمان ندوی، خطبات مدراس، فرید بک ڈپو، دہلی، ۲۰۰۳ء، ص:۶۱

(۵۹) اسلام اور مستشرقین، ص:۲۰۸

(۶۰) فرائڈے اسپیشل، ص:۱۵

(۶۱) ایضاً، ص:۱۵-۱۹

(۶۲) سید سلیمان ندوی (مرتب) مقالات شبلی، مطبع معارف، اعظم گڑھ، ۱۹۵۶ء، ج:۴، ص:۱۳۳

(۶۳) D.S.Margoliouth, Mohammad and the Rise of Islam, London\New York,1923, p:iii

(۶۴) Dr.Micheal H. Hart, The 100,New York, 1978

(۶۵) Joseph Schcht, Muhammad, Encyclopedia of Social Science, New York,1959,Vol:9, p:570

(۶۶) گنگا پرساد اوپادھیائے، مصابیح الاسلام، ٹریکٹ وبھاگ، آریہ سماج چوک الہ آباد، ۱۹۶۳ء، ص:۱۰-۹

(۶۷) اسلام، پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر

(۶۸) اسلام اور مستشرقین، ج: ۳، ص: ۹۶-۱۰۰۔ اسلام، پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، ص: ۲۱۳-۲۱۴

(۶۹) محمد اسد، اسلام دوراہے پر، آزاد کتاب گھر، دہلی، ۱۹۶۸ء، ص: ۴۶-۴۷

(۷۰) شیخ خالد لطیف گابا، پیغمبر صحرا (مترجم: پروفیسر احمد الدین مارہروی) فرید بک ڈپو، دہلی، ۲۰۰۴ء، ص: ۷-۸

باب دوم

وحی اور اس کی کیفیتِ نزول

انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیائے کرام کو مبعوث کیا۔ انہیں صحیفے دیے اور کتابیں نازل کیں، جن کو 'وحی' کہا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ان سب میں صرف محمدؐ پر وحی کیے جانے کے سلسلے میں خاص طور پر مستشرقین نے طرح طرح کے اعتراض کیے ہیں۔ وحی کو نبیؐ کا لاشعوری واہمہ، اس کے نزول کی کیفیات کو صرع، روحانی وارداتوں کو مغالطہ اور قرآن کو یہود و نصاریٰ کی تعلیمات پر مبنی قرار دیا جاتا ہے۔ اس طرح کے اعتراضات سے ان کا منشا یہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو وحی الٰہی کی حقیقت اور اس کی اصلیت کے بارے میں شک میں مبتلا کر دیں تاکہ وہ اس سے حاصل ہونے والے عقائد و احکام کا بہ آسانی انکار کرنے لگیں۔ ذیل میں ان اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

وحی کی ضرورت

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر تین چیزیں ایسی ودیعت کر دی ہیں، جن کے ذریعے وہ اچھے اور برے میں تمیز کر سکتا ہے۔ ایک 'حواس'، دوسری 'عقل' اور تیسری 'وحی'۔ کچھ چیزوں کا علم حواس کے ذریعہ ہوتا ہے، کچھ چیزوں کا عقل کے ذریعہ اور جن باتوں کا علم ان دونوں ذرائع سے نہیں ہوتا وہاں وحی کے ذریعہ رہنمائی کی جاتی ہے۔ ان میں ترتیب کچھ ایسی ہے کہ جب ایک ذریعہ علم کسی مقام پر پہنچ کر اپنا کام ترک کر دیتا ہے تو دوسرا اپنا فعل شروع کر دیتا ہے۔ جن باتوں کا علم حواس سے ہو سکتا ہے وہاں عقل رہنمائی نہیں کرتی، اسی طرح اس کے برعکس ہے۔ جب یہ

دونوں ذرائع ناکام ہو جاتے ہیں تو تیسرے کی ضرورت پڑتی ہے جو وحی الٰہی ہے۔ یہ وہ اعلیٰ ترین ذریعہ علم ہے جو انسان کو زندگی سے متعلق ان تمام باتوں کا علم فراہم کرتا ہے جو انسان کی زندگی کے لیے ناگزیر ہیں۔ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی ؒ فرماتے ہیں:

> ''جس طرح عقلی ادراک کا طریقہ حسی ادراک سے فائق ہے کہ جو چیز حس ظاہر سے نہ معلوم ہو سکے عقل اس کا ادراک کر لیتی ہے۔ اسی طرح بلا تشبیہ طورِ نبوت طورِ عقل سے اعلیٰ اور بالا ہے کہ جن چیزوں کے ادراک سے عقل قاصر، عاجز اور درماندہ ہے وہ چیزیں بذریعہ نبوت و وحی معلوم ہو جاتی ہے۔''(۱)

اسی طرح انسان کی ضرورت کی تکمیل اور اس کی رہبری کے لیے نورِ عقل ہی کافی نہیں، بلکہ نورِ وحی کی بھی شدید ضرورت ہے۔ سورج، چاند، ستاروں کی روشنی موجود ہونے کے باوجود نابینا اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اسی طرح انسان کے اندر آنکھ کی روشنی برقرار ہے، لیکن مذکورہ روشنی نہ ہو، اندھیرا چھایا ہوا ہو، بادل تہ بہ تہ جمے ہوں، زمین بارش کی وجہ سے گیلی ہو گئی ہو، راستہ ناہموار ہو تو ایسے وقت میں آنکھ والا آدمی بھی ٹھوکر کھا سکتا اور اپنی منزل سے ہٹ سکتا ہے۔ اگر آنکھوں کی روشنی کے ساتھ نورِ وحی بھی حاصل ہو جائے تو انسان خطرات سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ جب تک نورِ عقل کا تعلق نورِ وحی کے ساتھ نہ ہوگا، نورِ عقل ٹھوکریں کھاتا پھرے گا۔ ہر قدم پر کفر و معصیت کے قعرِ مذلت میں گرنے اور نفس و شیطان کے جال میں پھنسنے کا قوی اندیشہ ہے۔(۲) اس لیے نورِ عقل کی صالحیت کے لیے وحی کی شدید ضرورت ہے۔(۳)

وحی کی حقیقت

وحی وہ ذریعہ علم ہے جس سے اللہ سبحانہ تعالیٰ اپنا کلام اپنے منتخب پیغمبروں تک پہنچاتا ہے۔ ان کے واسطے سے یہ انسانوں تک پہنچتا ہے۔ وہ اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ایک مقدس تعلیمی رابطہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا مشاہدہ صرف انبیائے کرام کو ہی ہوتا ہے۔ دوسرے لوگوں کے لیے یہ ممکن نہیں کہ ٹھیک ٹھیک اس کی حقیقت کا ادراک کر سکیں۔(۴) تاہم علمائے سلف نے اپنی فہم و بصیرت کی روشنی میں اس کی حقیقت واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: خدا کی طرف سے کسی نبی کے

قلب میں کسی چیز کے القا کا نام وحی ہے۔شیخ محی الدین اکبرؒ نے وحی کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جو چیز کسی کو حاصل نہیں ہوسکتی، اس کی حقیقت بھی معلوم نہیں ہوسکتی۔(۵) بعض علماء نے حقیقت وحی کی وضاحت کے لیے علمائے متقدمین اور فلاسفہ کی بحثوں کا بھی احاطہ کیا ہے اور ان میں توازن پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔مگر وہ بھی اس نکتہ پر آ کر متفق ہوجاتے ہیں کہ اس کا صحیح ادراک بجز خدا اور اس کے رسول کے کسی کو نہیں ہوسکتا۔(۶)

وحی کے معنی و مفہوم

وحی کے لفظی معنی ہیں: اشارہ کرنا، پیغام دینا، دل میں بات ڈالنا، چھپا کر بولنا اور جو کچھ خیال میں ڈالا جاتا ہے۔(۷) لیکن اہل لغت کے نزدیک اس کے معنی ہیں کسی سے اس طرح چپکے چپکے باتیں کرنا کہ کوئی دوسرا اس کو سن نہ سکے۔(۸) زبیدی نے لکھا ہے کہ 'وحی' اور 'ایحا' عربی زبان کے الفاظ ہیں اور لغت میں ان کے معنی ہیں بہ سرعت کوئی اشارہ کردینا، خواہ یہ اشارہ رمز و کنایہ کے ذریعے کیا جائے خواہ کوئی بے معنی آواز نکال کر خواہ کسی عضو کو حرکت دے کر یا تحریر و نقوش کے ذریعے۔ ہر صورت میں لغۃً اس پر یہ الفاظ صادق آتے ہیں۔(۹) شعرائے عرب نے بھی لفظ 'وحی' اور 'ایحا' کو اپنے اشعار میں مختلف معانی میں استعمال کیا ہے۔(۱۰) قرآن کریم میں بھی یہ لفظ متعدد معنوں میں وارد ہوا ہے۔کسی انسان کے دل میں شیطان وسوسہ ڈالتا ہے، اس معنی میں اس کا استعمال ہوا ہے:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ
يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا (الانعام:۱۱۲)

"اور ہم نے تو اسی طرح ہمیشہ شیطان انسانوں اور شیطان جنوں کو ہر نبی کا دشمن بنایا ہے، جو ایک دوسرے پر خوش آئند باتیں دھوکے اور فریب کے طور پر القا کرتے رہتے ہیں۔"

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

وَ اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ (الانعام:۱۲۱)

"شیطان اپنے ساتھیوں کے دلوں میں شکوک و اعتراضات القا کرتے ہیں، تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں۔"

اللہ تعالیٰ نبی کو احکام سے نوازتا ہے اس کے لیے بھی اسے استعمال کیا گیا ہے:

فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۝١٠ (النجم:١٠)

"تب اس نے اللہ کے بندے کو وحی پہنچائی جو وحی بھی اسے پہنچانی تھی۔"

رمز و کنایہ کے طور پر بھی استعمال ہوا ہے:

فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ مِنَ الْمِحْرَابِ فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ أَن سَبِّحُوا بُكْرَةً وَعَشِيًّا ۝١١ (مریم:١١)

"چنانچہ وہ محراب سے نکل کر اپنی قوم کے سامنے آیا اور اس نے اشارے سے ان کو ہدایت کی کہ صبح و شام تسبیح کرو۔"

حیوانات کو جو طبعی الہام ہوتا ہے، قرآن نے اس کو بھی وحی سے تعبیر کیا ہے:

وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ۝٦٨ (النحل:٦٨)

"اور دیکھو تمہارے رب نے شہد کی مکھی پر یہ بات وحی کر دی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور ٹٹیوں پر چڑھائی ہوئی بیلوں میں اپنے چھتے بنا۔"

کسی پر فطری الہام ہوتا ہے اس معنی میں بھی اسے استعمال کیا گیا ہے:

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ ۖ (القصص:٧)

"ہم نے موسیٰ کی ماں کو اشارہ کیا کہ اس کو دودھ پلا۔"

وحی کام کرنے کے معنی میں بھی وارد ہوا ہے:

وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا ۚ (حم السجدہ:١٢)

"اور ہر آسمان میں اس کا قانون وحی کر دیا۔"

غیر ذی روح کے لیے بھی اس لفظ کو استعمال کیا گیا ہے اور مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے کہ اپنے احوال بتائیں:

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ۝٤ بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ۝٥ (الزلزال:٤-٥)

"(زمین) اس روز اپنے (اوپر گزرے ہوئے) حالات بیان کرے گی، کیوں

کہ تیرے رب نے (ایسا کرنے کا) حکم دیا گیا ہوگا۔"

ان آیات پر غور کرنے سے وحی کے تعلق سے تین باتیں سامنے آتی ہیں:

پہلی یہ کہ وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق کو کام کرنے کا طریقہ اور سلیقہ سکھاتا ہے۔ اسے وحی جبلی یا طبیعی کہا جاتا ہے۔

دوسری یہ کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو کسی خاص بات سے متعلق کوئی ہدایت یا علم دیتا ہے یا نذیر بناتا ہے۔ اسے وحی جزئی کہا جاتا ہے۔

ان دونوں سے مختلف وحی نبوت ہے جو انبیاء اور رسولوں کے لیے خاص ہے۔ اس پر ایمان لانا اور اس کی پابندی انسانوں پر فرض ہے۔ (۱۱)

شرعی اصطلاح میں وحی خاص اس ذریعہ غیبی کا نام ہے جس میں کسی نبی کو بغیر کسی قسم کی نظر و فکر، محنت و اکتساب، تجربہ و استدلال کے محض اللہ تعالیٰ کے فضل و عنایات سے کوئی بات معلوم ہو جائے۔ اس لفظ کا استعمال اس خاص معنی میں اس کثرت سے ہوا ہے کہ اس میں منقول شرعی بن گیا ہے۔ اس لیے جب کسی نبی کے ذکر میں وحی کا لفظ بولا جاتا ہے تو لامحالہ یہی معنی مراد ہوتے ہیں۔ جس طرح صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج کے لغوی معنی اگرچہ مصطلحات شرعیہ سے مختلف ہیں، لیکن شریعت اسلامی میں یہ الفاظ مخصوص ہو چکے ہیں۔ لہٰذا ان کے علاوہ کسی دوسرے معنی میں یہاں تک کہ لغوی معنی میں بھی بلا قرینہ ان کا استعمال درست نہیں۔ یہی حال وحی کا بھی ہے۔ سیاق و سباق میں قرینہ موجود ہو تو اس کے دوسرے معنی مراد لیے جا سکتے ہیں ورنہ نہیں۔ (۱۲)

وحی اور الہام میں فرق

الہام کے معنی ہیں کسی کے دل میں کوئی بات ڈال دینا۔ (۱۳) بہ الفاظ دیگر فیض الٰہی کے طور پر کسی فکر و خیال کا دل میں اتار دینا۔ (۱۴) قرآن میں یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا ۝ (الشمس:۸)

"پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری اس پر الہام کر دی۔"

حدیث رسولؐ میں یہ لفظ اسی معنی میں وارد ہوا ہے:

"اے اللہ میرے قلب میں ہدایت ڈال دے اور میرے نفس کو شر سے بچا۔"(۱۵)

اصطلاحاً الہام کا لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی تصور یا کسی خیال کو غیر شعوری طور پر بندے کے دل و دماغ میں اتار دینے کے لیے استعمال ہوا ہے۔(۱۶) راغب اصفہانیؒ نے لکھا ہے کہ یہ لفظ ایسی بات کے القا کے ساتھ مخصوص ہو چکا ہے جو اللہ کی طرف سے دل و دماغ میں ڈالی جاتی ہے۔(۱۷) ابن اثیرؒ کے مطابق الہام وحی کی ایک قسم ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس سے سرفراز فرماتا ہے۔(۱۸) وحی کی طرح الہام بھی علم وادراک کا سرچشمہ ہے۔ البتہ دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے۔ وحی انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے، جب کہ الہام نبی اور غیر نبی دونوں کے لیے عام ہے۔ نبی کو جو الہام ہوتا ہے اس کا علم اسے ہوتا ہے کہ یہ من جانب اللہ ہے، جب کہ غیر نبی کو اس کا علم نہیں ہوتا۔ انبیاء کا الہام دین کے لیے حجت ہے۔ اور خدا کے دوسرے نیک بندوں کا الہام حجت نہیں۔(۱۹) کیوں کہ ان کے الہام میں صواب وخطا کا احتمال رہتا ہے۔ جب کہ نبی کا الہام صواب کے سوا کسی بات کا احتمال نہیں رکھتا۔(۲۰)

وحی کی اہم صورتیں

منجانب اللہ پیغمبروں کو جو وحی کی جاتی ہے اس کی متعدد صورتیں ہیں۔ اس آیت سے ان صورتوں کا پتا چلتا ہے:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ
حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ (الشوریٰ:۵۱)

"کسی بشر کا یہ مقام نہیں ہے کہ اللہ اس سے روبرو بات کرے، اس کی بات یا تو وحی (اشارے) کے طور پر ہوتی ہے یا پردے کے پیچھے سے یا پھر وہ کوئی پیغام بر (فرشتہ) بھیجتا ہے اور وہ اس کے حکم سے جو کچھ وہ چاہتا ہے وحی کرتا ہے۔"

کلام بالوحی/کلام الٰہی، کلام پس پردہ/ وحی قلبی اور کلام بذریعہ قاصد/ وحی مَلَکی۔ یہ تین صورتیں وحی کی ہوتی ہیں۔ حضرت محمدؐ پر ان تینوں طریقوں سے وحی کی گئی ہے۔ بلکہ نبیؐ کو معراج کے موقع سے اللہ سے ہم کلامی کا وہ موقع بھی میسر آیا جو انبیائے سابقین کے حصے میں نہیں آیا۔(۲۱)

کلام بالوحی

اس صورت میں اللہ تعالیٰ براہ راست رسول کو اپنی ہم کلامی کا شرف عطا فرماتا ہے، فرشتہ کا واسطہ نہیں ہوتا۔ نبی کو جو آواز سنائی دیتی ہے وہ مخلوق کی آواز سے جدا عجیب وغریب کیفیت کی ہوتی ہے، جس کا ادراک عقل کے ذریعہ ممکن نہیں۔ جو انبیاء اسے سنتے ہیں وہی اس کیفیت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ وحی کی یہ صورت تمام قسموں میں افضل ہے۔ نص قرآنی اس پر شاہد ہے: وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿﴾ (النساء: ۱۶۴) "ہم نے موسیٰ سے اس طرح گفتگو کی، جس طرح گفتگو کی جاتی ہے۔"

وحی قلبی

اس میں باری تعالیٰ براہ راست نبی کے قلب کو مسخر فرما کر کوئی بات اس کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ اس میں بھی فرشتے کا واسطہ نہیں ہوتا اور نہ نبی کی قوت سامعہ اور حواس کا دخل ہوتا ہے۔ اس میں کوئی آواز بھی سنائی نہیں دیتی، بلکہ کوئی بات قلب میں جاگزیں ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ بات اللہ کی طرف سے آئی ہے۔ یہ کیفیت بیداری میں بھی ہو سکتی ہے اور خواب میں بھی۔ حضرت ابراہیمؑ کو اپنے بیٹے کی قربانی کا حکم اسی طرح دیا گیا:

قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى

(الصّافات: ۱۰۲)

" (ایک روز) ابراہیمؑ نے اس سے کہا: بیٹا، میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ اب تو بتا، تیرا کیا خیال ہے۔"

وحی مَلَکی

اللہ تعالیٰ اپنا پیغام کسی فرشتے کے ذریعے نبی تک پہنچاتا ہے۔ بعض اوقات فرشتہ نظر نہیں آتا، صرف اس کی آواز سنائی دیتی ہے اور بعض مرتبہ وہ کسی انسان کی شکل میں سامنے آکر پیغام الٰہی پہنچا دیتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نبی کو اپنی اصلی صورت میں نظر آجائے۔ لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے۔

وحی خاص کی قسمیں

وحی عام کا تعلق اپنے لغوی معنی سے ہے، اس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ البتہ وحی کی ایک دوسری قسم وحی خاص بھی ہے اور اس کا تعلق انبیاء و رسل سے ہے۔ اس میں قرآن اور حدیث دونوں شامل ہیں۔ اس لیے علمائے اسلام نے دونوں کے درمیاں فرق کرنے کے لیے مندرجہ ذیل قسمیں بیان کی ہیں۔

ا۔ وحی متلو

قرآن مجید شروع سے آخر تک وحی متلو ہے، جس کی قرأت نماز میں یا دوسری عبادات میں مطلوب و مقصود ہے نیز حصول ثواب اور رہنمائی حاصل کرنے کے لیے بھی اس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ یہ الفاظ اور معنی دونوں پر مشتمل ہے۔ اس میں بس وہی بیان ہوا ہے جسے اللہ نے اپنے فرشتے کے ذریعہ نبیؐ پر نازل کیا ہے۔ اس میں کسی کمی بیشی کا کوئی امکان نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ؁ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ؁

(الشعراء: ۱۹۲- ۱۹۳)

"بے شک وہ رب العٰلمین کی نازل کردہ چیز ہے، اسے لے کر تیرے دل پر امانت دار روح اتری ہے۔"

۲۔ وحی غیر متلو

جیسا کہ خود اس لفظ سے واضح ہے کہ وہ وحی جس کی تلاوت ضروری نہیں۔ اس کا اطلاق حدیث نبویؐ پر ہوتا ہے۔ یہ بھی شریعت کا اہم جز ہے۔ اپنے الفاظ کے لحاظ سے خدا کا کلام نہیں ہے۔ لیکن اپنے معنی و مطلب کے اعتبار سے فرمان خداوندی ہے۔ (۲۲) اس میں صرف مضامین وحی کیے گئے ہیں، تعبیر و تشریح آپؐ نے فرمائی ہے اور یہ کلام بھی وحی پر دلالت کرتا ہے۔ کیوں کہ نبی کی مرضی کا اس میں دخل نہیں ہوتا۔ آیت قرآنی سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ؁ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ؁ (النجم: ۳-۴)

"وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا، یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔"

حدیث نبویؐ میں بھی اس کی صراحت موجود ہے کہ اللہ نے قرآن کے علاوہ ایک

دوسری چیز بھی آپ کو وحی کی گئی ہے:

”آگاہ رہو مجھے قرآن بھی دیا گیا ہے، نیز اس جیسی دوسری تعلیمات بھی۔ عنقریب ایک شکم سیر آدمی مسند سے ٹیک لگائے بیٹھا ہوگا اور وہ یہ کہے گا کہ قرآن کو پکڑے رہو۔ اس نے جس چیز کو حلال قرار دیا ہے، حلال سمجھو اور جس چیز کو حرام قرار دیا ہے حرام جانو۔ خبردار رہو! جس چیز کو رسولؐ نے حرام ٹھہرایا ہے وہ بھی خدا کی حرام کردہ اشیا کے مانند ہے۔“(۲۳)

قرآن کی تفسیر و تشریح نبیؐ نے کی ہے جس کی تفصیل حدیث میں ملتی ہے۔ وحی غیر متلو کی پابندی اور اس پر عمل کرنے کی تاکید قرآن میں موجود ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ

(الحشر:۷)

”جو کچھ رسولؐ تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دے اس سے رک جاؤ۔“

اس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ وحی متلو اور وحی غیر متلو (قرآن و حدیث) دونوں اللہ تعالیٰ کی جانب سے قلب نبوی پر القا کیے جاتے تھے۔ جو حدیث صحیح سند اور تواتر سے ثابت ہو جائے اس کے وحی الٰہی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ حدیث بھی قرآن کی طرح حجت ہے۔ اس حیثیت سے اس پر ایمان لانا ضروری ہے کہ یہ حدیث ہے، بلکہ اس حیثیت سے بھی اس کا ماننا ہمارے لیے ضروری ہے کہ یہ وحی الٰہی ہے۔ کیوں یہ رسول اللہ کی رہنمائی کے لیے آتی تھی۔ اور لوگوں تک وہ اللہ کے الفاظ میں نہیں بلکہ حضورؐ کے ارشادات، فیصلوں اور کاموں کی صورت میں پہنچتی تھی۔ اگر ایک شخص یہ تسلیم کرتا ہے کہ نبی کے پاس پہلی قسم کی وحی آسکتی ہے تو آخر اسے یہ ماننے میں کیا چیز مانع ہے کہ اسی نبی کے پاس دوسری چیز بھی آسکتی ہے؟ اگر قرآن کا معجزانہ کلام ہمیں یہ یقین دلانے کے لیے کافی ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہو سکتا ہے تو کیا رسول پاکؐ کی معجزانہ زندگی اور آپؐ کے معجزانہ کارنامے ہمیں یہ یقین نہیں دلاتے کہ یہ بھی خدا ہی کی رہنمائی کا نتیجہ ہیں۔(۲۴) مفتی محمد شفیعؒ عثمانیؒ لکھتے ہیں:

”وحی کی بہت سی اقسام احادیث بخاری سے ثابت ہیں۔ ان میں ایک قسم وہ ہے جس کے معنی اور الفاظ سب حق تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں، جس کا نام قرآن

ہے۔ دوسری وہ کہ صرف معنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں، آں حضرتؐ اس معنی کو اپنے الفاظ میں ادا فرماتے ہیں، اس کا نام حدیث وسنت ہے۔ پھر حدیث میں جو مضمون حق تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے کبھی وہ کسی معاملہ کا صاف اور واضح فیصلہ اور حکم ہوتا ہے، کبھی کوئی قاعدہ کلیہ بتلایا جاتا ہے جس سے احکام رسولؐ اپنے اجتہاد سے نکالتے اور بیان کرتے ہیں۔ اس اجتہاد میں اس کا امکان رہتا ہے کہ کوئی غلطی ہو جائے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام کی یہ خصوصیت ہے کہ جو احکام وہ اپنے اجتہاد سے بیان فرماتے ہیں ان میں اگر کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہ ذریعہ وحی اس کی اصلاح کر دی جاتی ہے اور وہ اپنے اجتہاد پر قائم نہیں رہتے۔''(۲۵)

حدیث قدسی

حدیث قدسی بھی وحی غیر متلو میں داخل ہے۔ یہ احادیث کی ایسی قسم ہے جس میں معنی اللہ تعالیٰ کے اور الفاظ محمدؐ کے ہوتے ہیں۔ البتہ یہ قرآن سے مختلف ہے۔ اسے احادیث طیبہ اور احادیث ربانیہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ زیادہ تر اخبار احاد پر مبنی ہے اور یہ ظنی الثبوت ہے۔ حدیث قدسی کے متعلق یہ ضروری نہیں کہ جبرئیل امین کے ذریعے سے پہنچے، الہام بھی کیا جاتا تھا اور خواب کی حالت میں بھی آتی تھی۔ ڈاکٹر صبحی صالح لکھتے ہیں: علماء اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ احادیث قدسیہ کا معنی ومفہوم من جانب اللہ ہوتا ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک احادیث قدسیہ منزل من اللہ ہوتی ہیں۔(۲۶)

احادیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت، اس کی رحمت و وسعت اور اس کے جود و کرم کا ذکر ہوتا ہے۔ دیگر احادیث کی طرح احادیث قدسیہ پر بھی نقد وجرح کی جاسکتی ہے۔ کیوں کہ یہ باعتبار طرق اور راوی کے صحیح، حسن، اور ضعیف بھی ہوسکتی ہے۔ احادیث قدسیہ اپنے الفاظ کے اعتبار سے معجزہ نہیں ہے۔ ان کی تلاوت کو عبادت کا درجہ حاصل نہیں۔ ان کو قرآن کریم کے نام سے یاد نہیں کیا جاتا۔ احادیث قدسیہ میں وحی کے خاص طریقوں کی پابندی نہیں کی گئی ہے۔ جو شخص احادیث کے الفاظ ومعنی سے بخوبی آگاہ ہو، اس کے لیے ان کی روایت بالمعنی درست

نزول وحی کے طریقے

کتب احادیث میں رویائے صادقہ کو نبوت کا چھیالیسواں جز قرار دیا گیا ہے۔(۲۸) اس سے بعض علماء نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ نبیؐ پر وحی چھیالیس طریقوں سے کی جاتی تھی۔(۲۹) لیکن اس کی تفصیل نہیں ملتی۔ البتہ جو مشہور طریقے ہیں ان کی تعداد آٹھ ہے۔(۳۰) وہ یہ ہیں:

۱۔ رویائے صادقہ: یعنی سچا خواب۔ اس سے نبیؐ پر وحی کی ابتدا ہوئی۔ آپؐ جو کچھ رات کو خواب میں دیکھتے بعینہ وہی واقعہ رونما ہو جاتا۔ اس کی تائید حضرت عائشہؓ کی حدیث سے ہوتی ہے۔(۳۱)

۲۔ نَفَثَ فِی الرُّوع یا القاء فی القلب: دل میں پھونکنا یا کوئی بات دل میں ڈالنا۔ فرشتہ آپؐ کو دکھائی دیے بغیر وحی کے الفاظ آپ کے قلب میں ڈال دیتا تھا۔ اس کی تائید حضورؐ کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آپؐ نے رزق کی تکمیل کے بعد ہی انسان کے مرنے کا ذکر کیا ہے۔(۳۲)

۳۔ تمثّل مَلَک: فرشتہ کسی انسان کی شکل میں آپؐ کو مخاطب کرتا اور جو کچھ وہ کہتا آپؐ کو یاد ہو جاتا۔ اس صورت میں کبھی کبھی صحابہ بھی فرشتے کو دیکھتے تھے۔ بسا اوقات فرشتہ صحابی رسولؐ حضرت دحیہ کلبیؓ کی شکل میں آتا تھا۔(۳۳) اس طریقے سے وحی کیے جانے کی مثال حدیث 'احسان' ہے۔(۳۴)

۴۔ صَلْصَلَةِ الجَرَس: گھنٹی کی آواز کا سنائی دینا۔ اس کی کیفیت یہ ہوتی کہ جب آپ پر وحی آنے والی ہوتی تو پہلے سے آپ کو مخصوص آواز سنائی دینے لگتی۔ جیسے ہی یہ آواز آپ کے کانوں میں پہنچتی، آپ پوری طرح بارِ وحی کو برداشت کرنے کے لیے تیار اور چاق و چوبند ہو جاتے۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے، جس میں آپ نے فرمایا: اَحْیَانًا یَاتِیْنِی مِثْلَ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ۔(۳۵) "کبھی کبھی وحی میرے پاس گھنٹی کی آواز کی طرح آتی ہے۔" یہ کیفیت آپ پر بہت سخت ہوتی تھی۔

۵۔ فرشتہ کا اپنی اصل شکل میں آنا: جسے آپؐ دیکھتے اور براہ راست اس سے وحی الٰہی اخذ کرتے تھے۔ بیشتر علماء کا خیال ہے کہ جبرئیلؑ کو ان کی اصل شکل میں دیکھنے کا واقعہ

حضورؐ کے ساتھ دو مرتبہ پیش آیا۔ ایک مرتبہ معراج میں 'سدرۃ المنتہیٰ' کے پاس اور ایک دفعہ کسی دوسرے مقام پر۔ غالباً مقام 'اجیاذ' میں۔ (۳۶)

۶۔ وحی بلاواسطہ: یعنی بغیر کسی واسطے کے براہ راست اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی کی، جیسا کہ شب معراج میں نماز پنج گانہ فرض کیے جانے کا واقعہ رونما ہوا۔

۷۔ کلام بلاواسطہ: کسی واسطہ کے بغیر پس پردہ اللہ تعالیٰ کا کلام کرنا۔ وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا۔ معراج کے موقعے پر اس طرح اللہ نے آپ سے گفتگو فرمائی۔

۸۔ اللہ تعالیٰ کا روبرو بغیر حجاب کے گفتگو کرنا۔ امام ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ وحی کے اس طریقے کو علماء کی ایک بڑی جماعت نے تسلیم نہیں کیا ہے۔ (۳۷)

قرآن لفظاً اور معناً وحی الٰہی ہے

جس طرح قرآن کے مضامین منجانب اللہ ہیں، اسی طرح اس کے الفاظ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہیں۔ قرآن کریم کی متعدد آیتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ قرآن لفظاً اور معناً وحی الٰہی ہے اور اس کا نزول عربی زبان میں ہوا ہے۔ چند آیتیں ملاحظہ فرمائیں:

إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ قُرْءَٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ (یوسف:۲)

''ہم نے اسے نازل کیا ہے قرآن بنا کر عربی زبان میں تاکہ تم (اہل عرب) اس کو اچھی طرح سمجھ سکو۔''

ایک دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے:

وَكَذَٰلِكَ أَنزَلْنَٰهُ قُرْءَانًا عَرَبِيًّا وَصَرَّفْنَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ (طٰہٰ:۱۱۳)

''اور اے نبیؐ، اسی طرح ہم نے اسے قرآن عربی بنا کر نازل کیا ہے اور اس میں طرح طرح سے تنبیہات کی ہیں، شاید یہ لوگ کج روی سے بچیں۔''

ایک جگہ قرآن کو ایک مسلم حقیقت کے طور پر متعارف کرایا گیا ہے:

قُرْءَانًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝ (الزمر:۲۸)

''ایسا قرآن جو عربی زبان میں ہے، جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں ہے۔''

ایک آیت کے اندر قرآن کو حکماً وحی الٰہی کہا گیا ہے اور اس کا نزول عربی زبان میں بتایا گیا ہے:

وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ (الرعد:۳۷)

''اسی ہدایت کے ساتھ ہم نے یہ فرمان عربی تم پر نازل کیا ہے۔''

ان آیتوں سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن لفظ، معنی، مطلب کے اعتبار سے وحی الٰہی ہے۔ محض معنی و مطالب کے القا اور ایحا کے کوئی معنی نہیں ہوتے۔ ظاہر ہے کہ جس طرح معنی کا زبان سے اظہار بغیر لفظ کے نہیں ہوسکتا، اسی طرح معنی کا دل میں تعین بھی الفاظ کے بغیر ناممکن ہے۔ ذیل کی آیت سے اس نکتہ کی وضاحت ہوتی ہے:

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ (آل عمران:۱۶۴)

''جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے، ان کی زندگیوں کو سنوارتا اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے۔''

آپؐ کے ذمے دو فرائض تھے۔ ایک آیت اللہ کی تلاوت۔ دوسرے اس کی تعلیم۔ تلاوت الفاظ کی ہوتی ہے نہ کہ معنی کی۔ پہلے کا تعلق الفاظ قرآن سے ہے اور دوسرے کا معنی سے۔ قرآن کریم کے الفاظ اور معنی دونوں بہ اتفاق بذریعہ وحی نازل ہوئے ہیں۔ (۳۸) امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا کہ قرآن حرف وصوت دونوں کا نام ہے، جسے نمازوں میں پڑھا جاتا ہے اور جس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ یہ جبرئیل امین کے ذریعے آپؐ پر وحی کیا گیا ہے۔ جبرئیل امین نے اسے خدائے تعالیٰ سے اخذ کیا، ان سے محمدؐ نے اور مسلمانوں نے نبی اکرمؐ سے سنا۔ یہی سلف وخلف کا مذہب ہے۔ کتاب وسنت اور اجماع میں اس کے بہ کثرت دلائل موجود ہیں۔ (۳۹) بعض علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ صرف مضامین اللہ کی طرف سے ہیں۔ الفاظ حضرت جبرئیلؑ کے یا حضورؐ کے ہیں۔ (۴۰) یہ درست نہیں ہے۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ شروع شروع میں جب قرآن کی کوئی آیت نازل ہوتی تو حضورؐ کوشش کرتے کہ بہ عجلت تمام اسے دہرالیں تاکہ وہ پوری طرح محفوظ ہوجائے۔ یا پھر جس آیت یا لفظ کا مطلب سمجھنے میں دقت ہوتی تو درمیان میں رک کر اس کو سمجھنے کی کوشش کرتے۔ ایسا کرنے پر اللہ نے آپؐ کو منع کیا اور یقین دلایا:

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ
قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾
(القیامہ:۱۶-۱۹)

"اے نبیؐ، اس وحی کو جلدی جلدی یاد کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دو، اس کو یاد کرا دینا اور پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے۔ لہٰذا جب ہم اسے پڑھ رہے ہوں، اس وقت تم اس کی قرأت کو غور سے سنتے رہو، پھر اس کا مطلب سمجھا دینا بھی ہمارے ذمہ ہے۔"

ایک اور موقع پر فرمایا گیا ہے:

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ
يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾ (طٰہٰ:۱۱۴)

"پس بالا و برتر ہے اللہ، بادشاہ حقیقی اور دیکھو (اے نبیؐ) قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کیا کرو جب تک کہ تمہاری طرف اس کی وحی تکمیل کو نہ پہنچ جائے اور دعا کرو کہ اے میرے پروردگار مجھے مزید علم عطا فرما۔"

اسی طرح سورۂ اعلیٰ میں بھی آپ کو یقین دلایا کہ نہ صرف ہم آپ کو پڑھوا دیں گے بلکہ اپنی حکمت سے ایسا بھی کریں گے کہ آپ اسے ہرگز نہ بھولیں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز خواب کی حالت میں کیوں ہوا؟

مستند روایتوں سے پتا چلتا ہے کہ نبیؐ پر وحی کا آغاز رویائے صادقہ یعنی سچے خواب سے ہوا۔ جو کچھ آپ رات کو خواب میں دیکھتے حدیث عائشہؓ کے مطابق صبح کی روشنی کی طرح ظاہر ہو جاتا۔(۴۱)

رویائے صالحہ کو صبح کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ ہنوز آفتاب نبوت نے طلوع نہ کیا تھا، جس طرح صبح کے ساتھ صبح صادق کی روشنی طلوع آفتاب کا دیباچہ ہے، اسی طرح رویائے صالحہ نبوت و رسالت کے طلوع کا دیباچہ تھا۔(۴۲)

جو کام آپؐ کے سپرد کیا جانے والا تھا وہ کوئی ایسا نہ تھا کہ اچانک اس بارگراں کو برداشت کر لیا جائے۔ ضروری تھا کہ کسی نہ کسی صورت میں اس کے لیے آپ کو آمادہ کیا جائے اور

اس کا مشاہدہ کرایا جائے۔ چنانچہ خواب یعنی رویائے صادقہ کے ذریعہ اس بارگراں کو اٹھانے کے لیے آپ کو آمادہ کیا گیا۔ جب آپ اس سے پوری طرح آشنا ہو گئے تو پھر حالت بیداری میں آپ پر وحی (بہ شکل قرآن) کی گئی اور آپ کو نبوت کے منصب اعظم پر نہ صرف فائز کیا گیا، بلکہ کار نبوت کو بھی آپ کے سامنے واضح اور آشکارا کیا گیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں کہ آں حضرتؐ پر عالم بیداری میں جو بہ صورت قرآن نازل ہونے والا تھا اور جس چیز کو جبرئیل امین لانے والے تھے، رویائے صادقہ کی وحی اس کے لیے تمہید کی حیثیت رکھتی تھی، تا کہ آپ خود کو خوارق عادت وحی کے شدائد کے تحمل کا عادی بنا سکیں۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ با قاعدہ وحی کا آغاز ہوا تو ابتدا میں آنحضرتؐ جسمانی اور ذہنی طور پر اس سے بہت متاثر ہوئے۔ (۴۳)

نزولِ وحی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت

نزول وحی کی جو حکمت اوپر بیان ہوئی ہے اس کو سمجھنے کے لیے اس کیفیت کو بھی ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے، جو نزول کے وقت آپؐ پر طاری ہوا کرتی تھی۔ قرآن کریم میں ایک جگہ ارشاد ہوا ہے:

إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ۝ (المزمل:۵)

"ہم تم پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں۔"

ایک دوسری آیت میں قرآن کی عظمت وثقالت کو اس طرح آشکارا کیا گیا ہے:

لَوْ أَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ (الحشر:۲۱)

"اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتار دیا ہوتا تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دبا جا رہا ہے اور پھٹا جا رہا ہے۔"

قرآن کی عظمت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جبرئیلؑ جو کچھ اللہ سے اخذ کرتے اسے لے کر تنہا ہی محمدؐ کے پاس نہیں آ جاتے، بلکہ سخت حفاظتی دستوں کی نگرانی میں آتے تھے، تا کہ شیطان اس میں کسی بھی طرح خلل اندازی نہ کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًاۙ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَ اَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَ اَحْصٰى كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا (الجن:۲۷-۲۸)

"سوائے اس رسول کے جسے اس نے (غیب کا علم دینے کے لیے) پسند کر لیا ہو، تو اس کے آگے پیچھے وہ محافظ لگا دیتا ہے، تا کہ وہ جان لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیے۔"

قرآن کریم میں حضرت جبرئیلؑ کی ایک اہم صفت زبردست قوت والے کے طور پر بیان کی گئی ہے:۔ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى (النجم:۵) گویا کہ وہ اتنی قوت وطاقت کے مالک ہیں کہ کوئی چیز ان کے کام اور فرائض میں خلل اندازی نہیں کر سکتی، باوجود اس کے تقدس قرآن کا لحاظ کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت جبرئیلؑ کو سخت حفاظتی دستوں کی نگرانی میں وحی قرآنی لے کر نبیؐ کے پاس بھیجتا ہے، تا کہ لوگوں کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ آ سکے کہ کسی بھی طرح اس میں باطل کی آمیزش کی گئی ہے۔

قرآن کی شکل میں آپ پر جو وحی کی جانے والی تھی وہ کوئی معمولی چیز نہ تھی، بلکہ بڑی اہمیت کی حامل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب پہلی بار جبرئیل امین وحی لے کر آئے تو آپ پر اس کا غیر معمولی اثر ہوا۔ بہت گھبرائے اور ہانپتے کانپتے حضرت خدیجہؓ کے پاس پہنچے، اور اپنی کیفیت بیان کی۔ انہوں نے آپ کو تسلی دی اور آپ کے اوصاف حمیدہ کے پیش نظر کہا کہ اللہ آپ کو ضائع نہیں کرے گا۔ تب جا کر آپ کو اطمینان ہوا۔ (۴۴) یہ تردد، یہ ہیبت، یہ اضطراب جلال الٰہی کا تاثر (اور نبوت کے بار گراں کی عظمت کا تخیل) تھا، آپ نے کیا دیکھا؟ ناموس اعظم نے کیا کہا؟ کیا کیا مشاہدات ہوئے یہ وہ نازک باتیں ہیں جو الفاظ کا تحمل نہیں کر سکتیں۔ (۴۵) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

"نزول وحی کی کیفیت کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لیے پہلے یہ بات ذہن نشیں رہنی چاہیے کہ نبیؐ کو اچانک اس صورت حال سے سابقہ پیش آیا تھا۔ آپ کو اس سے پہلے کبھی یہ گمان بھی نہ گزرا تھا کہ آپؐ نبی بنائے جانے والے ہیں۔ نہ اس کی کوئی خواہش آپ کے دل کے کسی گوشے میں موجود تھی۔ نہ اس کے لیے آپ پہلے سے کوئی تیاری

کررہے تھے اور نہ اس کے متوقع تھے کہ ایک فرشتہ اوپر سے پیغام لے کر آئے گا۔
آپ خلوت میں بیٹھ بیٹھ کر مراقبہ اور عبادت ضرور فرماتے تھے، لیکن نبی بنائے جانے کا کوئی تصور آپ کے حاشیہ خیال میں بھی نہ تھا۔ اس حالت میں یکا یک غار حرا کی اس تنہائی میں فرشتہ آیا تو آپ کے اوپر فطرتاً اس پہلے عظیم اور غیر معمولی تجربے سے وہی گھبراہٹ طاری ہوئی جو لامحالہ ایک بشر پر طاری ہونی ہی چاہیے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ کیسا ہی عظیم الشان بشر ہو۔ یہ گھبراہٹ بسیط نہیں بلکہ مرکب نوعیت کی تھی۔ طرح طرح کے سوالات حضورؐ کے ذہن میں پیدا ہو رہے تھے، جنھوں نے طبع مبارک کو سخت خلجان میں مبتلا کر دیا تھا۔ کیا واقعی میں نبی ہی بنایا گیا ہوں؟ کیا مجھے سخت آزمائش میں تو نہیں ڈال دیا گیا ہے؟ یہ بار عظیم آخر میں کیسے اٹھاؤں گا؟ لوگوں سے کیسے کہوں گا کہ میں تمہاری طرف نبی مقرر ہوا ہوں؟ لوگ میری بات کیسے مان لیں گے؟ آج تک جس معاشرے میں عزت کے ساتھ رہا ہوں اب لوگ میرا مذاق اڑائیں گے اور مجھے دیوانہ کہیں گے۔ اس جاہلیت کے ماحول سے آخر میں کیسے لڑسکوں گا؟ غرض اس طرح کے نہ معلوم کتنے سوالات ہوں گے جو آپ کو پریشان کر رہے ہوں گے۔ اسی وجہ سے جب آپ گھر پہنچے تو کانپ رہے تھے۔ جاتے ہی فرمایا مجھے اڑھا دو، مجھے اڑھا دو۔" (۴۶)

چوں کہ مہتم بالشان اور بابرکت کلام کا نزول حضورؐ پر ہمیشہ ہوتا رہا، اس لیے آپ پر اس کلام ثقیل کا اثر نمایاں رہتا۔ جب آپؐ سے صحابہ کرام نے نزول وحی کی کیفیت کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: 'صلصلة الجرس' والی کیفیت میرے لیے زیادہ سخت ہوتی ہے۔ (۴۷) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو سخت جاڑوں کے دنوں میں بھی آپ کی پیشانی مبارک پسینہ سے شرابور ہو جاتی تھی۔ (۴۸) حضرت عُبادہ بن صامتؓ روایت کرتے ہیں کہ نبیؐ پر جب وحی نازل ہوتی تو آپ مضطرب ہو جاتے اور چہرہ مبارک کا رنگ بدل جاتا، آپ اس وقت اپنا سر نیچا کر لیتے اور صحابہ کرامؓ آپ کے پاس ہوتے تو وہ بھی اپنا سر جھکا لیتے۔ وحی کی تکمیل کے بعد آپؐ اپنا سر اٹھاتے۔ (۴۹) ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت زیدؓ آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اس طرح کہ آپ کی ران ان کی ران پر تھی۔ اسی دوران وحی آ گئی۔ حضرت زیدؓ کا بیان ہے کہ وحی کا اتنا بوجھ محسوس ہوا کہ معلوم ہوتا تھا کہ میری ران پارہ پارہ ہو جائے گی۔ (۵۰) اسی شدت کا حال صفوان بن یعلیٰؓ نے بھی بیان کیا ہے جو انھیں سفر حج کے

دوران دیکھنے کو ملا۔(۵۱) ایک اور حدیث میں ہے کہ جس اونٹنی پر آپ سوار ہوتے اور اس دوران وحی آجاتی تو وہ وحی کے بوجھ سے دبی جاتی یہاں تک کہ وہ اپنا سینہ زمین پر ٹیک دیتی۔(۵۲) اس طرح کی شدت سے اگر کسی کو اچانک واسطہ پڑ جائے تو اضطراب میں پڑ جانا کوئی بعید نہیں۔ اس لیے آپ کو پہلے پہل خواب دکھائے گئے تاکہ آپ اس بوجھ کو اٹھانے کے لیے آمادہ ہو جائیں۔ بے چینی و بے قراری تو آپ کی بہ تدریج زائل ہو گئی تاہم نزول وحی کی کیفیت بہ دستور باقی رہی۔(۵۳)

ایک نامانوس شکل سے گھبرانا اور کلام عظیم کو اخذ کرنے کے بعد نبی کی کیفیات میں تغیر ہونا، کوئی نئی بات نہیں ہے۔ یہ نہ صرف محمدؐ کے ساتھ خاص ہے، بلکہ انبیاء سابقین کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ان کے ساتھ بھی ایسی صورت پیش آئی تھی۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے عصا کا معجزہ عطا کیا تو حکم دیا:

وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰٓي اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۣ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ۝ (القصص:۳۱)

”اور (حکم دیا گیا) پھینک دے اپنی لاٹھی۔ جوں ہی موسیٰ نے دیکھا کہ وہ لاٹھی سانپ کی طرح بل کھا رہی ہے تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگا اور اس نے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ (ارشاد ہوا) موسیٰ پلٹ اور خوف نہ کر، تو بالکل محفوظ ہے۔“

موسیٰ علیہ السلام کا ڈرنا اور بھاگنا طبیعت بشریہ کا تقاضا تھا۔ ان کی اس کیفیت سے ان کی نبوت کا ابطال نہیں ہوتا تو محمدؐ کی نبوت کا انکار کیوں کر کیا جا سکتا ہے۔ بشریت پر دفعتاً ملکیت کے غلبہ سے آپ کا مرعوب اور خوف زدہ ہونا کوئی مستبعد نہیں۔(۵۴)

جس ذات گرامی سے اللہ کا رسول مخاطب ہے وہ کوئی معمولی ہستی نہیں، وہ تو تمام چیزوں سے اعلیٰ وارفع ہے۔ اس کے کلام میں بھی رفعت وبلندی کا ہونا یقینی ہے، جو انسانی کلام سے بالکل الگ تھلگ اور بے مثل ہے۔ اس طرح کی آواز کو سن کر حضورؐ پر گھبراہٹ کے طاری ہونے سے ان کی نبوت کی تکذیب نہیں کی جا سکتی۔ چنانچہ جن لوگوں نے اس گھبراہٹ پر دریدہ

دہی کی ہے اس کے جواب میں ایک غیر جانب رومانوی سیرت نگار کونسٹنٹن ویرژل جورجیو نے لکھا ہے:

"خدا کا کلام یعنی ایسی ہستی کا کلام سننا انسان کی تاب تواں سے باہر ہے، جو مکان کا پابند ہے نہ زمان کا، جس کا آغاز ہے نہ انجام اور جو قوت جاذبہ (کشش زمین) کا نہ صرف یہ کہ تابع نہیں بلکہ اس کو وجود میں لانے والا بھی وہ خود ہے۔ جب ہم زلزلے کی گڑگڑاہٹ یا آسمانی بجلی گرنے کی تیز آواز سنتے ہیں تو ہم پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ حالاں کہ یہ ہمارے اپنے ماحول کی آوازیں ہوتی ہیں اور حتیٰ کہ ہم ان کے علمی قوانین سے بھی واقفیت رکھتے ہیں کہ کس بنا پر بجلی کڑکتی ہے یا زمین ہلتی ہے یا آسمان سے بجلی گرتی ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں ہمیں حیرت نہیں ہونی چاہیے کہ جبرئیل کی آواز سننے کے بعد محمدؐ پر لرزہ طاری ہو گیا ہو اور ان کے چلے جانے کے بعد محمدؐ پر بے پناہ تھکن نے غلبہ پالیا ہو۔" (۵۵)

کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت کے بارے میں شک تھا؟

پہلی وحی اخذ کرنے کے بعد ایک عرصے تک وحی کی آمد کا سلسلہ موقوف رہا۔ ان دنوں آپؐ پریشان رہتے کہ جبرئیل امین اور ان سے قبل رویائے صادقہ کے ذریعہ نبی منتخب کیے جانے کا جو یقینی اور غیبی اشارہ ملا تھا وہ کیوں رک گیا۔ اس توقف کی آپؐ اپنے ذہن میں مختلف توجیہیں کرتے اور اپنے بے چین دل کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے۔ اسی حقیقت کی تلاش میں پہاڑوں کا چکر لگاتے، جہاں سے نزول وحی کا آغاز ہوا تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

"وحی بند ہو گئی، جس سے رسول اللہؐ اس قدر غمگین ہوئے کہ کئی بار بلند و بالا پہاڑ کی چوٹیوں پر تشریف لے گئے کہ وہاں سے لڑھک جائیں۔ لیکن جب کسی پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے کہ اپنے آپ کو لڑھکالیں تو حضرت جبرئیلؑ نمودار ہوتے اور فرماتے: اے محمدؐ آپ اللہ کے رسول برحق ہیں اور اس کی وجہ سے آپ کا اضطراب تھم جاتا، نفس کو قرار آجاتا اور آپ واپس آجاتے۔ پھر جب آپ پر وحی کی بندش طول پکڑ جاتی تو آپ پھر اسی جیسے کام کے لیے نکلتے لیکن جب پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے تو حضرت جبرئیل نمودار ہو کر پھر وہی بات دہراتے۔" (۵۶)

اس حزن و اضطراب کی بھی معاندین اسلام نے غلط تعبیر کی ہے اور یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ نعوذ باللہ نبیؐ کو اپنی نبوت کے بارے میں شک تھا۔ اس لیے وہ پہاڑوں کا چکر لگاتے اور وہاں سے خود کو ہلاک کر لینا چاہتے تھے۔ حالاں کہ یہ حزن اور بے چینی شک کی بنا پر نہیں اعزاز خداوندی کے رک جانے کی وجہ سے تھی۔ کیوں کہ محبوب ترین چیز ایک مرتبہ حاصل ہونے اور لذت کے چکھ لینے کے بعد دفعتاً بند ہو جائے تو غمگینی ہوتی ہی ہے۔ غلبہ حال کی بنا پر آپ کا یہ ارادہ ہوتا تھا اور یہ اشتیاق و غلبہ حال خود دلیل ہے تیقن کی۔ باقی رہا شرعی مسئلہ کہ خودکشی حرام ہے۔ اولاً تو اس وقت احکام شرعیہ نازل نہیں ہوئے تھے۔ ثانیاً یہ کہ وہ محض 'ہم' (ارادہ) تھا۔ 'ہم' تو حرام و کبیرہ نہیں ہے، نہ عصمت کے خلاف ہے۔ جہاں تک جبرئیلؑ کے فرمانے کی بات ہے، سو وہ تردد زائل کرنے کے لیے نہیں بلکہ جبرئیل کے کلام کا مطلب یہ تھا کہ آپ غمگین نہ ہوں، کیوں کہ یہ بند ہو جانا عارضی ہے اور کسی حکمت کی بنا پر کچھ وقت کے لیے یہ سلسلہ بند کر دیا گیا ہے، عنقریب پھر آپ پر وحی آنے والی ہے۔ کیوں کہ آپ تو واقعی اللہ کے رسول ہیں اور رسالت کی تکمیل ہو کر رہے گی۔ اس بات سے غلبہ حال جاتا رہتا اور حزن میں تخفیف ہو جاتی۔ (۵۷)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ جب کسی شخص کو اپنی نبوت کے لیے چن لیتا ہے تو اس کے دل کو شکوک و شبہات اور وساوس سے پاک کر کے یقین و اذعان سے بھر دیتا ہے۔ اس میں اس کی آنکھیں جو کچھ دیکھتی ہیں اور اس کے کان جو کچھ سنتے ہیں اس کی صحت کے متعلق کوئی ادنیٰ سا تردد بھی اس کے ذہن میں پیدا نہیں ہوتا۔ وہ پورے شرح صدر کے ساتھ ہر اس حقیقت کو قبول کر لیتا ہے جو اس کے رب کی طرف سے اس پر منکشف کی جاتی ہے۔ خواہ وہ کسی مشاہدہ کی شکل میں ہو جو اسے آنکھوں سے دکھایا جائے، یا الہامی علم کی شکل میں ہو جو اس کے دل میں ڈالا جائے، یا پیغام وحی کی شکل میں ہو جو اس کو لفظ بہ لفظ سنایا جائے۔ ان تمام صورتوں میں پیغمبر کو اس امر کا پورا شعور ہوتا ہے کہ وہ ہر قسم کی شیطانی مداخلت سے قطعی محفوظ و مامون ہے اور جو کچھ بھی اس تک کسی شکل میں پہنچ رہا ہے وہ ٹھیک اس کے رب کی طرف سے ہے۔ تمام خداداد احساسات کی طرح پیغمبر کا یہ شعور و احساس بھی ایک ایسی قیمتی چیز ہے جس میں غلط فہمی کا کوئی امکان نہیں۔

جس طرح مچھلی کو اپنے تیراک ہونے کا، پرندے کو اپنے پرندہ ہونے کا اور انسان کو اپنے انسان ہونے کا احساس بالکل خداداد ہوتا ہے اور اس میں غلط فہمی کا کوئی شائبہ نہیں ہو سکتا، اسی طرح پیغمبر کو اپنے پیغمبر ہونے کا احساس بھی خداداد ہوتا ہے۔ اس کے دل میں کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی یہ وسوسہ نہیں آتا کہ شاید اسے پیغمبر ہونے کی غلط فہمی لاحق ہو گئی ہے۔" (۵۸)

اس حزن واضطراب کے سلسلے میں عیسائی مذہب کے مشہور عالم سینٹ تریز (Saint Treess) نے جس حقیقت کو واشگاف کیا ہے وہ بڑی ہی دل چسپ ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"جب خدا کی آواز آدمی کے کانوں تک پہنچتی ہے تو اسے یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ یہ خدا ہی کی آواز ہے، کیوں کہ اس آواز کا لحن اور طرز بیان اس کی اصلیت میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہنے دیتا، تاہم جب ایک دن گزر جائے تو شک وتردد شروع ہو جاتا ہے اور مذکورہ آواز کو سننے والا اپنے آپ سے پوچھنے لگتا ہے کہ جو آواز اسے سنائی دی ہے آیا حقیقت میں وہ خدا کی آواز ہے یا اس کے اپنے تخیل کی ایجاد یا شیطان نے اس آواز کی نقل کی ہے۔ لہٰذا انسان یہ آرزو کرتا ہے کہ اے کاش ایک بار پھر اس آواز کو سنے تا کہ اس کا شبہ دور ہو جائے۔" (۵۹)

نبی کو اپنے عقیدہ وخیال میں دوسروں کی طرح شک وشبہ نہیں ہوتا، کیوں کہ ان کا رشتہ براہ راست خدا سے ہوتا ہے جو ان کی ہر وقت رہنمائی کرتا رہتا ہے۔ اس لیے ان کے اعتقاد پر حرف زنی کرنا گمراہی ہے۔ قاضی عیاضؒ لکھتے ہیں:

"خوب جان لو کہ جس چیز کا اللہ کی توحید اور معرفت، ایمان اور وحی سے تعلق ہے، وہ انبیاء کرام کو نہایت کامل اور واضح طریقے سے معلوم ہوتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو خدا کی ذات وصفات کا علم یقینی ہوتا ہے۔ معاذ اللہ وہ کسی چیز سے بے خبر نہیں ہوتے اور نہ ان کو اس بارے میں کوئی شک وتردد ہوتا ہے اور وہ اس چیز سے پاک ومنزہ ہوتے ہیں جو اس کی معرفت ویقین کے منافی ہو۔ اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ دلائل واضحہ اور براہین قاطعہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حضرات انبیاء کے عقائد میں کوئی غلطی نہیں ہوتی۔" (۶۰)

کیا اس کیفیت کا تعلق مرگی سے ہے؟

نزول وحی کے وقت آپ پر جو کیفیت طاری ہوتی تھی اس کا اندازہ اس وقت موجود لوگوں کو بھی ہوتا تھا۔ مگر جیسے ہی یہ سلسلہ منقطع ہوتا آپ اپنی اصل حالت پر لوٹ آتے۔ یہ بات کسی بھی طرح آپ پر صادق نہیں آتی کہ دوران وحی آپ پر مرگی کا دورہ پڑتا تھا یا کسی دوسرے عارضہ میں مبتلا ہو جاتے تھے، جیسا کہ مستشرقین باور کراتے ہیں۔ یہ معمولی تغیر جو واقع ہوتی تھی اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ آواز آپ کو متوجہ کرنے کے لیے آتی ہو اور اس وقت تک جاری رہتی ہو جب تک وحی مکمل نہ ہو جاتی ہو۔ جہاں تک جسمانی تغیرات کا تعلق ہے، یہ اس لیے واقع ہوتے کہ رسول اللہ کا رابطہ عالم ناسوت سے نکل کر عالم لاہوت میں فرشتہ کے ساتھ ہو جائے۔ آپ کو اس میں غیر معمولی مشقت پیش آتی تھی۔ اس کیفیت سے نکلنے کے بعد زندگی بخش معجز کلام آپ کی زبان مبارک سے ادا ہوتے اور آپ فوراً اس کی رہنمائی میں ساتھیوں کو نئی ہدایات دیتے اور پیش آمدہ مسائل کو حل فرماتے۔ وحی آپ کے لیے قوت اور تسکین کا باعث بنتی اور آپ کو اپنے کام کے لیے ولولہ تازہ مہیا کرتی تھی۔ وحی شدہ کلام آپ اپنے دوست و دشمن، حلیف و حریف سب کے گوش گزار کرنے پر مامور تھے۔ اس لیے آپ کو نئی وحی نازل ہونے کا ہمیشہ انتظار رہتا تھا۔(۶۱)

چھوٹی موٹی بیماری میں مبتلا شخص جب اپنی بیماری کی تکلیف اور شدت سے شفا پاتا ہے تو یہی چاہتا ہے کہ آئندہ اس تکلیف میں مبتلا نہ ہو۔ مرگی تو بہت سخت اور تکلیف دہ بیماری ہے۔ جب اس کا دورہ پڑتا ہے تو مرگی زدہ شخص کی جو حالت ہوتی ہے اس کا اندازہ وہی کر سکتا ہے، یا تھوڑا بہت اندازہ دیکھنے والے کو ہوتا ہے۔ اکڑنا، ہاتھ پاؤں بھینچنا، منہ سے جھاگ نکلنا اور چہرے کا پیلا پڑ جانا وغیرہ اس کا خاصہ ہے۔ اسے کہاں ہوش رہتا ہے کہ خارجی چیزوں کا ادراک کر سکے۔ اس مہلک بیماری میں مبتلا ہونے کی تمنا اور آرزو وہی شخص کر سکتا ہے جو اپنی زندگی سے مایوس ہو چکا ہو۔ نعوذ باللہ نبیؐ وحی کے نزول کے وقت کبھی اس طرح کی کیفیت سے دوچار نہ ہوئے۔ حیاۃ طیبہ کا شروع سے آخر تک مطالعہ کیجئے تو یہ بات واضح طور پر نظر آئے گی کہ آپؐ بہت تندرست و توانا اور صحت مند شخصیت کے مالک تھے، پوری زندگی کبھی ایسی کسی بیماری میں مبتلا نہ ہوئے جس سے آپ کے اہل خانہ اور اصحاب تجسس میں پڑ گئے ہوں، سوائے زندگی کے آخری

ایام کے۔ نبیؐ کے متعلق اس طرح کی باتوں کا انتساب مستشرقین کی علمی بددیانتی ہے۔ ایسے لوگوں کی اور خاص طور سے 'سر ولیم میور' (جس نے اپنی کتاب میں اس عارضہ کو بڑے زور و شور سے آپ سے منسوب کیا ہے) کی اس دروغ گوئی کا سر سید احمد خاں اور دوسرے علماء نے پردہ فاش کیا ہے۔(۶۲) 'اسپرنگر' نے اس فرضی عارضہ کا اصل تعلق حضورؐ کی ماں سے جوڑا اور کہا کہ زمانہ حمل میں وہ ایسے ویسے خواب دیکھا کرتی تھیں جو از قسم خرافات تھے، اس کا منفی اثر حضورؐ کے جسمانی قویٰ پر بھی پڑا۔(۶۳) حالاں کہ ان باتوں کی تردید خود مستشرقین نے بھی کی ہے۔ اپنی اسلام دشمنی میں شہرت رکھنے کے باوجود 'منٹگمری واٹ' لکھتا ہے:

> ''نزول وحی کے وقت کبھی کبھی کچھ جسمانی عوارض بھی پیش آتے تھے۔ آپ کو شدید درد کا احساس ہوتا، کانوں میں گھنٹی کی آواز سنائی دیتی، جب وحی کا نزول ہوتا تو پاس کھڑے ہوئے لوگ شدید سردی کے عالم میں بھی آپ کے چہرے پر پسینے کے موتی دیکھتے۔ اس قسم کی چیزوں سے مغربی نقادوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ آپ مرگی کے مریض تھے۔ لیکن اس خیال کی کوئی حقیقی بنیاد نہیں ہے۔ مرگی انسان کو ذہنی اور جسمانی طور پر کم زور کر دیتی ہے، لیکن محمدؐ میں اس قسم کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ اس کے برعکس آخر تک آپ کے تمام ذہنی اور جسمانی قویٰ واضح طور پر صحیح اور سلامت تھے۔'' (۶۴)

اس بیماری کا انتساب کرتے وقت کم از کم اس بات پر تو ضرور غور کرنا چاہیے کہ یہ کتنی وزن دار بات ہے۔ یہ بیماری کیا ہے، کیسے لوگوں کو یہ عارضہ ہوتا ہے اور اس کی نوعیت کیا ہوتی ہے؟ اس کو جاننے اور سمجھنے کے لیے ماہر ڈاکٹر اور طبی کتابوں کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔ 'چیمبرز انسائیکلوپیڈیا' میں اس بیماری کی صورت اور کیفیت مندرجہ ذیل بیان کی گئی ہے:

> ''صرع اس بیماری کو کہتے ہیں جس میں دفعتاً بے ہوشی طاری ہو اور اعصاب تنفس کے تشنج اور سانس لینے کے منفذ کے بند ہونے سے اعصاب اختیاری بے اختیار شدت سے بھڑکنے لگیں اور کبھی کبھی سانس بالکل بند ہو جائے۔ اس بیماری کا مریض اکثر پاگل ہو جاتا ہے اور بسا اوقات اس کا حافظہ جاتا رہتا ہے اور اس میں تیزی اور چستی نہیں رہتی اور ایسی مردہ دلی اس پر چھا جاتی ہے جو اس کو دنیا کے باقاعدہ کاروبار سے معذور کر دیتی ہے۔ بدہضمی بھی اکثر ہوتی ہے اور تمام قوائے جسمانی میں ضعف اور

ناطاقتی گھر کر جاتی ہے، جس کی وجہ سے مصروع کے چہرے سے دائمی نقاہت کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ یہ بات کچھ بعید نہیں ہے کہ اس کے ساتھ مصروع کے ذہن میں اپنے ضعف ونقاہت کا یقین بہ خوبی جم جاتا ہے اور مشقت طلب اشغال سے نفرت ہو جاتی ہے۔ بالخصوص ایسے اشغال سے جن میں اس پر عام اندازہ سے زیادہ نظریں پڑیں۔" (٦٥)

کیا نزول وحی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کا دخل تھا؟

وحی الٰہی کے نزول میں آپؐ کی خواہش اور مرضی کا ذرہ برابر بھی دخل نہیں تھا۔ مرضی مولیٰ تھی کہ جب چاہا اس کی لذت سے اپنے نبی کو آشنا کرا دیا اور انسانیت کے لیے کوئی نہ کوئی راہ سبیل نکال دی۔ 'فترہ وحی' خود اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ کی مرضی اور خواہش کے مطابق وحی کا نزول نہ ہوتا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو آپ کو اس قدر حزن وملال نہ ہوتا۔ معاندین اسلام کے اس اعتراض کی تردید خود باری تعالیٰ نے کر دی ہے۔ ارشاد فرمایا گیا:

وَ مَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٨٦﴾ (القصص:٨٦)

"تم اس بات کے ہرگز امیدوار نہ تھے کہ تم پر کتاب نازل کی جائے۔ یہ تو محض تمہارے رب کی مہربانی سے (تم پر نازل ہوتی ہے)۔ پس تم کافروں کے مددگار نہ ہو۔"

آپؐ بعض مواقع پر سنگین مسائل سے دوچار ہو جاتے۔ اس وقت فوری رہنمائی کی ضرورت درپیش ہوتی، مگر آپ کو سخت انتظار کرنا پڑتا تھا۔ ایسے وقت میں کفار و مشرکین کو مزید موقع مل جاتا کہ وہ آپ کا مذاق اڑائیں۔ اس وقت آپ کچھ نہ کر پاتے اور صبر وتحمل سے کام لیتے۔ ایک مرتبہ کفار نے آپ سے چند سوالات کیے، اگلے دن جواب دینے کا وعدہ کیا، یہ سوچ کر کہ اس دوران اللہ تعالیٰ کی رہنمائی حاصل ہو جائے گی۔ مگر آپ انشاء اللہ کہنا بھول گئے۔ کئی دنوں تک وحی نہیں آئی اور جب آئی تو اس تاکید کے ساتھ:

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿﴾ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۡ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ (الکہف:٢٣-٢٤)

"اور دیکھو کسی چیز کے بارے میں بھی یہ نہ کہا کرو کہ میں کل یہ کام کردوں گا۔ (تم کچھ نہیں کرسکتے) الا یہ کہ اللہ چاہے۔ اگر بھولے سے ایسی بات زبان سے نکل جائے تو فوراً اپنے رب کو یاد کرلو۔"

خود آپؐ کی گھریلو زندگی میں منافقین نے ایک طوفان برپا کردیا تھا اور ام المومنین حضرت عائشہؓ کی عصمت وعفت کو تار تار کرنے کی تمام سازشیں عنقریب کامیاب ہونے والی تھیں، اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہ گیا تھا کہ وحی کے ذریعہ ہی حق وناحق کا فیصلہ ہو۔ ایک ماہ کے بعد وحی آئی اور ان کو اس بہتان عظیم سے پاک وصاف بتایا گیا۔ (النور:۱۲) نکاح زینب بنت جحشؓ کے تعلق سے منافقین نے جن بیہودہ باتوں کو مشہور کرنے کی کوشش کی اس کا ازالہ بھی اللہ نے بڑی وضاحت سے وحی کے ذریعہ کیا ہے۔ (الاحزاب:۳۷)

یہ بات الگ ہے کہ بعض مواقع پر وحی نہیں آتی تھی، پھر بھی آپ شریعت کا موقف واضح کرتے۔ لیکن اپنے اس موقف کو قرآن سے بالکل الگ تھلگ رکھتے جب تک کہ اس کی تائید یا اشارہ کسی نہ کسی طرح آپ کو مل جاتا۔

انبیاء سابقین پر بھی وحی آتی تھی

حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے انسان بھی ہیں اور سب سے پہلے رسول بھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک مسلسل انبیاء ورسل آتے رہے۔ آخر میں حضرت محمدؐ کی بعثت ہوئی۔ کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں میں کتنے صاحب کتاب ہوئے اس کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے۔ بعض روایتوں سے تین سو پندرہ کا پتا چلتا ہے۔ (۶۶) لیکن قرآن مجید کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان سب پیغمبروں کو منجانب اللہ وحی کی گئی تھی اور ان سب کو ایک ہی دین سے نوازا گیا تھا۔ ارشاد باری ہے:

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَٱلنَّبِيِّـۧنَ مِنۢ بَعْدِهِۦ ۚ وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ وَإِسْمَـٰعِيلَ وَإِسْحَـٰقَ وَيَعْقُوبَ وَٱلْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَـٰرُونَ وَسُلَيْمَـٰنَ ۚ وَءَاتَيْنَا دَاوُۥدَ زَبُورًا ۝ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَـٰهُمْ عَلَيْكَ مِن قَبْلُ

وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا ﴿١٦٤﴾
رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ
بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٦٥﴾ (النساء:١٦٣-١٦٥)

"اے نبیؐ، ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوحؑ اور اس کے بعد کے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی۔ اور ہم نے ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ، اور اولاد یعقوبؑ، عیسیٰؑ، ایوبؑ، یونسؑ، ہارونؑ اور سلیمانؑ کی طرف وحی بھیجی۔ اور ہم نے داؤدؑ کو زبور دی۔ اور ہم نے ان رسولوں پر بھی وحی نازل کی جن کا ذکر ہم اس سے پہلے تم سے کر چکے ہیں اور ان رسولوں پر بھی جن کا ذکر تم سے نہیں کیا۔ ہم نے موسیٰؑ سے اس طرح گفتگو کی جس طرح گفتگو کی جاتی ہے۔ یہ سارے رسول خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے بھیجے گئے تھے، تاکہ ان کو مبعوث کر دینے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلہ میں کوئی حجت نہ رہے اور اللہ بہر حال غالب رہنے والا اور حکیم و دانا ہے۔"

ایک اور مقام پر اسی تعلق کو مزید وضاحت کے ساتھ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۚ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ
مَّنْ نَّشَآءُ ۗ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿٨٣﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَ
يَعْقُوبَ ۚ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ
وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسٰى وَهٰرُونَ ۚ وَكَذٰلِكَ
نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٤﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيسٰى وَاِلْيَاسَ ۚ كُلٌّ
مِّنَ الصّٰلِحِينَ ﴿٨٥﴾ وَاِسْمٰعِيلَ وَالْيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطًا ۚ وَكُلًّا
فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِينَ ﴿٨٦﴾ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَ
اجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٨٧﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ
يَهْدِي بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَلَوْ اَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا
كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٨٨﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِينَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَ

النُّبُوَّةَ ۚ فَإِنْ يَكْفُرْ بِهَا هٰؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿٨٩﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۗ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۗ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٠﴾

(الانعام:۸۳-۹۰)

''یہ تھی ہماری وہ حجت جو ہم نے ابراہیمؑ کو اس کی قوم کے مقابلہ میں عطا کی۔ ہم جسے چاہتے ہیں بلند مرتبے عطا کرتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ تمہارا رب نہایت دانا اور علیم ہے۔ اور ہم نے ابراہیمؑ کو اسحاقؑ اور یعقوبؑ جیسی اولاد دی اور ہر ایک کو راہ راست دکھائی (وہی راہ راست جو) اس سے پہلے نوحؑ کو دکھائی تھی اور اسی کی نسل سے ہم نے داؤدؑ، سلیمانؑ، ایوبؑ، یوسفؑ، موسیٰؑ اور ہارونؑ کو (ہدایت بخشی) اس طرح ہم نیکو کاروں کو ان کی نیکی کا بدلہ دیتے ہیں (اسی کی اولاد سے) ذکریاؑ، یحییٰؑ، عیسیٰؑ اور الیاسؑ کو (راہ یاب کیا) ہر ایک ان میں صالح تھا اور اسی کے خاندان سے) اسماعیلؑ، الیسعؑ اور یونسؑ اور لوطؑ کو (راستہ دکھایا) ان میں سے ہر ایک کو ہم نے تمام دنیا والوں پر فضیلت عطا کی۔ نیز ان کے آباء واجداد اور ان کی اولاد اور ان کے بھائی بندوں میں سے بہتوں کو ہم نے نوازا۔ انہیں اپنی خدمت کے لیے چن لیا اور سیدھے راستے کی طرف ان کی رہ نمائی کی۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے جس کے ساتھ وہ اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتا ہے، رہ نمائی کرتا ہے۔ لیکن اگر کہیں ان لوگوں نے شرک کیا ہوتا تو ان کا سب کیا کرایا غارت ہو جاتا۔ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت عطا کی تھی۔ اب اگر یہ لوگ اس کو ماننے سے انکار کرتے ہیں تو (پروا نہیں) ہم نے کچھ اور لوگوں کو یہ نعمت سونپ دی، جو اس سے منکر نہیں ہیں۔ اے نبیؐ، وہی لوگ اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ تھے۔ انہی کے راستے پر تم چلو اور کہہ دو کہ میں اس تبلیغ وہدایت کے کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ یہ تو ایک عام نصیحت ہے تمام دنیا والوں کے لیے۔''

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبیؐ سے قبل جتنے بھی پیغمبر آئے سب کو بشیر ونذیر بنا کر بھیجا گیا تھا۔ انہیں اس طرح بھی وحی کی جاتی جیسے کسی آدمی سے گفتگو کی جاتی ہے۔ اسی طرح کسی کو خواب دکھائے جاتے، کسی کو بیداری میں صرف آواز سنائی دیتی، کسی کو فرشتے سے روبرو گفتگو کرائی جاتی۔ اس طرح وہ مختلف طریقوں سے پیغام الٰہی کو سنتے اور اخذ کرتے۔ باوجود ان

جداگانہ کیفیات کے یہ امر مشترک ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا ایک غیر عام فہم تعلق عالم بالا سے ہوتا اور یہ تعلق وحی کہلاتا ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو بقول ڈاکٹر صبحی صالح:

> "محمدؐ کوئی نرالے رسول نہ تھے۔ اسی طرح آپ کی دعوت بھی باقی انبیاء سے کوئی الگ تھلگ چیز نہ تھی۔ کیوں کہ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر خدا کے چیدہ و برگزیدہ بندے لوگوں کو خدا کا پیغام سناتے چلے آئے تھے۔ ان کی اپنی خواہشات کو اس میں کوئی دخل نہ تھا۔ جو وحی ان پر نازل ہوئی اور اس کے ذریعے اللہ نے ان کو اپنی تائید وحمایت سے نوازا وہ آں حضورؐ پر نازل کردہ وحی سے کسی طرح بھی مختلف نہیں تھی۔ سب انبیاء پر نازل شدہ وحی ہر لحاظ سے بالکل ہم رنگ وہم آہنگ ہے۔ کیوں کہ وحی کا مصدر و مآخذ بھی ایک ہے اور اس کی غرض وغایت بھی متحد۔" (۶۷)

ایک ہی شئے کے بعض اجزا کے ابطال سے اس کے کل کا ابطال ضروری ہے۔ چوں کہ معاندین کو صرف محمدؐ سے نفرت وعداوت ہے اس لیے وہ سابقہ انبیاء پر حرف زنی کے مرتکب نہیں ہوتے، کیوں کہ ایسا کرنے میں خود ان کا مذہب مشکوک ہو کر رہ جائے گا، لیکن نبیؐ کی نبوت پر طعن وتشنیع سے زبان نہیں تھکتی۔ حالاں کہ یہ ایسی واضح حقیقت ہے کہ جس کے اندر بھی دیانت داری ہوگی اور اس کے پیش نظر علم کا حقیقی مقصد ومفہوم ہوگا وہ اس قسم کی خرافات سے ہمیشہ اپنے آپ کو دور رکھے گا۔ بعض مستشرقین نے بھی تسلیم کیا ہے کہ نبیؐ پر جو وحی کی گئی ہے وہ کوئی نئی چیز نہیں بلکہ وہ وہی ہے جو سابقہ انبیاء پر کی جاتی تھی۔ پروفیسر 'ادوار مونتیہ' لکھتے ہیں:

> "محمدؐ ٹھیک اسی طرح سچے نبی تھے جس طرح قدیم زمانہ میں انبیاء بنی اسرائیل سچے نبی تھے۔ انہی پیغمبروں کی طرح محمد بھی خواب دیکھتے تھے اور وحی الٰہی ان پر اترتی تھی۔ دینی عقیدہ اور وجود الوہیت کا زبردست خیال اپنے اسلاف پیغمبروں کی طرح ان پر بھی چھایا ہوا تھا اور انہی کی طرح محمد میں وہ نفسی الہام اور شخصیت میں وہ افزونی پیدا ہوتی تھی جن دونوں سے عقل انسانی میں تجلیات، وحی اور اسی قبیل کے روحی احوال کی گنجائش نکلتی ہے۔" (۶۸)

کیا قرآن کا تعلق خواب سے ہے؟

وحی کا آغاز خواب (رویائے صادقہ) سے ہوا۔ وحی کے مذکورہ معروف سات طریقوں

میں سب سے سخت اور پریشان کن ' صلصلة الجرس ' والی کیفیت تھی۔اس کے بعد دوسری مشکل کیفیت وہ ہوتی کہ جب جبرئیل امین اپنی اصل شکل میں آتے تھے۔(۶۹) حضورؐ پر پہلی وحی بہ شکل قرآن جو آئی وہ سورۂ علق کی ابتدائی چند آیات ہیں۔اس کے نزول کی کیفیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت حضورؐ کے پاس وحی لے کر فرشتہ اپنی اصلی یا تمثیلی شکل میں آیا۔اس وجہ سے آپ پر گھبراہٹ طاری ہوئی۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وحی کا آغاز رویائے صادقہ سے ہوا، قرآن کی شکل میں پہلی وحی آئی وہ فرشتہ مذکورہ شکل میں لے کر آیا،تو کیا قرآن کی بقیہ آیات یا سورہ میں سے کسی کے نزول کا تعلق خواب سے ہے کہ نہیں؟ جملہ تصریحات سے یہی پتا چلتا ہے کہ قرآن کا تعلق خواب سے نہیں ہے۔صحیح مسلم میں حضرت انسؓ کے حوالے سے ایک روایت نقل کی گئی ہے اس میں کہا گیا ہے کہ ایک سورہ حضورؐ پر نیند کی حالت میں نازل ہوئی:

"حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز نبیؐ مسجد میں ہمارے درمیان تھے،اچانک آپ پر ایک قسم کی نیند یا بے ہوشی کی کیفیت طاری ہوئی، پھر ہنستے ہوئے آپ نے سر مبارک اٹھایا،ہم نے پوچھا یا رسولؐ آپ کے ہنسنے کا سبب کیا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ مجھ پر اسی وقت ایک سورہ نازل ہوئی ہے، پھر آپ نے بسم اللہ کے ساتھ سورہ کوثر کی تلاوت فرمائی۔"(۷۰)

اس حدیث میں جس اونگھ کا ذکر ہوا ہے،اس سے مراد نیند نہیں ہے بلکہ وحی کی شدت اور کیفیت مراد ہے جو حضورؐ پر طاری ہوا کرتی تھی۔یہ کیفیت بھی اس لیے طاری ہوتی تھی تاکہ آپ دنیا سے غافل ہو جائیں،روحانیت آپ کی بشریت پر غالب آجائے۔جیسا کہ علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں:

"امام رافعیؒ نے اپنی 'امالی' میں تحریر کیا ہے کہ اس حدیث سے سمجھنے والوں نے یہ بات سمجھی ہے کہ سورہ کا نزول اسی غفلت کی حالت میں ہو گیا تھا اور اسی بنا پر انھوں نے کہا ہے کہ ایک قسم کی وحی رسول اللہؐ پر حالت خواب میں بھی آتی تھی۔کیوں کہ انبیاء کا خواب دیکھنا بھی وحی ہے اور گو یہ بات صحیح ہے۔مگر یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ تمام قرآن کا نزول حالت بیداری میں ہی ہوا ہے اور گویا اس وقت آنکھ جھپکنے میں رسول اللہؐ کے دل میں سورۃ الکوثر کا خیال آگیا،جس کا نزول حالت بیداری میں ہو گیا تھا یا

اس حالت میں کوثر آپ کے پیش نظر لایا گیا جس کا ذکر اس سورہ میں ہے اور آپ نے اسے صحابہ کو پڑھ کر سنایا اور اس کی تفسیر ان سے بیان کردی۔ بعض روایتوں میں یہ بات آتی ہے کہ آپ پر اس وقت غشی طاری ہوگئی تھی اور ممکن ہے کہ اس بات کو اس حالت پر محمول کیا جائے جو رسول پاکؐ پر وحی کے وقت طاری ہو جایا کرتی تھی، جس کو اصطلاح میں 'برحاء الوحی' کہا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ رافعی نے نہایت دل نشیں بات کہی ہے اور میں بھی اسی کی کرید کرنا چاہتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ رافعی کی پچھلی تاویل زیادہ صحیح اور حقیقت سے قریب تر ہے کیوں کہ رسول پاک کا یہ فرمانا کہ مجھ پر سورہ کا نزول اسی وقت ہوا ہے، اس بات کی تردید کرتا ہے کہ اس سورہ کا نزول اس سے پہلے ہوا۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اسی حالت میں اس کا نزول ہوا اور وہ جھپکی اور غفلت نیند کی نہ تھی بلکہ وہ ویسی ہی حالت میں تھی جو رسول پاکؐ پر وحی اترتے وقت طاری ہو جایا کرتی تھی۔"(۷۱)

☆☆☆

مآخذ ومراجع

(۱) شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ، مکتوبات امام ربانی، ج:۳، ص:۴۰

(۲) عبدالجبار اعظمیؒ، امداد الباری شرح صحیح البخاری، مکتبہ حرم، مراد آباد، ۱۴۰۴ھ، ج:۲، ص:۱۲۳

(۳) مفتی محمد شفیع عثمانی، معارف القرآن (مقدمہ) اشرفی بک ڈپو، دیوبند، ج:۱، ص:۲۲

(۴) محمد انور شاہ کشمیریؒ، فیض الباری علی صحیح البخاری، مطبع حجازی، قاہرہ، ۱۹۳۸ء، ج:، ص:۱۴

(۵) ایضاً

(۶) مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ لکھتے ہیں: ''وحی کی اصل حقیقت کیا ہے؟ اس کا صحیح علم تو بجز اللہ کے اور کسے ہوسکتا ہے۔ البتہ فلاسفہ نے اپنی بساط کے مطابق کچھ پتا چلانے کی فکر کی ہے۔ لیکن اس کا حاصل اس سے زیادہ نہیں ہے کہ وحی کے امکان وجواز میں جو بہ ظاہر عقلی استبعاد نظر آتا ہے اسے دور کریں اور یہ ثابت کردیں کہ علم واطلاع کے جس ذریعہ غیبی کو وحی کہتے ہیں اس کا تحقق انسان کے باطنی قویٰ اور ملکات کی دریافت وتحقیق کی روشنی میں ناممکن نہیں ہے۔ فلاسفہ یونان کے تتبع میں متکلمین اسلام نے بھی اس روش کو اختیار کیا ہے اور انہوں نے بھی فلسفہ کی تحقیق اور اس کی اصطلاحات کی روشنی میں وحی کی حقیقت کا کھوج لگانے کی سعی کی ہے تاکہ وہ ان اعتراضات و اشکالات کا جواب دے سکیں جو وحی ایسی مابعد الطبیعی چیزوں پر فلاسفہ کی طرف سے کیے جاتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان ائمہ اسلام کی نیت نہایت مبارک اور پاک تھی اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو اجر جزیل بھی عطا ہوگا، لیکن اس راہ سے اصلی حقیقت کا سراغ پانے میں کس حد تک کامیاب ہوسکے ہیں؟ اس کا جواب نہایت مشکل ہے۔'' (سعید احمد اکبر آبادی، وحی الٰہی، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۷۰ء، ص:۲۶-۲۷)

(۷) ابن منظور، لسان العرب، بذیل مادہ وحی، دار صادر، بیروت، ۱۹۵۵ء۔ احمد بن علی بن الحجر العسقلانیؒ، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۳۷۹ھ، ج:۱، ص:۹۔ نیز دیکھئے: ڈاکٹر عبداللہ بن محمد القرنی، المعرفۃ فی الاسلام: مصادرھا ومجالاتہا، دار عالم الفوائد، ریاض، مکۃ

المکرمہ، ۱۴۱۹ھ، ص:۱، ۳۱-۳۲،

(۸) لسان العرب، مادہ وحی

(۹) الزبیدی، تاج العروس، دار لیبیا بنغازی، ۱۳۸۶ء، ج:۱، ص:۳۸۴

(۱۰) عربی اشعار کے لیے ملاحظہ کریں: لسان العرب، مادہ وحی

(۱۱) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم الاحادیث، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۵ء، ج:۲، ص:۲۰

(۱۲) امداد الباری شرح صحیح البخاری، ج:۲، ص:۳۳۴

(۱۳) راغب اصفہانی، مفردات القرآن، بذیل مادہ ل ہ م۔ تفصیلی مطالعہ کے لیے ملاحظہ کریں: المعرفۃ فی الاسلام: مصادرھا ومجالاتھا، ص:۱، ۳۱-۳۲

(۱۴) تاج العروس، بذیل مادہ ل ہ م

(۱۵) ابوعیسیٰ ترمذیؒ، جامع الترمذی، کتاب الدعوات، باب قصۃ تعلیم الدعاء

(۱۶) مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن، تفسیر سورۃ الشمس کے ضمن میں

(۱۷) مفردات القرآن، بذیل مادہ ل ہ م

(۱۸) مجد الدین ابی السعادات المبارک المعروف بابن اثیرؒ، النھایۃ فی غریب الحدیث والاثر، مطبع عثمانیہ، مصر، ۱۳۱۱ھ، ج:۴، ص:۷۲

(۱۹) ملا جیونؒ، نور الانوار، مطبع مجتبائی، دہلی، ص:۲۱۴

(۲۰) ایضاً

(۲۱) سید سلیمان ندویؒ، سیرۃ النبیؐ، دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۳، ج:۳، ص:۲۲۴

(۲۲) ایضاً، ج:۳، ص:۲۳۳

(۲۳) سلیمان بن الاشعثؒ، سنن ابوداؤد، کتاب السنۃ، باب فی لزوم السنۃ

(۲۴) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، سنت کی آئینی حیثیت، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۵ء، ص:۲۴۵

(۲۵) معارف القرآن، ج:۸، ص:۳۲

(۲۶) ڈاکٹر صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن، مطبعہ جامعہ، دمشق، ۱۹۶۲ء، ص:۲۳۔ مناع خلیل القطان، مباحث علوم القرآن، دار السعودیہ للنشر، ۱۹۷۱ء، ص:۲۲-۲۶

(۲۷) ڈاکٹر محمد ابوزہرہ، تاریخ حدیث ومحدثین، کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند، ۲۰۰۴ء، ص: ۲۰

(۲۸) محمد بن اسمٰعیل البخاریؒ، الجامع الصحیح، کتاب التعبیر، باب رویا من اللہ

(۲۹) فتح الباری بشرح صحیح البخاری، ج: ۱، ص: ۲۰

(۳۰) ابن قیم الجوزیؒ، زاد المعاد، دار الریان، بیروت، ۱۹۸۷ء، ج: ۱، ص: ۷۸-۸۰۔ علامہ عینیؒ نے بیان کردہ صورت میں چھٹے طریقوں میں اسرافیلؑ کے وحی کیے جانے کا ذکر کیا ہے۔ (بدرالدین العینیؒ، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، مطبع مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ۱۹۷۲ء، ج: ۱، ص: ۴۴) علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے وحی کیے جانے کی کل تین صورتیں بیان کی ہیں۔ تیسری صورت میں دو احتمال ظاہر کئے ہیں: فرشتے کا انسانی شکل میں ظاہر ہونا اور نہ ہونا۔ اس طرح یہ چار صورتیں ہوئیں، جو بنیادی ہیں۔ پھر وہ ان صورتوں کی مختلف توجیہات کرتے ہیں جس سے ان کی تعداد سات ہو جاتی ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: فیض الباری، ج: ۱، ص: ۱۴-۲۰)

(۳۱) الجامع الصحیح، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی

(۳۲) ابوعبداللہ محمد یزید الربعیؒ، سنن ابن ماجہ، ابواب التجارت، باب الاقتصاد فی طلب المعیشۃ

(۳۳) الجامع الصحیح، کتاب فضائل القرآن، باب کیف نزول وحی واول ما نزل۔ احمد بن حنبلؒ، مسند احمد، ج: ۲، ص: ۱۰۷۔ علامہ عینیؒ نے فرشتے کے حضرت دحیہ کلبیؓ کی شکل میں آنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ وہ بہت خوب صورت تھے۔ ان کی خوب صورتی کا یہ عالم تھا کہ اپنے چہرے کو کپڑے سے چھپا کر چلتے تھے کہ مبادا کوئی فتنے میں نہ پڑ جائے۔ (عمدۃ القاری، ج: ۱، ص: ۴۴)

(۳۴) الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب سوال جبرئیل النبی۔ ابوالحسن مسلم بن حجاج القشیریؒ، المسند الصحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الایمان والاحسان۔

(۳۵) الجامع الصحیح، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی

(۳۶) حضورؐ نے جبرئیل امین کو ان کی اپنی اصل شکل میں دو مرتبہ یا تین مرتبہ دیکھا ہے۔ دونوں طرح کی روایتیں ملتی ہیں۔ مشہور یہی ہے کہ دو ہی مرتبہ دیکھا ہے۔ (الجامع الصحیح۔ کتاب بدء الخلق، باب اذا قال احدکم آمین الملائکۃ فی السماء، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ النجم۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب معنی قول عزوجل ولقد رءاہ نزلۃ اخری۔ جامع الترمذی، کتاب التفسیر، باب سورۃ النجم۔ مسند احمد، ج: ۱، ص: ۳۹۵

(۳۷) زاد المعاد، ج: ۱، ص: ۸۰

(۳۸) عبدالعظیم زرقانیؒ، مناہل العرفان فی علوم القرآن، مطبع عیسی البابی الحلبی، مصر، ۱۳۷۲ھ، ج:۱، ص:۴۲-۴۴

(۳۹) شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، مجموعہ فتاویٰ، مطبع سعودی عربیہ، ج:۱۲، ص:۵۸۲-۵۹۸

(۴۰) تفصیلی مطالعہ کے لیے ملاحظہ کریں: جلال الدین السیوطیؒ، الاتقان فی علوم القرآن، مطبع الازہریہ مصر، ۱۹۲۵ء، ص:۳۹-۴۳۔ بدرالدین محمد بن عبداللہ الزرکشی، البرہان فی علوم القرآن، دارالمعرفۃ، بیروت، لبنان، ج:۱، ص:۲۲۹-۲۳۰

(۴۱) الجامع الصحیح، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی

(۴۲) محمد ادریس کاندھلویؒ، سیرۃ المصطفیٰ، دارالکتاب، دیوبند، ج:۱، ص:۱۳۰

(۴۳) فتح الباری، ج:۱، ص:۲۳۔ نیز دیکھئے کتاب التعبیر، باب اول مابدی بہ رسول اللہؐ من الوحی الرویا الصالحۃ اور باب رویا الصالحین

(۴۴) الجامع الصحیح، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی

(۴۵) علامہ شبلی نعمانیؒ، سیرۃ النبیؐ، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۳ء، ج:۱، ص:۱۴۴

(۴۶) تفہیم الاحادیث، ج:۲، ص:۱۸-۱۹۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، رسائل ومسائل، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دہلی، ۱۹۸۹ء، ج:۳، ص:۱۷۵

(۴۷) الجامع الصحیح، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی

(۴۸) الجامع الصحیح، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی۔ کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بدء الوحی الیٰ رسول اللہؐ

(۴۹) صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب حد الزنا

(۵۰) الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، باب لایستوی القعدون۔ کتاب الصلوۃ، باب مایذکر فی الفخذ۔ جامع الترمذی، ابواب التفسیر، سنن نسائی، کتاب الجہاد، باب فضل المجاہدین علی القاعدین، ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب رخصۃ فی القعود من العذر

(۵۱) الجامع الصحیح، کتاب المغازی، باب غزوۃ الطائف۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب تحریم الطیب، فی الحج والعمرۃ

(۵۲) احمد بن حنبلؒ، مسند احمد، المطبعۃ المیمنیۃ، مصر، ۱۳۱۳ھ، ج:۶، ص:۱۸۸

(۵۳) مباحث فی علوم القرآن (صبحی صالح) ص:۶۲

(۵۴) سیرۃ المصطفیٰ، ج:۱، ص:۱۳۷

(۵۵) کونسٹینٹن ویرژیل جورجیو، عکس سیرت(La vie Mahomet) (ترجمہ اردو: خلیل الرحمٰن) رحمٰن پرنٹرو پبلشرز، کلکتہ، ۲۰۰۸، ص ۶۴۔

(۵۶) الجامع الصحیح، کتاب التعبیر، باب اول مابدء بہ رسولؐ الرویا

(۵۷) مولانا شبیر عثمانیؒ، فضل الباری، (مرتب: عبدالرحمٰن فاضل) اسلامی اکیڈمی، ڈھاکہ، ۱۴۰۹، ج:۱، ص:۱۷۱-۱۷۲

(۵۸) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، سیرت سرور عالمؐ، ج:۲، ص:۴۵۲-۴۵۳

(۵۹) عکس سیرت، ص:۶۵-۶۶،۶۴

(۶۰) احمد شہاب الدین الخفاجیؒ، نسیم الریاض فی شرح قاضی عیاض، مطبع الازہریہ، المصر، ۱۳۲۷ء، ج:۴، ص:۲ (حاشیہ)

(۶۱) خالد مسعودؒ، حیات رسول امی، دارالتذکیر، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۳، ص:۱۰۹

(۶۲) سرسید احمد خانؒ لکھتے ہیں: ''ہم نے بہ خوبی ثابت کر دیا ہے کہ عیسائیوں کا اتہام آنحضرتؐ کو بیماری صرع کے ہونے کا صدق سے محض معرا ہے، تاہم سرولیم میور صاحب کی اس رائے کو کہ آنحضرتؐ کے صرعی غشوں نے ان کے ذہن میں اپنی رسالت کا خیال پیدا کر دیا تھا اور ان کے متبعین کا بھی یہی اعتقاد تھا تمام منصف مزاج اور غیر متعصب لوگوں کے روبرو پیش کرنا چاہتے ہیں اور پھر یہ سوال کرتے ہیں کہ آیا یہ بات قرین قیاس ہے کہ ایسا آدمی جس کو ہر شخص مصروع جانتا ہو اپنے صرعی غشوں کو اپنے رسول برحق ہونے کے ثبوت میں پیش کرے جو اپنی قوم کی بت پرستی کے استیصال کے واسطے بھیجا گیا ہو اور تمام لوگ جو اس کی اس بیماری سے واقف ہیں اس کے عزیز واقارب اور جمیع اکابر عرب اس کی رسالت کو دل سے تسلیم کر لیں اور ہر شخص اپنے دین آبائی سے منحرف ہو کر اس کے قول وفعل پر ایمان کامل لے آوے۔'' (سرسید احمد خان، الخطبات الاحمدیہ، سرسید اکیڈمی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ۲۰۰۳، ص:۴۵۵)

(۶۳) ڈاکٹر محمد عارف عمری (مرتب) اسلام اور مستشرقین، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۶ء، ج:۷، ص:۲۲۰

(۶۴) William Montgomery Watt, *Muhammad Prophet and States man*, Oxford University Prees London, 1965, p:191

(۶۵) Chamber's Encyclopedia, Edinburgh, London.1874, Vol:IV,p:93

(۶۶) مسند احمد، ج:۵،ص:۲۶۶

(۶۷) مباحث فی علوم القرآن،ص:۹

(۶۸) محمد رشید رضا مصریؒ، الوحی المحمدی، المکتب الاسلامی، مصر،ص:۵۹

(۶۹) مباحث فی القرآن،ص:۳۶

(۷۰) صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب حجۃ من قال البسملۃ آیۃ من اول کل سورۃ سورہ براءۃ

(۷۱) الاتقان فی علوم القرآن، ج:۱،ص:۲۳-۲۴

☆☆☆

باب سوم

کیا قرآن حضرت محمد ﷺ کی تصنیف ہے؟

کفار و مشرکین نے کلام ربانی اور آپ کی تعلیمات کی قدر و قیمت اور معنویت کو گھٹانے کے لیے متعدد قسم کے اعتراضات کیے ہیں۔ ان کے نزدیک قرآن سب کچھ ہوسکتا تھا، مگر اللہ کا کلام نہیں ہوسکتا تھا۔ بعد کے عہد میں عیسائیوں اور یہودیوں نے محض تعصب کی بنا پر قرآن کریم پر بہتیرے اعتراضات کیے ہیں۔ مگر جب ان کے اعتراض میں کوئی جان نہ رہی تو پھر ان کی ہرزہ سرائی کا رخ بدل گیا اور قرآنی تعلیمات کو خرافات کا مجموعہ ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ چنانچہ مستشرق 'ویلز' نے یہ پروپیگنڈا کیا: 'مقدس اشخاص کی صف میں شامل ہونے کے لیے محمد کو ادھیڑ عمر میں ان کے حوصلہ مندانہ جذبات نے ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھنے پر آمادہ کیا۔ اسی مقصد کے پیش نظر انہوں نے خرافاتی عقائد اور سطحی رسوم و روایات کا ایک مجموعہ تیار کیا۔ اپنی قوم میں اس مجموعہ کی اشاعت کی اور کچھ لوگوں نے اس کی پیروی بھی کی۔'(۱) فرانسیسی مستشرق 'بلاشر' نے یہ باور کرانے کی کوشش کی: 'قرآن کے بیان کردہ واقعات اور یہودی و مسیحی حکایات میں بڑی مشابہت پائی جاتی ہے۔ ابتدائی مکی سورتوں میں مسیحی اثرات بہت زیادہ نمایاں ہیں اور انجیل کے غیر تسلیم شدہ نسخوں خصوصاً کتاب پیدائش جو اس زمانے میں عام تھی اور قرآن کے بیان کردہ واقعات میں مشابہت موجود ہے۔ بانی اسلام اور مسیحی راہبوں کے درمیان مکہ میں تعلقات استوار تھے۔'(۲) 'فلپ ارلنگی' متضاد رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے: 'محمد کی مکہ میں اکثر یہودیوں سے ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ محمد اپنے خادم زید سے جو عیسائیوں کا غلام رہ چکا تھا، یہودی اور مسیحی مذاہب کے بارے میں استفسار کی غرض سے سوالات کیا کرتے تھے۔ وہ اپنے خادم سے زیادہ سمجھ دار تھے۔ مدینہ میں محمد یہودیوں کے شاگرد رہے۔ یہودیوں ہی نے یہ

شخصیت تیار کی تھی۔ یہودیوں اور مسیحیوں میں جو داستانیں مشہور تھیں جبرئیل ان سب کو محمد کے سامنے بیان کر دیا کرتے تھے۔'(۳) جب کہ 'گولڈ زیہر' کے مطابق: 'نبی عربی کا پیغام دراصل ان مذہبی خیالات اور معلومات کا منتخب خلاصہ تھا جو آپ کو یہودی اور عیسائی حلقوں سے روابط کی بنا پر حاصل ہوئیں۔ ان خیالات سے آپ بہت زیادہ متاثر ہوئے اور دل میں خیال پیدا ہوا کہ ان کے ذریعہ اپنے ہم وطنوں میں سچے مذہبی جذبات کو بیدار کیا جا سکتا ہے۔ یہ بیرونی تعلیمات آپ کے وجدان میں سرایت کر گئیں اور آپ سمجھنے لگے کہ رضائے الٰہی کے مطابق ان کے ذریعہ انسانی زندگی کو ایک رنگ دیا جا سکتا ہے۔ محمد اس قسم کے خیالات سے اس قدر متاثر ہوئے کہ وہ آپ کا عقیدہ بن گئے، لیکن آپ ان کو وحی سمجھتے رہے۔'(۴) جارج سیل' نے تو یہاں تک مفروضہ گھڑا ہے کہ 'قرآن کے مصنف یا اس کتاب کو اختراع کرنے والے محمدؐ ہیں۔ اگرچہ اس بات کا غالب امکان موجود ہے کہ اس منصوبے میں ان کو دوسرے لوگوں سے جو مدد ملی وہ کم نہ تھی۔ جیسا کہ ان کے اہل وطن نے ان پر یہ اعتراض کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ البتہ ان کو اس قسم کی مدد مہیا کرنے والے مخصوص شخص کے تعین میں ان کے مفروضے باہم اتنے متضاد تھے کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ محمد کے خلاف اس الزام کو ثابت نہ کر سکے، یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ محمد نے اس معاملے کو خفیہ رکھنے کے لیے اتنے عمدہ اقدامات کیے کہ ان کی وجہ سے اس راز کا انکشاف ممکن نہ تھا۔'(۵)

اس طرح کے نہ معلوم کتنے اعتراضات ہیں جو مستشرقین اور مغربی دانش وروں نے قرآن کے کلام الٰہی ہونے کے سلسلے میں کیے ہیں اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔ عیسائیوں کے عظیم پیشوا ہوں یا یہودیت کے علم بردار، یا پھر مستشرقین کا گروہ سب نے قرآن کو موضوع بحث بنایا ہے۔ اس کام کو بہتر طریقے سے انجام دینے کے لیے ان لوگوں نے باضابطہ عربی زبان وادب کو سیکھا اور اسلامی علوم کا مطالعہ کیا۔(۶)

قرآن مجید اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے

کفار مکہ قرآن کو نہ کلام الٰہی مانتے تھے اور نہ ہی قرآن جیسی کوئی کتاب یا سورت یا چند آیات پیش کرنے پر قدرت رکھتے تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کی کدورت کا بھانڈا پھوڑ دیا اور انہیں کلام الٰہی کا یقین دلاتے ہوئے فرمایا:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖۤ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۳۴﴾ (الطور:۳۳-۳۴)

''کیا یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے یہ قرآن خود گڑھ لیا ہے، اصل بات یہ ہے کہ یہ ایمان لانا نہیں چاہتے، اگر یہ اپنے اس قول میں سچے ہیں تو اسی شان کا ایک کلام بنا لائیں۔''

کفارِ مکہ کے مقاصد کی تکمیل نہ ہوئی تو آخر میں ان لوگوں نے یہ بات مشہور کی کہ نبیؐ جو کچھ کہتے اور جسے اللہ کا کلام بتاتے ہیں وہ جھوٹ ہے اور اصل یہ ہے کہ انہوں نے اہل کتاب کے فلاں فلاں عالموں سے اخذ کیا ہے اور انہیں کے سکھانے پڑھانے پر یہ کلام پیش کر رہے ہیں۔(۷) کفار کی اس دروغ گوئی اور بہتان تراشی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ ۨافْتَرٰىهُ وَ اَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۛۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّ زُوْرًا ﴿۴﴾ وَ قَالُوْۤا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ﴿۵﴾ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۶﴾ (الفرقان:۴-۶)

''جن لوگوں نے نبی کی بات ماننے سے انکار کر دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ فرقان ایک من گھڑت چیز ہے، جسے اس شخص نے آپ ہی گھڑ لیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس کام میں اس کی مدد کی ہے۔ بڑا ظلم اور سخت جھوٹ ہے جس پر یہ لوگ اتر آئے ہیں۔ کہتے ہیں یہ پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی چیزیں ہیں جنہیں یہ شخص نقل کراتا ہے اور وہ اسے صبح و شام سنائی جاتی ہے۔ اے نبیؐ ان سے کہو کہ اسے نازل کیا ہے اس نے جو زمین اور آسمانوں کا بھید جانتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا غفور رحیم ہے۔''

ایک اور مقام پر اسی بات کو مختصر انداز میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿۱۴﴾ (الدخان:۱۴)

''پھر انہوں نے رسول کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کہنے لگے یہ تو سکھایا ہوا مجنون ہے۔''

عربی الہامی اور آفاقی زبان ہے۔ جس انداز اور سلیقے سے اہل عرب اسے بولتے ہیں عجمی اس طرح نہیں بول سکتے۔ چنانچہ کفار و مشرکین کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ یہ کتاب عربی زبان میں ہی کیوں نازل ہوئی۔ کسی عجمی زبان میں نازل ہوتی تو واقعی ہم سمجھتے ہیں کہ یہ کتاب محمدؐ پر نازل ہوئی ہے۔ ان کے اس اعتراض کا بھی جواب اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا:

وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾ وَ اِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۹۷﴾ وَ لَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿۱۹۸﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ (الشعراء:۱۹۲-۱۹۹)

”یہ رب العالمین کی نازل کردہ چیز ہے۔ اسے لے کر تیرے دل پر امانت دار روح اتری ہے، تاکہ تو ان لوگوں میں شامل ہو جو (خدا کی طرف سے خلق کو) متنبہ کرنے والے ہیں۔ صاف صاف عربی زبان میں۔ اور اگلے لوگوں کی کتابوں میں بھی یہ موجود ہے۔ کیا ان (اہل مکہ) کے لیے یہ کوئی نشانی نہیں ہے کہ اسے علمائے بنی اسرائیل جانتے ہیں۔ (لیکن ان کی ہٹ دھری کا حال تو یہ ہے کہ) اگر ہم اسے کسی عجمی پر بھی نازل کر دیتے (اور یہ فصیح عربی کلام) وہ ان کو پڑھ کر سناتا تب بھی یہ مان کر نہ دیتے۔“

قرآن کا دعویٰ کہ وہ کلام الٰہی ہے

جب نبیؐ کی بعثت ہوئی اور آپ نے تبلیغ اسلام کا فریضہ نبھام دیا تو جن کے دل پہلے سے حق کو قبول کرنے کے لیے تیار تھے وہ بغیر کسی تذبذب کے آپؐ کی رسالت پر ایمان لے آئے۔ مثلاً حضرت خدیجہؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ، حضرت زید بن حارثہؓ اور دوسرے صحابہ۔ ایسی بات نہ تھی کہ ان کے قبول اسلام کا اثر معاشرہ پر نہ پڑا ہوگا اور ان کی رغبت کسی نہ کسی درجہ میں اسلام سے نہ ہوئی ہوگی۔ مگر چوں کہ ایسا کرنے سے ان کے مفادات مجروح ہو رہے تھے، اس لیے سرے سے انہوں نے نبوت کا انکار کر دیا اور قرآن کی مخالفت کرنے لگے۔ جس طرح سے

انھوں نے کلامِ الٰہی کی تکذیب کی، سب کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ اللہ نے انھیں نبی کے ذریعہ ہر طرح سے سمجھانے کی کوشش کی۔ اس نصیحت کا ان پر اثر بھی ہوا، لیکن جن لوگوں نے اپنی ضد کو ہی سب کچھ سمجھا، اسے اللہ تعالیٰ نے حرفِ آخر کے طور پر قرآن کی صداقت کا بھی یقین دلایا اور ان کے سامنے دلائل کے انبار لگادیے، تاکہ وہ خود فیصلہ کرسکیں کہ حقیقت کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّآ أَنزَلْنَا عَلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ لِلنَّاسِ بِٱلْحَقِّ ۖ فَمَنِ ٱهْتَدَىٰ فَلِنَفْسِهِۦ ۖ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۖ وَمَآ أَنتَ عَلَيْهِم بِوَكِيلٍ ﴿٤١﴾

(الزمر:۴۱)

''اے محمدؐ، ہم نے تم پر یہ کتاب لوگوں کے لیے حق کے ساتھ نازل کی ہے۔ اب جو ہدایت قبول کرے گا اپنے ہی بھلے کے لیے کرے گا اور جو گمراہ ہوگا اس کا وبال بھی اسی پر ہوگا، تم اس کے ذمہ دار نہیں ہو۔''

وَإِنَّهُۥ لَتَنزِيلُ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿١٩٢﴾ نَزَلَ بِهِ ٱلرُّوحُ ٱلْأَمِينُ ﴿١٩٣﴾ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ ٱلْمُنذِرِينَ ﴿١٩٤﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ﴿١٩٥﴾

(الشعراء:۱۹۲-۱۹۵)

''اور بلاشبہ یہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے، اسے لے کر ایک امانت دار روح اتری ہے، تاکہ تو ان لوگوں میں شامل ہو جو (خدا کی طرف سے خلق کو) متنبہ کرنے والے ہیں۔ صاف صاف عربی زبان میں۔''

قرآن کا چیلنج پوری دنیا اور قیامت تک کے لیے ہے

کفارِ مکہ نے قرآن کریم کو من گھڑت کلام کہا تو خود باری تعالیٰ نے انھیں اس بات کی اجازت دی کہ اگر واقعی تم اپنے دعوے میں سچے ہو اور تم بھی نبی کی طرح ایک انسان ہو، عقل وفہم رکھتے ہو، اپنی زبان دانی پر ناز ہے تو اس جیسا کلام پیش کرکے دکھاؤ۔ (القصص:۴۹، یونس:۳۸) قرآن مجید کا یہ چیلنج مغربی دنیا کے لیے بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے معترضین کی درماندگی اور بے بسی کا بھی خیال رکھا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ وہ کسی پر اس کی استطاعت سے زیادہ بوجھ

نہیں ڈالتا۔ (البقرہ:۲۸۶) اس لیے ان سے یہ بھی کہا کہ تم پوری کتاب تصنیف کرنے پر قدرت نہیں رکھتے تو پھر اس جیسی دس سورتیں ہی بنا کر پیش کر دو:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۳﴾ (ہود:۱۳)

''کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے یہ کتاب خود گڑھی ہے، کہو اچھا یہ بات ہے تو اس جیسی گڑھی ہوئی دس سورتیں بنا لاؤ اور اللہ کے سوا جس کو چاہو اپنی مدد کے لیے بلا لو، اگر تم سچے ہو۔''

اللہ تعالیٰ نے ہر موقع پر کفار و مشرکین کی رعایت کی۔ مگر وہ کہیں بھی اپنے دعویٰ کے استحکام کے لیے دلیل پیش نہ کر سکے۔ چنانچہ اب اللہ تعالیٰ نے ان کے بے بسی اور کم زوری کا پردہ فاش کیا اور فرمایا:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾

(بنی اسرائیل:۸۸)

''کہہ دو کہ اگر انسان اور جن سب کے سب مل کر اس قرآن جیسی کوئی چیز لانے کی کوشش کریں تو نہ لا سکیں گے، چاہے وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔''

قرآن کو کلام الٰہی سمجھنے کے باوجود انکار

کفار مکہ قرآن کے متعلق جو اعتراض کرتے تھے، وہ ان کی جہالت اور ہٹ دھرمی تھی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ نبیؐ کا دین پھلے پھولے۔ اس لیے انہوں نے اس کی مخالفت کی۔ باوجود اس کے کفار مکہ قرآن کے اعجاز و الفاظ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ انہوں نے اسے شاعری، ساحری، من گھڑت، سیکھا سکھایا کلام، سابقہ کتابوں سے اقتباس، کیا نہیں کہا۔ مگر اسی کلام ربانی کو سننے کے لیے بعض وقت وہ بے تاب ہو جاتے اور نہ چاہنے کے باوجود چھپ چھپا کر اسے سنتے تھے۔ محفل میں آتے تو مخالفت کرتے 'اس قرآن کو نہ سنو اور جب یہ پڑھا جائے تو شور و غل کرو'۔ (حٰم السجدہ:۲۶) مگر تنہائی میں قرآن کے الفاظ و معنی اور اعجاز پر غور کرتے تو یہی نتیجہ اخذ کرتے کہ

واقعی یہ اللہ کا کلام ہے، کسی انسان کا کلام نہیں۔

سفیان بن حرب، ابوجہل، اخنس بن شریق اور ابن وہب ثقفی کے متعلق یہ روایت ملتی ہے کہ یہ سب راتوں کو چھپ کر قرآن سنتے تھے اور جب واپسی میں کسی مقام پر ان کی ملاقات ہو جاتی تو ایک دوسرے پر لعنت وملامت کرتے اور آئندہ کبھی قرآن نہ سننے کا وعدہ کرتے، مگر اگلی رات پھر یہی صورت حال پیش آتی۔ آخر میں ان لوگوں نے قرآن کے متعلق یہی فیصلہ کیا کہ واقعی یہ اللہ کا کلام ہے، کسی انسان کا نہیں ہے۔ پھر بھی ہم اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔(۸) دوسری طرف کفار مکہ کی مخالفت کا یہ عالم تھا کہ حج کے موقع پر ولید بن مغیرہ نے کفار کے معزز لوگوں کو جمع کیا اور کہا لوگو! حج کا زمانہ قریب ہے، یہاں باہر سے بہت سارے لوگ آئیں گے۔ چوں کہ محمدؐ کی باتیں دور دور تک پھیل چکی ہیں، وہ ان کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہیں گے، اس لیے بہتر ہے کہ ہم سب کسی ایسی بات پر متفق ہو جائیں جسے سب یکساں طور پر بیان کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اختلاف بیان کی وجہ سے وہ ہماری تکذیب کرنے لگیں اور اس طرح ہمارا وقار مجروح ہو جائے۔ لوگوں نے کہا اے سردار آپ معمر اور تجربہ کار ہیں، آپ ہی کوئی ایسی بات بتائیں جسے ہم لوگوں کے سامنے بیان کریں گے۔ ولید نے کہا پہلے تم لوگ اپنی اپنی باتیں بیان کرو کہ کیا کہو گے۔ اگر وہ غیر مناسب ہوئیں تو ہم بتائیں گے۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا کہ ہم انہیں کاہن کہیں گے۔ اس کا رد کرتے ہوئے ولید نے کہا ایسی بات نہیں ہے وہ کاہن نہیں ہیں، میں نے کاہنوں کا کلام دیکھا ہے، ایسی اثر آفرینی کاہن کے کلام میں نہیں ہوتی۔ دوسرے نے کہا ہم اسے مجنون کہیں گے۔ اس کے جواب میں ولید نے کہا وہ مجنون بھی نہیں ہیں، ہم پاگلوں کے کلام سے خوب واقف ہیں، محمد بہکی بہکی باتیں نہیں کرتا ہے اور نہ غیر شائستہ حرکات کا ارتکاب کرتا ہے۔ پھر لوگوں نے کہا ہم اسے شاعر کہیں گے۔ ولید نے کہا وہ شاعر بھی نہیں ہیں، ہم شاعروں کے کلام سے خوب واقف ہیں، ان کے کلام میں شاعری کی کوئی چیز نہیں۔ پھر لوگوں نے کہا ہم اسے جادوگر کہیں گے۔ ولید نے اس کی بھی نفی کی اور کہا کہ محمد ایسا کوئی کام نہیں کرتے کہ ان پر جادوگر کا اطلاق کیا جا سکے۔ اب لوگوں نے کہا کہ اگر ایسا کچھ نہیں کہہ سکتے تو پھر اے سردار ہم ان کے متعلق کیا کہیں، آپ ہی بتائیں۔ اب ولید نے اپنا فیصلہ سنایا:

"اللہ کی قسم محمدؐ جو کلام پیش کرتے ہیں اس میں ایک طرح کی شیرینی ہے اور اس کی

> جڑیں پھیلی ہوئی اور مستحکم ہیں اور اس کی شاخیں ثمر دار ہیں۔ ان میں سے جو باتیں تم کہو گے اس سے تمہارا جھوٹ واضح ہو جائے گا۔ ہاں صحت سے قریب بات جو تم محمدؐ کے بارے میں کہہ سکتے ہو وہ یہ کہ تم ان کے بارے میں یہ کہو کہ یہ شخص جادوگر ہے اور جادو بھرا کلام لے کر آیا ہے جس کے ذریعے وہ اپنوں کو اپنوں سے بیگانہ اور خان دان کو خان دان سے جدا کر دیتا ہے"۔(۹)

ایک مرتبہ نبی اکرمؐ حرم میں ایک طرف تنہا بیٹھے ذکر اللہ میں مشغول تھے۔ عتبہ بن ربیعہ سرداران قریش سے مشورہ کرنے کے بعد حضور کی خدمت میں پہنچا اور اپنا مدعا ظاہر کیا اور یہ پیش کش بھی کی کہ اس کے عوض آپ جو کچھ بھی طلب کریں ہم پورا کر دیتے ہیں۔ اس کی گفتگو کو سننے کے بعد آپؐ نے سورہ حٰم سجدہ کی تلاوت فرمائی۔ عتبہ اسے بغور سنتا رہا، یہاں تک کہ نبیؐ جب آیت سجدہ پر پہنچے تو سجدہ کیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا: اے ابوالولید آپ نے میری باتوں کو سن لیا، اب آپ جانیں اور وہ لوگ۔ عتبہ وہاں سے اٹھا اور سیدھا قریش کی مجلس میں پہنچا۔ اسے دیکھتے ہی لوگوں نے کہا، عتبہ وہ نہیں ہے جو محمد کے پاس جاتے وقت تھا۔ لوگوں نے کہا عتبہ بتاؤ کیا خبر لائے ہو۔ اس نے کہا:

> "میں نے ایسی بات سنی ہے کہ واللہ کبھی نہیں سنی، واللہ وہ نہ شعر ہے، نہ جادو اور نہ کہانت۔ اے گروہ قریش میری بات سنو اور اس کام کو میری رائے کے موافق کرو، اس شخص کو اسی کی حالت پر چھوڑ دو اور اس سے الگ رہو، کیوں کہ واللہ اس کی جو بات میں نے سنی ہے اسے بڑی اہمیت حاصل ہوگی۔ اگر عربوں نے اس کا خاتمہ کر دیا تو سمجھ لو انہوں نے تمہیں اس سے بے نیاز کر دیا اور اگر اس نے عربوں پر غلبہ حاصل کر لیا تو اس کی حکومت تمہاری حکومت ہوگی، اس کی عزت تمہاری عزت ہوگی۔"(۱۰)

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار و مشرکین قرآن کو اللہ کا کلام مانتے تھے۔ مگر ایک ضد تھی جسے تعارف جاہلانہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کا بہر حال انکار کرنا ہے، تا کہ نبیؐ اپنے انبیائی مشن سے باز آجائیں۔(۱۰)

تمام کوششوں کے باوجود قرآن کا بدل تیار نہ کر سکے

کفار مکہ کے سامنے جب خود باری تعالیٰ نے چیلنج کیا کہ تم اس جیسا کلام پیش کرو

تو انہوں نے اپنے طور پر اس ؓ کا جواب تیار کرنے کی کوشش کی۔ بڑی مشکل سے طویل سورتوں کے بجائے مختصر سورتیں تحریر کیں۔ پھر بھی ان کی یہ سعی نامبارک صرف جگ ہنسائی کا موجب اور فضیحت ورسوائی کا سامان ہوئی۔

عرب کے مشہور شاعر لبید بن ربیعہ کو اپنی زبان دانی اور مقفی و مسجع کلام کہنے پر بڑا ناز تھا۔ ایک مرتبہ اس کے کلام کا کچھ حصہ لوگوں نے خانہ کعبہ میں لٹکا دیا۔ اس کے کچھ ہی دن بعد کسی مسلمان نے قرآن مجید کی چند آیات لکھ کر اس کے برابر میں لٹکا دیں۔ دوسرے دن اس کا گزر ادھر سے ہوا تو دیکھا کہ میرے کلام کے بغل میں کسی کی تحریر لٹکی ہوئی ہے۔ وہ قریب گیا اور قرآنی آیات کو بار بار پڑھنے لگا۔ بالآخر وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہوسکتا۔ جب وہ اسلام کی دولت سے مالا مال ہوگئے اور خلافت فاروقی کا زمانہ آیا تو حضرت عمرؓ نے شعر کہنے کو کہا۔ اس پر انہوں نے کہا سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کی آیات کے سامنے سارے شعر بے وزن معلوم ہوتے ہیں۔ (۱۲) یعنی اب شعر وشاعری میں کوئی مزہ ہی نہ رہا۔

ابو محمد بن مسلم نحویؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ اعجاز قرآن پر گفتگو کر رہے تھے۔ ایک عمر رسیدہ اور صاحب کمال شخص میرے قریب بیٹھا تھا۔ اس نے کہا قرآن مجید میں ایسی کوئی امتیازی خوبی اور اعجازی شان نہیں کہ فضلاء اس کو اپنے کلام میں پیدا نہ کرسکیں۔ اس نے وعدہ کیا ایسا کلام میں تین دن میں تیار کرسکتا ہوں۔ یہاں تک کہ وہ اپنے مطالعہ کے کمرے میں اس کام کو انجام دینے کے لیے کے بیٹھ گیا۔ تین دن بعد لوگوں کو تجسس ہوا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ اس نے حسب وعدہ اب تک قرآن کا بدل تیار کر کے پیش نہیں کیا۔ لوگ اس کا حال دریافت کرنے کے لیے گئے۔ دیکھا کہ وہ آدمی دیوار سے ٹیک لگائے خشک تنے کے مانند بیٹھا ہے، اس کا قلم گھس چکا ہے اور سیاہی خشک ہوچکی ہے اور پھٹے ہوئے کاغذوں کا ڈھیر اس کے گرد جمع ہے۔ (۱۳) بعد کے عہد میں بھی کچھ لوگوں نے اس طرح کی ناکام کوششیں کی ہیں، ان میں عبداللہ ابن مقفع کا نام مشہور ہے۔ مگر تمام ہی لوگ ناکام ہوئے اور آخر میں یہی فیصلہ کیا کہ کلام الٰہی کے مماثل دوسرا کلام تیار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ باتیں اس کی صداقت اور منزل من اللہ ہونے کی دلیل ہے۔

ابن جوزیؒ لکھتے ہیں:

''اگر یہ اطمینان اور تسلی کرنا چاہو کہ قرآن مجید نبی اکرم ؐ کا اپنا ذاتی کلام نہیں ہے، بلکہ صرف اور صرف وحی الٰہی ہے جو ان پر نازل کی گئی ہے تو آپ کا کلام اقدس حدیث مبارک میں دیکھو، اس میں اور کلام مجید میں کتنا فرق ہے اور دونوں کلاموں اور ان کے اسلوب بیان اور انداز کلام میں کتنا واضح اور بین تفاوت ہے اور یہ امر نا قابل تردید حقیقت ہے کہ ایک ہی شخص خواہ جتنی بھی اسلوب میں تبدیلی اور تغیر کی کوشش کرے لامحالہ تشابہ اور تماثل پایا جائے گا اور بالکل تباین وتغایر کا پایا جانا ممکن نہیں ہوگا، حالاں کہ آں حضرتؐ کے کلمات طیبات میں سے ایک کلمہ بھی قرآن مجید کے مشابہ نہیں ہے۔'' (۱۴)

قرآن نے کفار مکہ کے دلوں کی دنیا بدل دی

کفار مکہ کو کلام الٰہی کی بے وقعتی ثابت کرنے کی دھن تھی، اس لئے اوٹ پٹانگ باتیں جو ذہن میں آجاتیں کہہ دیتے تھے۔ لیکن سب نے دیکھا کہ اسی کلام الٰہی کے سامنے بالآخر وہ سجدہ ریز ہوئے۔ بلکہ عرب کے جتنے بڑے بڑے لوگ تھے اور جن کا شمار خطباء، شعرا اور انشا پردازوں میں ہوتا تھا، قرآن کی تعلیمات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

حضرت عمرؓ شروع میں اسلام کے شدید ترین دشمن تھے۔ نعوذ باللہ ایک دن محمدؐ کے قتل کا ارادے سے نکلے، راستے میں خبر ملی کہ ان کے بہن اور بہنوئی اسلام لاچکے ہیں۔ اس خبر نے تھوڑی دیر کے لیے ان کے ارادہ کو ملتوی کر دیا۔ بہن کے گھر پہنچے تو دیکھا کہ اندر قرآن کی تلاوت کی جارہی ہے۔ بہن اور بہنوئی سے تھوڑی دیر گرما گرمی رہی، اس کے بعد عمر کے اندر داعیہ پیدا ہوا کہ ہم نے ان لوگوں کے ساتھ جو نازیبا حرکت کی ہے، واقعی وہ اس کے مستحق تھے بھی کہ نہیں۔ آخر میں انہوں نے بہن سے کہا کہ وہ چیز مجھے سناؤ جس کی تم تلاوت کر رہی تھی۔ بہن نے سورۂ طٰہٰ کی تلاوت کی۔ ابھی چند آیتوں کی ہی تلاوت ہوئی تھی کہ دل پانی پانی ہوگیا اور اسلام قبول کرنے کے لیے بے چین ہوگئے۔ خدمت اقدسؐ میں حاضر ہوکر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ (۱۵)

حضرت ابوذر غفاریؓ نے پہلے اپنے بھائی کو بھیجا کہ وہ حضورؐ کے حال کی تحقیق کر کے آئیں۔ ان کے بھائی کا شمار عرب کے باکمال شعرا میں ہوتا تھا۔ انہوں نے حضورؐ کے کلام کو سن کر اپنے بھائی سے کہا ابوذر لوگ ان کو کاہن و شاعر کہتے ہیں، لیکن ان میں ایسی کوئی چیز نہیں۔ اس کے

بعد حضرت ابوذر غفاریؓ آئے اور کلام الٰہی کو سننے کے بعد اسلام قبول کرلیا۔ان کے اسلام قبول کرتے ہی آدھا قبیلہ اسی وقت مسلمان ہوگیا۔(۱۶) حضرت عثمان بن مظعونؓ کے قبول اسلام کا واقعہ بھی سورۂ نحل کی آیتیں سننے کے بعد پیش آیا۔جس مجلس میں حضرت عثمانؓ نے اسلام قبول کیا اسی مجلس میں عبیدہ بن جراحؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور ابوسلمہؓ نے بھی اسلام قبول کیا۔(۱۷) جبیر بن مطعمؓ نے حالت کفر میں آں حضرتؐ کو سورۂ طور پڑھتے سنا، جب آیت ۳۵-۳۷ پر پہنچے تو خود جبیر کا بیان ہے کہ مجھ کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ میرا دل اڑنے لگا۔(۱۸) طفیل بن عمر دوسیؓ کو کفار مکہ نے اس حد تک ورغلایا کہ انہوں نے کانوں میں کپڑا ٹھونس لیا کہ مبادا محمدؐ کی آواز میرے کانوں تک نہ پہنچے۔لیکن اتفاقاً مسجد حرام سے گزرے تو دیکھا کہ محمدؐ نماز پڑھ رہے ہیں، نہ چاہنے کے باوجود انہوں نے کلام الٰہی کو سنا اور اس سے اس قدر متاثر ہوئے کہ بالآخر اسلام قبول کر کے ہی اپنے گھر لوٹے اور اپنے باپ اور بیوی کو بھی مسلمان بنالیا۔(۱۹) خالد عدوانیؓ جو طائف کے رہنے والے تھے، انہوں نے ایک موقع سے سورۂ طارق سنی تو اس قدر متاثر ہوئے کہ حالت کفر میں پوری سورہ یاد کرلی، بعد میں اسلام قبول کیا۔(۲۰) طائف سے ناامید ہوکر آپؐ لوٹ رہے تھے تو ایک باغ میں پہنچے وہاں ایک نصرانی غلام رہتا تھا، اس نے کھجور کے خوشے آپ کو دیے تاکہ آپؐ اپنی بھوک کی شدت ختم کریں۔آپ نے اسے تناول فرمایا تو پہلے بسم اللہ پڑھا، غلام آپ کی صورت دیکھنے لگا اور کہا واللہ یہ بات تو ایسی ہے کہ یہاں کی بستیوں کے لوگ نہیں جانتے۔اس کے بعد کچھ گفت وشنید ہوئی، آپ کی باتوں سے وہ اس قدر متاثر ہوا کہ وہ آپ کا سر، ہاتھ اور پاؤں چومنے لگا۔(۲۱) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے گھر کے ایک کونے میں ایک مسجد بنائی تھی، اس میں وہ نماز ادا کیا کرتے تھے، نماز میں بلند آواز سے قرآن کی قرأت کرتے تھے، جس کو سننے کے لیے محلّہ کے نوجوان، بچے، بوڑھے، عورت مرد سب جمع ہوجاتے اور آپ کی اس ہیئت و کیفیت کو حسرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔قریش کے چند نوجوانوں کو یہ منظر ایک آنکھ نہ بھایا، انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کو منع کیا اور کہا کہ تم بلند آواز سے قرآن کی تلاوت نہ کرو، ہمیں خوف ہے کہ کہیں یہ لوگ اسلام میں نہ داخل ہوجائیں۔(۲۲) انصار جب اول اول مقام عقبہ میں اسلام لائے تو قرآن کی اثر انگیزی سے متاثر ہوئے اور اسلام لائے۔(۲۳) نجاشی شاہ حبشہ بھی قرآنی آیات سن کر اسلام سے حد درجہ متاثر ہوا۔(۲۴) اسی طرح حبشہ کے ہی کوئی ۲۰ عیسائی حضرت

محمدؐ کی نبوت کی شہرت سن کر مکہ تشریف لائے اور بارگاہ نبوی میں حاضری دی، اللہ کے رسولؐ نے ان کے سامنے قرآن مجید کی آیت تلاوت کی تو وہ اس سے بہت متاثر ہوئے اور اسی وقت اسلام لے آئے۔ان کے اس عمل پر ابوجہل بن ہشام اور دوسرے قریشی لوگوں نے ان کو لعنت وملامت کی، اس کے جواب میں انہوں نے کہا تم اپنے دین پر رہو ہم اسلام پر ہیں اور جہالت میں ہم تمہارا مقابلہ کرنا نہیں چاہتے۔(۲۵)

قرآن مجید حضورؐ کا کلام ہوتا تو اس میں ان کی گرفت نہ ہوتی

نبی اکرمؐ کو کلام الٰہی کا پیغامبر بنا کر بھیجا گیا تھا، آپ سے پہلے بھی جتنے انبیاء آئے ان کا بھی یہی کام تھا۔وہ اپنی طرف سے اس میں کچھ بھی حذف واضافہ نہیں کر سکتے تھے اور نہ ایسی بات پیش کرنے کے مجاز تھے جو منشائے الٰہی کے خلاف ہو۔ نبی اکرمؐ کے متعلق جو اعتراضات کیے گئے منسوب کی گئیں، اس کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ۝ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۝ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ۝

(الحاقۃ:۴۴-۴۷)

”اور اگر یہ (نبی) خود گھڑ کر کوئی بات ہماری طرف منسوب کر دیتا تو ہم دائیں ہاتھ سے پکڑ کر اس کی رگ گردن کاٹ دیتے، پھر تم میں سے کوئی اس میں حائل ہونے والا نہ ہوتا۔“

قرآن مجید کے الہامی کتاب ہونے کی بڑی واضح دلیل یہ بھی ہے کہ اس میں کئی مقامات پر براہ راست حضورؐ کی بعض چیزوں کے تعلق سے گرفت کی گئی ہے اور انہیں ایسا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔مثلاً آپ کے چچا ابوطالب قریب المرگ تھے۔آپؐ آخر وقت میں ان سے کہتے ہیں کہ چچا اب بھی وقت ہے میری نبوت کا اقرار کر لیجئے میں قیامت میں آپ کی سفارش کا مجاز ہو جاؤں گا۔ یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا۔اس کا آپ کو بہت قلق ہوا۔ نبیؐ کے اس فعل پر اللہ تعالیٰ نے خبردار کیا اور فرمایا اے نبیؐ، تمہارا کام حق کو پہنچا دینا ہے، کون ہدایت قبول کرے گا اور نہ کرے گا، اس کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے۔(القصص:۵۶) اسی طرح ایک موقع پر آپ نے اپنے اوپر شہد حرام کر لیا تھا۔اس وقت اللہ نے فرمایا: جس چیز کو اللہ نے حلال کر دیا ہے، اسے آپ

حرام نہیں کر سکتے۔ (التحریم:۱) منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھانے کے ارادے پر اللہ نے آپ سے فرمایا: تم ان کی استغفار کی دعا کرو گے بھی تو ایسے منافقین کو بخشا نہ جائے گا۔ (التوبہ:۸۰) اسی طرح مکی زندگی کے ابتدائی سالوں میں آپ بعض سرداران قریش کو اللہ پر ایمان لانے کی تلقین کر رہے تھے اور ان سے کچھ بہتر توقع رکھتے تھے کہ اچانک ایک نابینا صحابی حضرت ابن ام مکتومؓ وہاں پہنچ گئے۔ ایسے وقت میں ان کا یہاں آنا حضورؐ کو ناگوار معلوم ہوا۔ اللہ نے فوراً آپ کی گرفت کی، جس کی تفصیل 'سورۂ عبس' میں موجود ہے۔ اتنی سخت گرفت کا تذکرہ کوئی مصنف اپنی کتاب میں نہیں کر سکتا ہے۔ وہ کوئی کتاب تحریر کرتا ہے تو اس کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ اس میں کوئی ایسی بات نہ آنے پائے جو قابل اعتراض ہو۔ خاص طور پر اپنی ذات کے متعلق اس طرح کی باتوں کا ذکر مصنف کی تصنیف کو مجروح ہی کرے گا نہ کہ مقبول۔

عرب کے ماحول میں قرآن کی تصنیف ناممکن تھی

قرآن کریم میں بہت سے ایسے واقعات بیان ہوئے ہیں جن کا تعلق گزشتہ قوموں اور امتوں سے ہے۔ اس کا ذکر سابقہ آسمانی کتابوں میں بھی نہیں ملتا۔ ان آسمانی کتابوں کے عالموں اور اس مذہب کے راہبوں کے حافظہ میں وہ باتیں کہاں سے آسکتی تھیں جن کے بارے میں ان لوگوں نے کسی کتاب میں نہیں پڑھا اور نہ کسی سے سنا۔ اگر رسول امیؐ نے اہل کتاب سے جو باتیں سیکھیں جیسا کہ کفار و مشرکین باور کراتے تھے اور جیسا کہ مستشرقین کا دعویٰ ہے تو وہ وہیں تک محدود رہتیں۔ اس سے آگے بڑھ کر قرآن میں جو حقائق بیان ہوئے ہیں وہ کہاں کی پیداوار ہیں۔ اسی کے ساتھ قرآن تمام سابقہ آسمانی کتابوں کی تصدیق بھی کرتا ہے۔ یقیناً اس کے پیچھے کوئی ایسی ہستی ضرور ہے جو علیم و خبیر اور قادر مطلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت کے دوران ایسے واقعات سامنے آتے ہیں جو چونکا دینے والے ہیں۔ اب لامحالہ ذہن اس بات کی طرف مائل ہوتا ہے کہ ایسا جامع کلام پیش کرنے والا انسان نہیں ہوسکتا اور عرب کے ماحول میں ایسی کتاب کی تصنیف ممکن بھی نہ تھی، جیسا کہ عبدالقادر جیلانی لکھتے ہیں:

> ''یہ مسئلہ اس وقت تک حل طلب ہی رہے گا جب تک کہ وحی الٰہی کو ذریعہ علم تسلیم نہیں کیا جاتا اور جوں ہی وحی کو اس کا ذریعہ تسلیم کرلیا جائے تمام مسائل خود بخود حل ہو جاتے ہیں کہ تمام صحف سماوی کا تعلق ایک ہی سرچشمہ ہدایت سے ہے، جس کے

باعث ان میں مماثلت پائی جاتی ہے۔قرآن میں عہد نامہ قدیم وجدید کے مذکور انبیاء کا تذکرہ اسی لیے بار بار ہوتا ہے کہ وہ بھی انسان اور عالم بالا کے درمیان واسطہ تھے۔ جس طرح پیشہ ور طبقے مثلاً مورخ، سائنس داں، اطبا، فلسفی، سب کے سب اپنے پیش رو مشاہیر سے اپنا تعلق قائم رکھتے ہیں۔اسی طرح اگر سلسلہ توحید میں یہی تعلق نظر آتا ہے تو اس میں حیرت کی کون سی بات ہے؟ کوئی بھی شخص جو کسی صحیفہ سماوی کا قائل ہو قرآن کے صحیفہ سماوی ہونے سے انکار نہیں کرسکتا۔قرآن ہر پہلو سے دیگر صحف سماوی سے اعلیٰ وارفع ہے۔"(۲۶)

یک بارگی قرآن کے نازل نہ ہونے سے کلام الٰہی کی نفی نہیں ہوتی

قرآن کریم کا نزول حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا ہوا۔جس وقت جیسی ضرورت درپیش تھی، اللہ تعالیٰ نے جبرئیلؑ کے ذریعہ محمدؐ پر نازل کیا۔اس پر کفار مکہ کہتے کہ اگر یہ اللہ کا کلام ہوتا تو پورا کا پورا ایک ہی بار مکمل کتاب کی شکل میں نازل ہوتا۔محمدؐ کو جس دن جتنی آیات یاد اور محفوظ ہوجاتی ہیں، اسے دوسروں تک پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے جسے فرشتہ لے کر آیا ہے۔حالاں کہ ایسا کرنے کی مصلحت کیا تھی وہ سب پر واضح ہے۔اگر کلام الٰہی یک بارگی نازل ہوجاتا تو یہ ایک بارگراں ہوتا، جس سے استفادہ مشکل ہوجاتا۔ان کے اس الزام اور اعتراض کا ذکر کرکے اس کا جواب قرآن میں اس طرح دیا گیا ہے اس اس کی حکمت و مصلحت کو بھی بیان کردیا گیا:

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۛ كَذٰلِكَ ۛ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا۝ وَ لَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اَحْسَنَ تَفْسِيْرًا۝ (الفرقان:۳۲-۳۳)

"منکرین کہتے ہیں اس شخص پر سارا قرآن ایک ہی وقت میں کیوں نہ اتار دیا گیا؟ ہاں ایسا اس لیے کیا گیا ہے کہ (اے نبیؐ) اس کو اچھی طرح ہم تمہارے ذہن نشین کرتے رہیں اور (اسی غرض کے لیے) ہم نے اس کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ الگ الگ اجزا کی شکل دی ہے اور (اس میں یہ مصلحت بھی ہے) کہ جب کبھی وہ تمہارے سامنے کوئی نرالی بات (یا عجیب سوال) لے آئے، اس کا ٹھیک جواب بروقت ہم نے تمھیں بتادیا اور بہترین طریقے سے بات کھول دی۔"

قرآن ایک عظیم معجزہ اور جملہ علوم وفنون کا مجموعہ ہے

اپنے تجربات ومشاہدات اور علمی تحقیقات کو دوسروں تک منتقل کرنے کا کام ہر زمانے میں لوگوں نے انجام دیا ہے۔ ہم اس کا صحیح طور سے احاطہ نہیں کر سکتے۔ انسانی زندگی اور اس کی ضرورت کا کون سا ایسا گوشہ ہے جسے موضوع بحث نہ بنایا گیا ہو۔ لیکن جب یہ چیزیں منظر عام پر آئیں تو اس میں تشنگی اور کمی پائی گئی ہے۔ اس کے برخلاف ۱۱۴ چھوٹی بڑی سورتوں پر مشتمل کتاب قرآن کریم اتنی جامع اور مکمل ہے کہ اس میں دنیا کی ہر چیز کو کھول کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔ جملہ افکار وخیالات کی نشان دہی کر دی گئی ہے، روز وشب گزارنے کے اصول بیان کر دیے گئے ہیں، حق و باطل اور حرام وحلال کو واضح کر دیا گیا ہے، جزا وسزا کا مدار متعین کر دیا گیا ہے، آئندہ رونما ہونے والے واقعات وتغیرات سے پردہ اٹھا دیا گیا ہے، پچھلی امتوں اور نبیوں و رسولوں کے احول وکوائف سے بھی روشناس کرا دیا گیا ہے۔ گویا کہ دنیا کی ہر چیز کا اس میں اجمالی یا تفصیلی ذکر ہے اور چشم بصیرت رکھنے والوں کے لیے عبرت ونصیحت بھی ہے۔ اس کا ایک ایک جملہ اتنا جچا تلا اور ادبیت واعجاز سے لبریز ہے کہ اگر آدمی اس کی تفسیر وتعبیر کے لیے قلم اٹھائے تو وہ اس کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ یہ باتیں خود اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ انسانی کلام نہیں ہے۔ بھلا ایک 'امی' اتنی جامع کتاب کیسے تصنیف کر سکتا ہے جس نے اپنے زمانہ آغاز سے لے کر آج تک دنیا میں ہلچل مچا رکھی ہے۔ لہٰذا اس عظیم کتاب کو ایک عظیم معجزہ کے طور پر ہی تسلیم کرنا چاہیے۔ خود نبی اکرمؐ نے فرمایا:

> ”پیغمبروں میں سے ہر پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے کچھ نہ کچھ معجزات عطا کیے، جسے دیکھ کر لوگ ایمان لائے۔ لیکن جو معجزہ مجھے عنایت کیا گیا وہ وحی (قرآن) ہے۔ جس کو اللہ نے مجھ پر اتارا ہے۔ اس لیے میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن میری اتباع کرنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔“(۲۷)

قرآن کریم کی جامعیت کا اندازہ اس روایت سے بھی لگایا جا سکتا ہے:

> ”حارث الاعورؓ بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد سے گزرا۔ میں نے دیکھا کہ لوگ بحث کر رہے تھے۔ میں حضرت علیؓ کے پاس گیا اور کہا امیر المومنین! کیا آپ نہیں دیکھ رہے ہیں کہ لوگ آپس میں مناظرہ کر رہے ہیں۔ فرمایا: کیا وہ ایسا ہی کرتے

ہیں؟ میں نے کہا: ہاں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ عنقریب فتنوں کا دروازہ کھل جائے گا۔ میں نے پوچھا کہ فتنوں سے بچاؤ کا راستہ کیا ہے؟ فرمایا: فتنوں سے بچانے والی چیز اللہ کی کتاب قرآن مجید ہے۔ یہ قرآن وہ کتاب ہے جس میں تم سے پہلی قوموں کی (ہدایت وضلالت، عروج وزوال کی) خبریں موجود ہیں اور تمہارے بعد کی خبریں بھی (جو زندگی میں اس کے بعد موت کے وقت اور قبر و حشر میں تمہارے سامنے آنے والی ہیں)۔ اور اس میں ان تمام اختلافات اور جھگڑوں کا حل موجود ہے جو تمہارے درمیان پیدا ہو سکتے ہیں۔ یہ قرآن حق و باطل میں فیصلہ کرنے والی کتاب ہے۔ اس میں ایک چیز بھی ایسی نہیں جس کو فضول، بے کار اور ہزل کہا جا سکے۔ یاد رکھو جو شخص اپنے غرور و شر کی وجہ سے قرآن شریف پر توجہ نہ دے گا، اللہ اسے پاش پاش کر دے گا اور جو کوئی اس قرآن سے ہٹ کر کہیں دوسری جگہ ہدایت و کامیابی اور خدا ترسی کی راہ ڈھونڈے گا، اللہ پاک اسے گم راہی کے غار میں ڈھکیل دے گا۔ یہ قرآن اللہ پاک کی مضبوط رسی ہے۔ یہ ایسی نصیحت ہے جس کی پختگی میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں اور یہی صراط مستقیم ہے۔ یہ وہ محکم اور مضبوط کتاب ہے کہ خواہشات کے پیچھے لگنے والے اس میں تبدیلی نہیں کر سکتے۔ یہ مقدس کتاب ہے جس کو مختلف زبانوں والے لوگ پڑھیں گے، مگر ان کی مختلف بولیوں کا اس پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔ یہ وہ علمی خزانہ ہے جس کے حاصل کرنے سے قدر دان علم سیراب نہیں ہوتے اور نہ کثرت تلاوت سے یہ کتاب پرانی ہوتی ہے۔ یہ وہ نادر کتاب ہے جس کے اندر بیان کردہ عجائبات کی کوئی حد نہیں۔ ہاں یہی وہ کتاب ہے جسے سن کر جنات کو اقرار کرنا پڑا اور وہ کہنے لگے کہ ہم نے ایک عجیب کتاب سنی ہے جو یقیناً خدائی الہام ہے، پس ہم اس پر ایمان لائے۔ یہ کتاب سراسر رشد و ہدایت کا خزانہ ہے۔ یہ وہ کتاب ہے کہ جس نے اس کے ساتھ کوئی بات منھ سے نکالی وہ یقیناً سچا ہے اور جس نے اس پر عمل کیا اس کو ثواب حاصل ہوگا اور جس نے اس کو قانون ٹھہرایا اس نے عدل کیا اور جس نے اس کی طرف دعوت دی وہ یقیناً صراط مستقیم کا ہادی ہوا۔ (اے اعور اس کو لے لو)۔"(۲۸)

آپؐ کے دست مبارک سے یوں تو بہت سارے معجزات صادر ہوئے، مگر سوائے قرآن کے کسی معجزہ کو کسی چیلنج کے مقابلے میں حضورؐ نے پیش نہیں کیا۔ لوگوں نے آپ سے نبوت

کی نشانی مانگی تو آپؐ نے قرآن ہی کو جواب میں پیش کیا۔ جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قرآن ہی آپؐ کا سب سے عظیم معجزہ ہے، جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا قاصر و عاجز ہے۔

قرآن کریم آج تک تحریف وتبدیل سے پاک ہے

کچھ عرصہ پہلے جرمنی کے عیسائی پادریوں نے سوچا کہ حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں جو انجیل آرامی زبان میں تھی، وہ اب دنیا میں نہیں پائی جاتی۔ اس وقت جو انجیل کا نسخہ پایا جاتا ہے وہ یونانی زبان میں ہے، اسی سے دوسری زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے ہیں۔ لہٰذا یونانی زبان کے مخطوطات کو جمع کیا جائے اور ان کا آپس میں مقابلہ کیا جائے۔ بڑی محنت کے بعد دستیاب نسخے جمع کیے گئے اور ان کے ایک ایک لفظ کا باہم مقابلہ کیا گیا، اس کی رپورٹ شائع کی گئی اور بتایا گیا کہ ان میں کوئی دو لاکھ اختلافی روایات ملتی ہیں، اس کے بعد یہ جملہ بھی تحریر کیا گیا کہ ان میں سے ۸/۱۱ اہم ہیں۔ اس رپورٹ کے کچھ عرصہ بعد لوگوں کے اندر قرآن کے متعلق حسد پیدا ہوا کہ قرآن کا بھی آپس میں موازنہ کیا جائے، چنانچہ اس کے لیے جرمنی کی میونخ یونیورسٹی میں ایک ادارہ قائم کیا گیا۔ اس کا نام رکھا گیا ''قرآن مجید کی تحقیقات کا ادارہ۔'' اس کا مقصد یہ تھا کہ پوری دنیا سے قرآن مجید کے قدیم ترین نسخوں کو کسی بھی طرح حاصل کیا جائے۔ جمع کرنے کا یہ سلسلہ تین نسلوں تک جاری رہا ۱۹۳۳ء میں اس کے تیسرے ڈائرکٹر پریتیسل نے بتایا کہ اس ادارہ میں قرآن مجید کے ۴۲ ہزار نسخوں کے فوٹو موجود ہیں اور مقابلے کا کام جاری ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں اس ادارے کی عمارت پر ایک امریکی بم گرا اور عمارت و کتب خانہ سب برباد ہو گیا۔ لیکن اس حادثہ سے کچھ ہی پہلے ایک عارضی رپورٹ شائع ہوئی تھی، اس کے الفاظ یہ ہیں کہ قرآن مجید کے نسخوں میں مقابلے کا جو کام ہم نے شروع کیا وہ ابھی مکمل نہیں ہوا ہے، لیکن اب تک جو نتیجہ نکلا ہے وہ یہ کہ ان نسخوں میں کہیں کہیں کتابت کی غلطیاں تو ملتی ہیں لیکن اختلاف روایت ایک بھی نہیں ہے۔(۲۹) اس سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جانا چاہیے کہ اللہ نے خود اس کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (الحجر:۹)

''ہم نے ہی اس ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔''

تحریف قرآن کی تمام کوششیں ناکام ہوں گی

اپنی برتری کو دنیا میں تسلیم کرانے کے لیے اہل مغرب قرآن کو الہامی اور دنیا کی عظیم ترین کتاب ماننے سے انکار کرتا ہے۔اس کی ڈھٹائی کا یہ عالم کہ وہ اپنی کتابوں کی طرح قرآن مقدس میں بھی تحریف وترمیم کے عمل سے گزرنے کا دعویٰ کرتا ہے۔جب کہ یہ بات تسلیم کی جاچکی ہے کہ آج تک اس میں ایک لفظ کا بھی حذف واضافہ نہیں کیا گیا ہے۔اس دعوی کو مشکوک ٹھہرانے کے لیے مغرب نے ایک ناکام اور بے ہودہ کوشش یہ کی کہ قرآن کے مقابل ایک کتاب 'الفرقان الحق' کے نام سے گھڑ ڈالی اور اسی نہج پر اس کتاب کی ترتیب وتدوین کی اور اس میں پیش کی گئی سورتوں کا نام بھی اسی انداز پر رکھا۔مگر جب 'الفرقان الحق' منظر عام پر آئی تو مغربی ذہنیت کا پول کھل گیا اور کسی نے بھی اس کوشش کو نہیں سراہا، بلکہ ہر طرف سے اس پر صدائے احتجاج بلند ہوئی۔چند دنوں کے بعد ہی یہ فتنہ خود بہ خود سرنگوں ہوگیا۔عبدالرحمٰن ابن جوزی لکھتے ہیں:

> "ہمارے نبیؐ کے صدق دعویٰ اور حقانیت رسالت پر سب سے بڑی دلیل اور برہان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹے دعوے دار کو بہت کم مہلت دیتا ہے، پھر اس کو عذاب میں مبتلا کر کے بیخ وبن سے اکھیڑ پھینکتا ہے۔تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ ایسی ذات کو جو اس پر بہتان باندھے اور افترا کرے، سالہا سال تک مہلت دے۔"(۳۰)

قرآن ایک زندہ حقیقت ہے اور لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل کی گئی ہے، اس لیے وہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔اس طرح کی جو بھی بیہودہ کوشش کی جائے، اس کا لغو ہونا دنیا پر واضح ہوکر رہے گا۔کیوں کہ خود باری تعالیٰ فرماتا ہے:

> اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ﴿٤١﴾ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴿٤٢﴾ (حٰم السجدہ:۴۱-۴۲)

> "یہ وہ لوگ ہیں جن کے سامنے کلام نصیحت آیا تو انہوں نے اسے ماننے سے انکار کردیا، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک زبردست کتاب ہے۔باطل نہ سامنے سے اس پر آسکتا ہے نہ پیچھے سے۔یہ ایک حکیم وحمید کی نازل کردہ کتاب ہے۔"

☆☆☆

مآخذ و مراجع

(۱) ڈاکٹر محمد ثناء اللہ ندوی (مرتب) عربی اسلامی علوم اور مستشرقین (مجموعہ مقالات عربی) توحید ایجوکیشنل ٹرسٹ، کشن گنج، ۲۰۰۳ء، ص:۱۱، مضمون نگار: ڈاکٹر التہامی القرہ، مضمون: مستشرقین اور قرآن

(۲) ایضاً

(۳) ایضاً، ص:۱۲

(۴) ایضاً، ص:۱۱

(۵) G.Sale.The Koran,New York,1890,P:48

(۶) ڈاکٹر عبدالقادر جیلانی، اسلام، پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، اریب پبلیکیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۷ء، ص:۱۸۹-۱۹۰

(۷) ابومحمد عبدالملک بن ہشام، سیرۃ النبیؐ، مطبعۃ حجازی، قاہرہ، ۱۹۳۷ء، ج:۱، ص:۲۴۰

(۸) ایضاً، ج:۱، ص:۳۳۷-۳۳۸

(۹) ایضاً، ج:۱، ص:۲۸۳-۲۸۴

(۱۰) ایضاً، ج:۱، ص:۳۱۳-۳۱۴

(۱۱) ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمٰن بنت الشاطی، قرآن کریم کا اعجاز، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۱۹۹۹ء، ص:۶۹

(۱۲) عزالدین ابن الاثیر جزریؒ، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ، دارالشعب، قاہرہ، ج:۴، ص:۵۱۶

(۱۳) عبدالرحمٰن ابن جوزیؒ، الوفا باحوال المصطفیٰ (اردو ترجمہ) اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۸۳ء، ص:۳۱۶

(۱۴) ایضاً، ص:۳۱۹

(۱۵) سیرۃ النبیؐ، ج:۱، ص:۳۶۵-۳۶۸

(۱۶) صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب قصۃ اسلام ابی ذر الغفاری

(۱۷) مسند احمد، ج:۱، ص:۳۱۸

(۱۸) صحیح البخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورہ طور

(۱۹) سیرۃ النبیؐ، ج:۱، ص:۴۰۷-۴۱۰

(۲۰) مسند احمد، ج:۴، ص:۳۳۵

(۲۱) سیرۃ النبیؐ، ج:۲، ص:۳۰

(۲۲) ایضاً، ج:۱، ۳۹۶

(۲۳) ایضاً، ج:۲، ص:۳۸

(۲۴) ایضاً، ج:۱، ص:۳۵۹

(۲۵) ایضاً، ج:۱، ص:۴۱۸-۴۱۹

(۲۶) اسلام، پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، ص:۲۴۹-۲۵۰

(۲۷) صحیح البخاری، کتاب الاعتصام، باب قول بعثت بجوامع الکلم

(۲۸) سنن ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ماجاء فی فضل القرآن

(۲۹) ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ، خطبات بھاول پور، اسلامک بک فاؤنڈیشن، دہلی، ۱۹۹۷ء، ص:۳۴-۳۵

(۳۰) الوفا باحوال المصطفیٰ، ص:۳۰۳

☆☆☆

باب چہارم

معجزات نبوی ﷺ کی حقیقت

انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ رونما ہونے والے خوارق عادات واقعات کے لیے قرآن وحدیث میں آیات وبیّنات اور براہین کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ محدثین ان کے لیے دلائل اور علامات کی تعبیر استعمال کرتے ہیں۔ متکلمین اور فلاسفہ کی اصطلاح میں انہیں معجزہ کہا جاتا ہے۔(۱) آخر الذکر اصطلاح اتنی مشہور اور مروج ہوگئی کہ بغیر کسی تدبر و تفکر کے لوگوں کا ذہن اس طرف مائل ہوجاتا ہے۔ بعض وقت انبیائے کرام کے ذریعے کوئی ایسا غیر معمولی خرق عادت واقعہ رونما ہوا، جس کی تعبیر نہیں کی جاسکتی کہ یہ کیوں اور کیسے ہوا؟ بلکہ اس پر ایمان لانا اور یقین کرنا ضروری ہے۔ ایسے اعتقادی مسئلہ پر بھی حضور اکرم ﷺ کے حوالے سے مستشرقین نے متعدد قسم کے اعتراضات کیے ہیں اور اس کا انکار کیا ہے۔ سطور ذیل میں اسی اعتراض کا جائزہ لیا گیا ہے۔

معجزات بے وجہ رونما نہیں ہوتے

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کو نبی بنا کر مبعوث فرماتا ہے تو ان کے مخاطبین میں سے جن کے قلوب زنگ آلود ہوتے ہیں وہ اپنے مفاد کو مجروح ہوتا ہوا دیکھ کر ان سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی کوشش کرتے اور ان کی پیش کردہ تعلیمات کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اس کے باوجود کوئی بات نہیں بنتی تو وہ یہ مطالبہ بھی کرنے لگتے ہیں کہ اگر تم واقعی اللہ کے نبی ہو تو کوئی ایسا خرق عادت واقعہ دکھاؤ جو قوانین فطرت کے خلاف ہو اور جسے ہماری آنکھوں نے نہ دیکھا اور کانوں نے سنا ہو۔(۲) ایسے نازک ترین لمحات میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی کی صداقت کے لیے اپنی مداخلت سے کوئی نہ کوئی خرق عادت واقعہ رونما فرماتا ہے۔(۳) اسے دیکھ کر بعض لوگ

ایمان لے آتے ہیں اور بعض اس کا انکار کر دیتے ہیں اور اسے سحر و جادو کہہ کر بے معنی بتا دیتے ہیں۔ قرآن کریم میں ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑥ (الصف:٦)

''مگر جب وہ ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آیا تو انہوں نے کہا یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔''

انبیائے سابقین اور معجزات

انسانیت کی ہدایت و رہنمائی کے لیے بڑی تعداد میں انبیائے کرام دنیا کے مختلف خطوں میں مبعوث کیے گئے: وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ⑦ (الرعد:٧) (اور ہر قوم کے لیے ایک رہنما ہے) اور اس قسم کی دوسری آیتوں کا یہی مطلب ہے۔ قرآن کریم کی مختلف آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ سب کے سب انبیاء صاحب معجزہ ہوئے ہیں:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ (الحدید:٢٥)

''ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی۔''

ایک اور جگہ پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ بِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ⑱ (آل عمران:١٨٣)

''ان سے کہو:'' تمہارے پاس مجھ سے پہلے بہت سے رسول آ چکے ہیں، جو بہت سی روشن نشانیاں لائے تھے اور وہ نشانی بھی لائے تھے جس کا ذکر تم کرتے ہو۔ پھر (ایمان لانے کے لیے یہ شرط پیش کرنے میں) تم سچے ہو تو ان رسولوں کو تم نے قتل کیوں کیا۔''

ایک حدیث میں نبیؐ نے اسی حقیقت کو اس طرح واضح کیا ہے:

'ہر نبی کو کچھ ایسی باتیں (بطور معجزہ) دی گئیں جن کو دیکھ کر لوگ اس پر ایمان لائے۔''(۴)

انبیائے سابقین کے بعض معجزات

حالات اور ضرورت کے تحت انبیائے کرام کے ذریعے معجزات رونما ہوئے کسی کو کوئی ایک معجزہ دیا گیا تو کسی کو کوئی دوسرا۔ جس وقت جس قسم کے معجزات کی ضرورت تھی اسی سے انہیں نوازا گیا۔ قرآن مجید میں بعض انبیاء کے معجزات کا ذکر ہوا ہے۔ یہاں ان میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے:

حضرت ابراہیمؑ نے نمرود کے سامنے خدا کی وحدانیت کا اقرار کیا اور ان کے خود ساختہ معبودوں کی تغلیط کی تو نمرود نے آگ روشن کی اور جب وہ بھڑکنے لگی تو ان کو پکڑ کر اس میں پھینک دیا۔ مگر آگ نے ان کو جلایا نہیں، بلکہ وہ گلزار بن گئی۔ (الانبیاء:۶۸-۷۰)

حضرت صالحؑ کو قوم ثمود کے لیے ایک اونٹنی دی گئی، تاکہ ان کی قوم اس معجزہ سے متاثر ہو کر ایمان لے آئے۔ مگر انہوں نے ایمان لانے کے بجائے اس اونٹنی کو ہی پکڑ کر ماردیا۔ (ہود:۶۴)

حضرت داؤدؑ کے لیے پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کردیا گیا تھا۔ (ص:۱۸-۱۹)

حضرت سلیمانؑ کے لیے ہوا، جنات اور جانوروں کو مسخر کردیا گیا۔ (النمل:۱۷) ملکہ سبا اور اس کے تخت کو سلیمانؑ کے دربار میں آن واحد میں پہنچادیا گیا۔ (النمل:۴۰)

حضرت موسیٰؑ کو بہت سے معجزات عطا ہوئے۔ ان کا ذکر قرآن کریم کی مختلف آیات میں ہوا ہے۔ خاص طور پر من وسلویٰ، عصائے موسیٰ کا اژدہا بن جانا، پتھروں پر عصا مارنے سے پانی کے چشمے کا ابلنا، دریائے نیل سے عبور کرنا وغیرہ۔ (البقرہ:۵۷۔الاعراف:۱۶۰۔طٰہٰ:۱۹۔البقرہ:۵۰،۶۰)

حضرت عزیرؑ کو سوسال تک موت کے آغوش میں رکھنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا گیا۔ اس عرصے میں ان کا سامان خورد ونوش ویسا ہی محفوظ اور تروتازہ رہا۔ جب کہ ان کا گدھا گل سڑ کر ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گیا، جسے دوبارہ اللہ نے گوشت وپوست عطا کیا۔ (البقرہ:۲۵۹)

حضرت عیسیٰؑ کو بھی اہم معجزات عطا کیے گئے۔ بغیر باپ کے ان کی پیدائش ہوئی۔ (آل عمران:۴۵-۴۶) گہوارہ میں ہی اللہ نے انہیں گویائی عطا کی۔ (مریم:۳۰) پیدائشی طور پر انہیں کتب سماوی پر عبور اور مہارت دی گئی۔ (آل عمران:۴۸-۵۰) وہ مٹی کے جانور بناتے اور پھونک مارتے تو اللہ کے اذن سے اس میں زندگی پیدا ہوجاتی۔ مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو چھودیتے

تو اچھے ہو جاتے۔(آل عمران:۴۹) اللہ نے انہیں جسم و روح سمیت آسمان پر اٹھالیا تا کہ کوئی انہیں گزند نہ پہنچا سکے۔(النساء:۱۰۸)

ان کے علاوہ اور بھی انبیاء ہیں جن کو اللہ نے معجزات سے نوازا۔لیکن خاص طور پر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم اسلام کے معجزات زیادہ تفصیل اور تکرار کے ساتھ قرآن میں بیان ہوئے ہیں۔اس لیے کہ نزول قرآن کے وقت انہی دونوں انبیاء کی امتیں عرب میں موجود تھیں۔(۵) ان معجزات سے عبرت ونصیحت ضرور حاصل کی جاسکتی ہے۔قرآن میں اسی غرض کے تحت ان معجزات کا ذکر کیا گیا ہے۔

حضورؐ کے معجزات کو بھی تسلیم کرنا چاہیے

آپؐ کے تمام معجزات میں سب سے اہم معجزہ قرآن کریم ہے۔جب دوسرے انبیاء کے معجزات کے رونما ہونے پر کسی کو کوئی اشکال نہیں اور جسے سب نے تسلیم کیا ہے،تو پھر کیا وجہ ہے کہ صرف نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو ماننے سے انکار کیا جاتا ہے۔معترضین کہتے ہیں کہ وہ معجزات جو آخری نبیؐ سے منسوب ہیں،صرف ان کی ذات کو دیگر انبیاء کے ہم پلہ ثابت کرنے کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔(۶) اس نظریہ کے حامل لیبان،اوگست کانٹ،ہیوم اور گولڈزیہر وغیرہ ہیں۔(۷) سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ معجزات جو صرف قرآن سے ثابت ہیں، مثلاً آپ کا امی ہونا،سیر سماوات (اسراء ومعراج)،باری تعالیٰ سے ہم کلامی،انگلی کے اشارہ سے چاند کا دوٹکڑے ہونا،شق صدر کا واقعہ پیش آنا وغیرہ کا انکار کیسے کیا جاسکتا،جن کے ثبوت کے لیے وافر دلائل موجود ہیں۔دراصل ان معجزات کے تسلیم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ بندہ خدا کے قادر مطلق ہونے پر یقین کرے۔

حضورؐ کو مختلف طبائع کے لحاظ سے معجزات عطا کیے گئے

حضورؐ کی بعثت اس وقت ہوئی جب کہ اہل کتاب عرب میں بہ کثرت موجود تھے۔لیکن انہوں نے اپنے انبیاء کی تعلیمات کو نہ صرف بھلادیا تھا،بلکہ اس میں تلبیس وتحریف بھی کردی تھی۔انبیائے سابقین کسی ایک قوم یا ملک یا خطے کے لیے آئے تھے اور ان کے مخاطبین بھی وہی

لوگ تھے۔ جب کہ حضرت محمدؐ پوری دنیا کے لیے اور قیامت تک کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ ان سب کے طبائع اور فکر و خیالات میں اختلاف تھا، اس لیے آپؐ کو جو معجزے عطا کیے گئے ان میں ان باتوں کا بھی خیال رکھا گیا۔ اس لیے آپ کو تمام انبیاء سے زیادہ معجزے دیے گئے۔

قاضی ابوالفضل عیاض مالکیؒ فرماتے ہیں:

> حقیقت یہ ہے کہ ہمارے نبی کریمؐ کے معجزات تمام انبیاء مرسلین کے معجزات سے بہت وافر و زیادہ اور خوب ظاہر و واضح ہیں، بلکہ اکثر معجزے ایسے عطا ہوئے جو کسی نبیؑ میں دیے گئے اور جتنے معجزات انبیاء کو مرحمت ہوئے یا تو ان کی مثل یا ان سے زیادہ بلیغ ہمارے سردار سید عالمؐ سے ظاہر ہوئے ہیں۔" (۸)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی نوعیت

حضور کو بہ کثرت معجزے عطا کیے گئے، تا کہ کفار و مشرکین پر واضح ہو جائے کہ واقعی آپؐ نبی برحق ہیں۔ مگر ان معجزات سے بھی ان کو تشفی نہ ہوئی اور وہ برابر آپ کی تکذیب کرتے رہے (یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان کی روشنی نہ ڈال دی۔) پھر معجزات بھی مختلف نوعیت کے تھے۔ بعض معجزے تو آپ نے لوگوں کی ہدایت کے لیے پیش کیے، بعض سے ڈرانا مقصود تھا اور بعض معجزے ایسے بھی رونما ہوئے جن سے کفار و مشرکین کی ہلاکت مقصود تھی۔ بعض علماء کے نزدیک غزوہ بدر کا واقع ہونا کفار مکہ کے لیے کے معجزہ ہلاکت تھا۔ (۹)

آپ کے ہاتھوں ایسے بھی معجزات رونما ہوئے جو صرف اہل ایمان کی بعض ناگزیر ضرورتوں کی تکمیل کے لیے تھے، تا کہ ان پر یہ واضح ہو جائے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مخصوص بندوں سے تنگی اٹھا لیتا ہے۔

معجزات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعداد

آپؐ کو عطا کردہ معجزات کی تعداد بہت ہے۔ بعض علماء نے اس کی تعداد بھی متعین کی ہے اور اس پر مستقل ضخیم کتابیں بھی تحریر کی ہیں۔ خاص طور سے امام بیہقیؒ اور امام ابونعیمؒ کی 'دلائل النبوۃ' اور جلال الدین السیوطیؒ کی 'خصائص کبریٰ' اہمیت کی حامل ہیں۔ اردو زبان میں بھی اس

موضوع پر بہت کام ہوا ہے۔ ان کتابوں میں آپؐ کے معجزات تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں کہ امام مسلمؒ نے شرح مسلم کے مقدمے میں لکھا ہے کہ نبیؐ کے معجزات کی تعداد ایک ہزار دو سو سے زیادہ ہے۔ امام بیہقیؒ کے بقول معجزات کی تعداد ایک ہزار تک پہنچتی ہے۔ یہی رائے حنفیہ میں علامہ زاہدیؒ کی بھی ہے اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ آپؐ کے معجزات کی تعداد تین ہزار تک پہنچ جاتی ہے۔(۱۰) علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں: اسلامی روایات میں صحیح معجزات نبویؐ کی شہادت اس قدر بلند ہے کہ دنیا کی کوئی تاریخی روایت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور اس سے معجزات اور خوارق عادات کا وقوعی ثبوت بہم پہنچتا ہے۔(۱۱) ڈاکٹر شیخ محمد سعید رمضان البوطیؒ لکھتے ہیں: اگر ہم نبیؐ کی زندگی کے حالات اور سیرت طیبہ میں غور و فکر کریں گے تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ پر بہت سے معجزات ظاہر کئے جن سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں، کیونکہ وہ ایسی صحیح اور متواتر سندوں سے نقل ہوئے ہیں جو فکر اور عقل کی قطعیت اور یقین کے درجے تک پہنچتی ہیں۔(۱۲)

معجزات نبویؐ کی قسمیں

نبی کریمؐ کو جو معجزات عطا کیے گئے وہ دو قسم کے تھے:

(۱) معجزہ عقلی

(۲) معجزہ حسی

جس معجزہ کے سمجھنے میں عقل کی ضرورت پیش آتی ہے، اسے 'عقلی' معجزہ کہا جاتا ہے۔ اسے وہی لوگ سمجھتے ہیں جو دانش منداور فہیم ہوتے ہیں۔ اور معجزات 'حسی' وہ خرق عادت امور ہیں جن کا ادراک حواس کے ذریعہ ہوتا ہے۔ انہیں ایسے ہی لوگ طلب کرتے ہیں جن کو عقلی اصول سمجھنے کا سلیقہ نہیں ہوتا یا ضدی اور عنادی ہوتے ہیں۔

ان دونوں قسم کے معجزات کی مزید دو قسمیں ہیں:

معجزات علمیہ

معجزات عملیہ

معجزات 'علمیہ' ایسے معجزات کو کہا جاتا ہے کہ مدعی نبوت کے ہاتھوں کوئی ایسا عمل ظاہر

ہو کہ اس جیسا کام کرنے سے سب عاجز اور درماندہ ہوں۔ جب کہ معجزات 'عملیہ' ایسے معجزات کو کہتے ہیں کہ مدعی نبوت سے ایسے علوم و معارف ظاہر ہوں کہ ساری دنیا ان کے مثل اور مقابلہ میں کوئی چیز پیش نہ کر سکے۔

آپؐ کے معجزات میں اتنی وسعت کیوں رکھی گئی۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا ادریس کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

"آں حضرتؐ کی نبوت و رسالت چوں کہ تمام عالم کے لیے ہے اور قیامت تک کے لیے ہے۔ اس لیے حق جل شانہ آپ کو جملہ اقسام عالم سے معجزات اور نشانات عطا فرمائے۔ تاکہ عالم کی ہر چیز آپ کی نبوت کی دلیل اور برہان ہو اور عالم کی کوئی نوع ایسی باقی نہ رہے جو آپ کی نبوت کی شہادت نہ دے۔ اس لیے کہ معجزہ نبوت کی دلیل اور برہان ہوتا ہے۔ پس جب کہ عالم کی تمام انواع و اقسام میں سے آپ کے معجزات ہوں گے تو عالم کی تمام انواع و اقسام آپ کی نبوت و رسالت کی شاہد اور گواہ ہوں گی اور تاکہ تمام انبیاء و مرسلین پر آپ کی برتری روز روشن کی طرح واضح ہو جائے کہ آپ کے تنہا معجزات تمام انبیاء کے کل معجزات سے زیادہ ہیں اور کسی کو آپ کی نبوت میں شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔" (۱۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اہم معجزات

حضورؐ کے عقلی معجزے ہوں یا حسی، ان کی تعداد بہت ہے۔ ان میں سے بعض کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور بیشتر احادیث صحیحہ و متواترہ سے ثابت ہیں۔ ان کی تفصیلات کا یہاں احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ چند اہم معجزات کا بالاختصار ذکر کیا جاتا ہے۔

قرآن کریم آپؐ کا سب سے اہم اور زندۂ جاوید معجزہ ہے۔ اس کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جا چکا ہے۔ اسی طرح اسرا و معراج کا واقعہ بھی آپ کے عظیم معجزوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس پر بھی الگ سے گفتگو کی جائے گی۔ چند اہم معجزات کا ذکر درج ذیل سطور میں کیا جاتا ہے:

(۱) حضورؐ کی امیت
(۲) شق الصدر یا شرح صدر
(۳) شق القمر

(۴) اشیاء میں اضافہ
(۵) پانی کا جاری ہونا
(۶) شفائے امراض
(۷) اطلاع غیب (پیشین گوئی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امیت

آپؐ کی تعلیم و تربیت کے سارے دروازے اسی وقت بند ہو گئے جب کہ بچپن ہی میں والدین کا سایہ آپؐ کے سر سے اٹھ گیا۔ جب آپ آٹھ سال کے ہوئے تو دادا نے بھی داغ مفارقت دے دیا۔ چچا ابوطالب اتنے مال دار نہ تھے کہ بھتیجے کی تعلیم کی فکر کرتے۔ وہ خود کثیر العیال تھے۔ پھر مکہ میں پڑھنے لکھنے کا زیادہ رواج بھی نہ تھا جس کو دیکھ کر آپ کے اندر اس کا داعیہ پیدا ہوتا۔ چوں کہ آپؐ کی فطرت میں صالحیت تھی اس لیے اپنی اچھی خصلت اور عادات واطوار کی وجہ سے اہل مکہ کے محبوب بن گئے تھے۔ (۱۴) کوئی ایسی روایت نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہو کہ آپ نے حصول علم کے لیے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا ہو۔ اس کے باوجود آپؐ کے ذریعہ علم و عمل کے جو چشمے ابلے وہ اپنے آپ میں اہم معجزہ ہے۔ آپ کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ معنویت کا حامل ہے۔ اس کی افہام و تفہیم اور تشریح و تعبیر کے لیے علماء نے ضخیم کتابیں لکھی ہیں، پھر بھی اس کا حق ادا کرنے سے قاصر ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ایک امی کو نبی بنا کر انسانوں کو یہ باور کرایا کہ یہ اللہ کے اختیار میں ہے کہ وہ جسے چاہے اپنے فضل سے نواز دے اور ذرے کو آفتاب بنا دے۔ آپؐ نے نہ صرف موجودہ حالات کی اصلاح کی اور لوگوں کے اندر علمی انقلاب برپا کیا بلکہ انبیائے سابقین اور ان کی امتوں کے حال کو بھی کھول کھول کر بیان کر دیا ہے، یہاں تک کہ مستقبل میں رونما ہونے والے بہت سے واقعات اور تغیرات کی بھی نشان دہی کی ہے، جسے دیکھ کر اہل مکہ حیران و ششدر ہو جاتے۔

سابقہ آسمانی کتابوں میں بھی اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ آخر میں جو نبی مبعوث ہوگا وہ امی ہوگا۔ (۱۵) قرآن نے جگہ جگہ آپ کی امیت پر گفتگو کیا ہے اور مخالفین سے کہا ہے کہ تمہیں ان کے امی ہونے کی بحث میں الجھنے کی ضرورت نہیں ہے، جو کام تمہارے کرنے کے ہیں وہ یہ

ہیں کہ نبی امی جو کچھ فرمارہے ہیں اس پر ایمان لاؤ اور عمل کرو۔ چنانچہ ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ ٘ (الاعراف:۱۵۷)

"(پس آج یہ رحمت ان لوگوں کا حصہ ہے) جو اس پیغمبر، نبی امی کی پیروی اختیار کریں جس کا ذکر انہیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے۔"

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

"یہاں نبیؐ کے لیے 'امی' کا لفظ بہت معنی خیز استعمال ہوا ہے۔ بنی اسرائیل اپنے سوا دوسری قوموں کو امی (Gentiles) کہتے تھے اور ان کا قومی فخر وغرور کسی امی کی پیشوائی تسلیم کرنا تو درکنار، اس پر بھی تیار نہ تھا کہ امیوں کے لیے اپنے برابر انسانی حقوق ہی تسلیم کرلیں۔ چنانچہ قرآن ہی میں آتا ہے کہ وہ کہتے تھے: لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیّٖنَ سَبِیْلٌ ۚ (آل عمران:۷۵) "امیوں کے مال مار کھانے میں ہم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔" پس اللہ تعالیٰ انہی کی اصطلاح استعمال کرکے فرماتا ہے کہ اب تو اسی امی کے ساتھ تمہاری قسمت وابستہ ہے، اس کی پیروی قبول کروگے تو میری رحمت سے حصہ پاؤ گے ورنہ وہی غضب تمہارے لیے مقدر ہے جس میں صدیوں سے گرفتار چلے آرہے ہو۔" (۱۶)

اگلی آیت میں بڑے واضح انداز میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ جب تک نبی امیؐ پر ایمان نہیں لاؤ گے ہدایت نہیں پا سکتے:

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۝ (الاعراف:۱۵۸)

"پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبی امی پر جو اللہ اور اس کے ارشادات کو مانتا ہے اور پیروی اختیار کرو اس کی، امید ہے کہ تم راہ راست پالوگے۔"

کفار مکہ بعض وقت آپ پر یہ اعتراض کرتے تھے کہ فلاں فلاں لوگوں کی صحبت میں رہ کر آپ نے قرآن سیکھ لیا ہے۔ اسی طرح بعض مستشرقین حضورؐ کے تعلق سے یہ باور کراتے ہیں کہ آپ نے قبل از بعثت عیسائی راہبوں سے علم حاصل کیا تھا۔ اس کی تردید کرتے ہوئے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے، اگر ایسا ہوتا تو لوگ شک میں پڑ سکتے تھے کہ واقعی آپ نے قرآن لکھ لیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ۝۴۸ (العنکبوت:۴۸)

"(اے نبیؐ) تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے، اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست لوگ شک میں پڑ سکتے تھے۔"

قرآن مجید میں کئی مقامات پر آپ کے نبی امی ہونے کو واضح کیا گیا ہے تاکہ کفار و مشرکین کے لیے کوئی حجت باقی نہ رہے۔

پوری انسانیت کے لیے آپ کے ذریعہ قرآن کریم کی شکل میں جو عظیم معجزہ ظاہر ہوا اس کا تقاضا بھی یہی تھا کہ قرآن مجید ایسے شخص کے ذریعہ دنیا کے سامنے آئے جو نوشت و خواند سے واقف نہ ہو۔ خاص طور پر مغرب کو قرآن کی تعلیمات کے سچا ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ اعتراض اس بات کو لے کر ہے کہ آخر یہ فخر و اعزاز اہل کتاب کو حاصل کیوں نہیں ہوا؟ اسی حسد میں وہ قرآن کو مجموعہ خرافات بتاتے ہیں اور نبیؐ پر اعتراض کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض کم زور روایتوں کا سہارا لے کر آپ کے تعلیم یافتہ ہونے کا ڈھول پیٹتے ہیں۔ اگر (نعوذ باللہ) مان لیا جائے کہ نبیؐ نے بعض عیسائی راہبوں سے ملاقات کی اور بہت قلیل وقت کے لیے ان کی صحبت اختیار کی جس سے علم کے چشمے ابلے تو یہ آپؐ کا ایک دوسرا معجزہ ہو جائے گا۔ مگر کون اس کو تسلیم کرنے پر تیار ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

"حضور اکرمؐ کے دلائل نبوت میں سے ایک یہ ہے کہ آپ امی اور ناخواندہ تھے اور آپ خط و کتابت بالکل نہ جانتے تھے۔ آپ اس قوم میں جو تمام امی جاہل اور ناخواندہ تھی، امی مولود ہوئے۔ آپ کی نشو و نما اس شہر اور ان ہی لوگوں میں ہوئی جن میں گزشتہ علوم کا جاننے والا کوئی بھی نہ تھا اور نہ آپ نے کسی ایسے شہر کی طرف سفر ہی فرمایا جس میں کوئی عالم ہوتا اور آپ اس سے تحصیل علم کر سکتے اور توریت و انجیل اور گزشتہ امتوں کے اخبار و حالات جان سکتے۔ بلاشبہ ان کتابوں کے بڑے بڑے عالم ایسے گزرے تھے جو اپنی اپنی جگہ ان کتابوں کے ماہر و شناور تھے...... پھر ان ملتوں کے ہر

فریق پر حضورؐ نے ایسی حجت قائم فرمائی کہ جہاں بھر کے تمام عالم ونقاد جمع ہو جاتے تو بھی اس کی مثل کوئی دلیل نہ لا سکتے۔ یہ اس امر کی پہلی دلیل ہے کہ آپ کے پاس جو کچھ تھا، آپ اسے خدا کی طرف سے لائے تھے۔ اب تصور کرنا چاہیے اور یہ معلوم ہونا چاہیے کہ بغیر علم واکتساب علم آپ علم ومعرفت کے جتنے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، علم اولین اور آخرین کی رسائی وہاں تک ناممکن ہے۔ یہ بھی دیکھنا اور غور کرنا چاہیے کہ وہ لوگ جو جہل ونادانی اور فسق وفجور کے اسفل السافلین میں تھے وہ آپ کی صحبت، آپ کی خدمت اور آپ کی تعلیم وتربیت سے علم وعمل کے اعلیٰ علیین پر پہنچ گئے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے تھا اور اگر تم آپؐ کے اخلاق وصفات، کمالات و اوضاع اور آداب واطوار میں غور کرو گے تو تم سب سے پہلی دلیل یہ پاؤ گے کہ کوئی بشر آپ کی مثل ایسا پیدا نہ ہوا جس نے نبوت ورسالت کا دعویٰ کیا ہو اور اسی طرح لوگوں کو مسخر کیا ہو تو اب کس چیز میں شک وشبہ باقی رہتا ہے۔''(۱۷)

معجزہ شق القمر

مشہور ومتواتر روایتوں سے پتا چلتا ہے کہ ہجرت مدینہ سے قبل کفار ومشرکین نے نبیؐ سے کہا کہ اگر آپ اپنے دعوئ نبوت میں سچے ہیں تو ہمیں چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھا دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا: اگر میں تمہارا مطالبہ پورا کردوں تو کیا تم ایمان لے آؤ گے؟ ان لوگوں نے کہا: ہاں۔ آپ نے بارگاہ رب العزت میں دعا کی کہ مجھے چاند کے دو ٹکڑے کرنے کا اذن عطا فرما۔ چنانچہ اللہ کے حکم سے آپؐ نے انگلی سے چاند کی طرف اشارہ کیا اور وہ پھٹ کر ایک دوسرے سے جدا ہو گیا۔ اسے کفار ومشرکین نے اور بعض صحابہ نے جو اس وقت وہاں موجود تھے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ تھوڑی دیر کے بعد چاند آپس میں جڑ گیا اور اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔ اب کفار ومشرکین کہنے لگے کہ نبیؐ نے ہماری آنکھوں پر جادو کر دیا ہے۔ انہیں میں سے بعض لوگوں نے کہا کہ اگر حضورؐ نے ہم پر جادو کر دیا ہے تو کیا ان لوگوں پر بھی جادو کر دیا ہے جو یہاں نہیں ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو سفر پر گئے ہوئے ہیں۔ انہیں آنے دو، ان سے دریافت کرتے ہیں، جب ان سے تفتیش کی گئی تو انہوں نے بھی اثبات میں جواب دیا۔ پھر بھی وہ ایمان نہ لائے۔(۱۸)

معجزہ شق القمر کا ذکر صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع الترمذی، مسند احمد بن حنبل، مستدرک

حاکم، دلائل بیہقی وغیرہ میں کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، انس بن مالکؓ، جبیر بن مطعمؓ، علی ابن طالبؓ اور بعض دوسرے صحابہ سے یہ روایت منقول ہے۔ لیکن ان میں سب سے صحیح اور مستند روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ہے۔ کیوں کہ وہ اس واقعہ کے وقت وہیں موجود تھے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں: جس وقت چاند پھٹا، اس وقت ہم آں حضرتؐ کے پاس موجود تھے، چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ آں حضرتؐ نے فرمایا: دیکھو! گواہ رہنا۔ (۱۹) ایک دوسری روایت میں وہ فرماتے ہیں: آں حضرتؐ کے زمانہ میں چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا، ایک ٹکڑا نیچے آ گیا۔ آں حضرتؐ نے (لوگوں سے جو اس وقت موجود تھے) فرمایا: دیکھو! گواہ رہنا۔ (۲۰) حضرت انسؓ فرماتے ہیں: مکہ کے کافروں نے آں حضرتؐ سے یہ درخواست کی کہ ہمیں کوئی نشانی دکھلائیے، آپ نے چاند کا پھٹنا ان کو دکھایا۔ (۲۱) حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے: آں حضرتؐ کے زمانہ میں چاند پھٹا تھا۔ (۲۲)

قرآن مجید میں اس معجزہ کا ذکر اجمالی طور پر ہوا ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ کسی نہ کسی زمانے میں چاند پھٹا تھا۔ سورۂ قمر میں فرمایا گیا ہے:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَ انْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَ اِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَ يَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ (القمر:۱-۲)

"قیامت کی گھڑی قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا۔ مگر ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ خواہ کوئی نشانی دیکھ لیں منہ موڑ جاتے ہیں اور کہتے ہیں یہ چلتا ہوا جادو ہے۔"

اسی بنا پر منکرین اسے ایک حادثہ تصور کرتے ہیں اور اس کا محل وقوع قرب قیامت کو قرار دیتے ہیں۔ لیکن اوپر کی تفصیلات اور صحابہ کرامؓ کے اقوال کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ انشقاق قمر آپ کا معجزہ ہے، جو مکہ میں منیٰ کے میدان میں رونما ہوا تھا۔ باوجود اس کے کفار و مشرکین ایمان نہ لائے اور اس معجزہ کو دیکھ کر سحر اور جادو بتانے لگے۔ 'سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ' سے صاف پتا چلتا ہے کہ یہ حادثہ نہیں، بلکہ کوئی اہم واقعہ تھا۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

"بعض عقل پرست مسلمانوں نے قرب قیامت کی مناسبت سے یہ تاویل کی ہے کہ

اس آیت سے آں حضرتؐ کے عہد میں شق قمر کا ثبوت نہیں، بلکہ یہ قیامت کے واقعہ کا ذکر ہے۔ لیکن اس حالت میں اول تو بے قرینہ ماضی (چاند پھٹ گیا) کو مستقبل (چاند پھٹ جائے گا) کے معنیٰ میں لینا پڑے گا۔ دوسرے یہ کہ اگر قیامت کا واقعہ ہوتا تو اس کے بعد یہ کیوں ہوتا کہ یہ کافر اگر کوئی ایسی نشانی بھی دیکھیں تو منہ پھیر لیں گے اور کہیں گے کہ یہ جادو ہے، جو ہوتا آیا ہے۔ قیامت سامنے آنے کے بعد اس کے انکار کے کیا معنیٰ اور اس کو مستمر جادو کہنا کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ مستند اور صحیح روایات کی کیوں کر تردید کی جا سکتی ہے۔''(۲۳)

علمائے اسلام نے اس مسئلہ پر بڑی عالمانہ بحث کی ہے اور بعض جزوی اختلافات کو چھوڑ کر اسے ایک مسلمہ حقیقت کے طور پر تسلیم کیا ہے، تاکہ لوگ شک وشبہ میں نہ پڑیں۔ انہوں نے اپنی بحث میں اس کی بھی وضاحت کی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ آئندہ اپنے آپ بعض شواہد کی روشنی میں اس کی صداقت ثابت ہو جائے، جیسا کہ مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے مزید انکشافات کے انتظار کی صراحت کی ہے۔(۲۴) جو لوگ انشاق قمر کو تسلیم نہیں کرتے اور اسے حضورؐ کا معجزہ نہیں مانتے انہیں اس بات سے حیرانی ہوگی کہ سائنسی نقطہ نظر سے بھی یہ واقعہ ثابت ہو چکا ہے۔ مگر چوں کہ اس معجزہ سے نبی کا مقام ومرتبہ اور انفرادیت ظاہر ہوتی ہے۔ اس لیے سائنس داں اسے منظر عام پر نہیں لانا چاہتے۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ لکھتے ہیں:

''اپنی تحقیق وجستجو اور غور وخوض کی خاطر کیے گئے سفروں کے دوران امریکیوں نے قریبی فاصلے سے چاند کی جو تصاویر لی ہیں وہ کچھ ایسے نشانات ظاہر کرتی ہیں جن سے اس قسم کے واقعے کی نفی نہیں کی جا سکتی۔ چاند کے دو ٹکڑے ہونے کے موضوع پر کوئی بھی شخص یہ یاد کر سکتا ہے کہ سپوٹنکس کے علاوہ زمین کی سطح سے مختلف ممنہ فاصلوں سے چاند کے قرص کی لی گئی تصاویر چاند کی سطح پر ایک بڑے شگاف کے لمبے نشان کو ظاہر کرتی ہیں، جو چاند کے درمیان سے چلتا ہوا ایک کونے سے دوسرے کونے تک جاتا ہے۔ یہ شگاف تقریباً ایک میل (تقریباً ایک کلو میٹر اور ۶۰۰ رمیٹر) لمبا ہے۔ امریکی اسے Radley Rill کہتے ہیں۔ اس شگاف کے عمیق اور قریبی جائزے کے لیے اپالو ۱۵ (Appolo 15) کے مشن کے نتائج سے عوام الناس کو کبھی بھی آگاہ وآشنا نہیں کیا جائے گا۔ کیوں کہ انگلینڈ کے روزنامہ گارڈین (Guardain) نے ۲۹ رجولائی ۱۹۷۱

کی اپنی اشاعت میں مغربی عوام کو اس خطرے سے خبردار کیا تھا کہ اس سے مسلمانوں کو تقویت ملے گی اور وہ یہ اعلان کریں گے کہ یہ پیغمبر اسلامؐ کے چاند کے دو ٹکڑے کرنے کے معجزے کی سچائی اور صداقت کا ایک اور ثبوت ہے۔ شاید کوئی مسلمان فلک پیما کسی روز سائنسی تحقیق کے اس کام کی ذمہ داری لے اور اس شگاف کی اصلیت پر روشنی ڈالے اور ہمیں بتائے کہ کیا یہ شگاف اس لائن کا حصہ ہے جس سے شق القمر کا معجزہ وقوع پذیر ہوا تھا۔''(۲۵)

شق صدر یا شرح صدر

قرآن وحدیث کی تعلیمات اور کتب سیرت وتاریخ میں بیان بعض واقعات سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ بچپن سے جوانی تک اور یہاں تک کہ نبوت سے سرفراز کیے جانے تک غیبی طریقے سے آپؐ کی تربیت ونگرانی فرماتا رہا۔ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۞ سے اسی حقیقت کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ذرائع اور ترکیبیں بھی استعمال کیں۔ ان میں سے ایک شق صدر یا شرح صدر کا واقعہ بھی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس طرح (جیسا کہ روایتوں میں اس کی تفصیل ملتی ہے) آپ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا اور اسے منٹوں میں درست کر دیا گیا؟ اور کیا ایسا ممکن بھی ہے؟ دراصل یہ معاملہ حبیب اور محبوب کا ہے، اس لیے تسلیم نہ کرنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ علمائے اسلام نے اسے تسلیم کیا ہے اور اسے آپؐ کا معجزہ قرار دیا ہے۔

اس واقعہ کا ثبوت قرآن کریم کی آیتوں سے فراہم ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ (الانعام:۱۲۵)

''(پس یہ حقیقت ہے کہ) جسے اللہ ہدایت بخشنے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ ہدایت کے لیے کھول دیتا ہے۔''

ایک اور سورت میں اسی بات کو اور زیادہ اچھے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۙ وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۙ

الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝ (الم نشرح:۱-۳)

''(اے نبیؐ) کیا ہم نے تمہارا سینہ تمہارے لیے کھول نہیں دیا ہے؟ اور تم پر سے وہ بھاری بوجھ اتار نہیں دیا جو تمہاری کمر توڑے ڈال رہا تھا۔''

ان آیات کا بہ ظاہر جو مطلب نکلتا ہے کہ اس سے شق صدر مراد نہیں لیا جاسکتا، بلکہ انشراح صدر کا معنی لینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اول الذکر اور موخر الذکر آیات کا تعلق تو براہ راست حضرت محمدؐ سے ہے اور درمیانی آیات کا تعلق حضرت موسیٰؑ سے ہے۔ اس میں ہدایت قبول کیے جانے کے سلسلے میں میں کشادگی صدر کی بات کہی گئی ہے۔ اسی وجہ سے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

''بعض مفسرین نے شرح صدر کو شق صدر کے معنی میں لیا ہے اور ان آیات کو معجزہ شق صدر کا ثبوت قرار دیا ہے جو احادیث کی روایات میں بیان میں ہوا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس معجزے کے ثبوت کا مدار احادیث کی روایات ہی پر ہے۔ قرآن سے اس کو ثابت کرنے کی کوشش صحیح نہیں ہے۔ عربی زبان کے لحاظ سے شرح صدر کو کسی طرح بھی شق صدر کے معنی میں نہیں لیا جاسکتا۔ علامہ آلوسی روح المعانی میں فرماتے ہیں: حمل الشرح في الآية على شق صدر ضعيف عندالمحققين (محققین کے نزدیک اس آیت میں شرح کو شق صدر پر محمول کرنا ایک کم زور بات ہے)۔''(۲۶)

برخلاف اس کے معجزہ شق صدر پر بحث کرتے ہوئے اور اس آیت میں شرح صدر کے معنی کی وضاحت کرتے ہوئے سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

''ہمارے نزدیک صحیح اصطلاح شرح صدر ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم باب الاسرائیں حضرت مالک بن صعصہ کی روایت میں مذکورہ ہے: فشرح صدري الىٰ كذا و كذا (میرا سینہ یہاں سے یہاں تک کھولا گیا۔) اور قرآن مجید کی اس سورہ میں جیسا کہ ترمذی میں ہے اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔''(۲۷)

اس کے بعد علامہ شرح کے لغوی معنی بیان کرتے ہیں اور اس کی وضاحت بھی کرتے ہیں کہ شرح کو کن کن معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ شرح صدر کو شق صددر کے معنی میں بھی لیا جاسکتا ہے، جو نبیؐ کا ایک اہم معجزہ ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''شرح کے لغوی معنی عربی میں چیرنے پھاڑنے کے ہیں۔اسی سے طب کی اصطلاح ''علم تشریح'' اور ''تشریح اجسام'' نکلی ہے۔چوں کہ چیرنے اور پھاڑنے سے اندر کی چیز کھل کر نمایاں ہوجاتی ہے، اس لیے اس سے ''تشریح امر'' اور ''تشریح کلام''، ''شرح بیان'' اور ''شرح کتاب'' وغیرہ مجازی معنیٰ پیدا ہوئے ہیں۔اسی سے ایک محاورہ ''شرح صدر'' کا پیدا ہوا ہے، جس کے معنیٰ ''سینہ کھول دینے'' کے ہیں اور کلام عرب میں اس سے مقصود بات کو سمجھا دینا اور اس کی حقیقت واضح کر دینا ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں یہ محاورہ بہ کثرت استعمال ہوا ہے۔حضرت موسیٰؑ کو جب فرعون کے پاس جانے کی ہدایت ہوئی تو آپ نے دعا مانگی: رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۝ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ۝ يَفْقَهُوا قَوْلِي ۝ (طٰہٰ:۲۵-۲۸) پروردگار میرے سینہ کو کھول دے اور میرے کام کو آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے کہ لوگ میری بات سمجھیں۔'' (۲۸)

اول الذکر آیت میں مذکور شرح صدر کو اسی معنی میں لینا چاہیے۔البتہ موخر الذکر آیات کو اس معنی میں بھی لیا جاسکتا ہے۔جیسا کہ علامہ سید سلیمان ندوی نے واضح کیا ہے، اس کی تائید بیش تر مفسرین کے قول سے ہوتی ہے۔چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

''جس طرح آپ کا سینہ کشادہ کر دیا گیا تھا، اسی طرح آپ کی شریعت بھی کشادگی، نرمی اور آسانی والی بنادی گئی، جس میں نہ تو کوئی حرج ہے، نہ تنگی نہ ترشی نہ تکلف اور سختی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد معراج والی رات سینے کا شق کیا جانا ہے، جیسا کہ مالک بن صعصہؓ کی روایت میں پہلے گزر چکا ہے۔امام ترمذی نے اس حدیث کو یہیں ذکر کیا ہے، لیکن یہ یاد رہے کہ یہ دونوں واقعے مراد ہو سکتے ہیں۔یعنی معراج کی رات سینے کا شق کیا جانا اور سینہ کو راز خدا کا گنجینہ بنا دینا۔'' (۲۹)

مستند احادیث سے صراحت ہوتی ہے کہ آپؐ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا۔کم از کم تین صحابہ مالک بن صعصہؓ، ابوذرؓ اور انس بن مالکؓ کی روایات معراج نبوی کے ضمن میں آئی ہیں، اس میں ہے کہ سفر معراج کے آغاز سے قبل خانہ کعبہ کے اندر جبرئیل امین نے اس کام کو انجام دیا۔البتہ اس کے علاوہ بھی کئی مرتبہ آپ کے سینہ مبارک کو چاک کر کے اس میں نور و حکمت کو ڈالا گیا۔بعض پانچ مرتبہ کے قائل ہیں۔بعض چار مرتبہ اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ حضورؐ کے

ساتھ دو مرتبہ پیش آیا۔(۴۰) ایک مرتبہ اس وقت جب کہ آپ حلیمہ سعدیہ کے یہاں پرورش پا رہے تھے اور دوسری مرتبہ معراج کے موقعے سے۔ جب آپ کی نبوت تمام انبیاء کی نبوت سے افضل اور دائمی ہے تو یقینی بات ہے کہ آپ کے اندر خصوصیات و جامعیت پیدا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مختلف تدابیر متعدد مواقع پر اختیار کی ہوگی۔ ان میں سے ایک شق صدر بھی ہے۔

اشیاء خورد و نوش میں اضافہ

بعض اوقات آپؐ نے جس چیز کو چھو دیا، یا اس پر نظر ڈال دی یا اس کے متعلق دعا کر دی تو اس میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ بعض وہ چیزیں جو بہت مختصر اور قلیل ہوتیں ان میں غیر معمولی بڑھوتری ہو جاتی۔ مثلاً تھوڑا کھانا جو ایک آدمی کی کے لیے نا کافی ہوتا، اس میں اضافہ اور برکت کے لیے کوئی دعا پڑھ کر پھونک دیتے تو اس میں زیادتی ہو جاتی اور اس سے وافر آدمی شکم سیر ہو جاتے، یہاں تک کہ بچ بھی جاتا۔ اسی طرح بعض وہ چیزیں جو پینے کے قبیل سے ہیں اس میں حد درجہ زیادتی ہو جاتی جسے دیکھ کر لوگ حیرت میں پڑ جاتے۔ اس لیے علماء نے ایسے واقعات کو آپؐ کا معجزہ قرار دیا ہے۔ کتب حدیث میں صحیح اور متواتر سند کے ساتھ ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں۔ ان میں سے چند کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

صحابہ کرام خندق کھودنے میں مصروف تھے۔ نبیؐ بھی صحابہ کے ساتھ اپنے حصے کی زمین کھود رہے تھے۔ کھانے کی قلت کی وجہ سے صحابہ کرام بھوک سے نڈھال ہو گئے، مگر جوش ایمانی نے خندق کی کھدائی میں مصروف کر رکھا تھا۔ حضرت جابرؓ کو اپنے ساتھیوں کے بھوک کی فکر نہ رہی کیوں کہ خود ان کا یہی حال تھا۔ مگر نبیؐ کی بھوک شدت نے انہیں تڑپا دیا۔ وہ اپنے گھر گئے اور اپنی بیوی سے کہا کہ گھر میں کھانے کا کچھ بھی ہے تو دو، تا کہ نبیؐ کی خدمت میں پیش کروں۔ بیوی نے ایک صاع جو نکال کر دیا۔ یہی گھر کا کل اثاثہ تھا۔ کسی طرح روٹی کا بندوبست تو ہو گیا مگر سالن کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اچانک ان کی نظر گھر میں موجود ایک بکری پر پڑی۔ انہوں نے اسے ذبح کر دیا اور بیوی سے سالن پکانے کا حکم دیا۔ ساتھ ہی یہ تاکید بھی کر دی کہ جب تک میں نبیؐ کو لے کر گھر نہ آجاؤں اس وقت تک روٹی نہ پکانا۔ حضرت جابرؓ حضور کی خدمت میں پہنچے اور آہستہ سے کہا کہ میں نے آپ کے لیے کھانے کا انتظام کیا ہے، تشریف لے چلیں۔ اپنے صحابہ کو بھوکا

چھوڑ کر نبیؐ خود کھانا تناول فرمالیتے، ایسا ممکن نہ تھا۔ آپ نے اعلان کر دیا کہ لوگو! چلو میرے ساتھ، جابر کے یہاں آج ہماری دعوت ہے۔ حضرت جابرؓ جلدی سے گھر آئے اور بیوی کو سارے لوگوں کے آنے کی خبر دی۔ میاں بیوی پریشان کہ اب کیا ہوگا۔ اتنے لوگوں کو کہاں سے کھلائیں گے۔ حضورؐ ان کے گھر پہنچے تو حضرت جابرؓ کی بیوی نے گوندھا ہوا آٹا حضورؐ کے سامنے کر دیا یہ سوچ کر کہ مختصر آٹا کو دیکھ کر رسول اپنے ساتھیوں کو واپس کر دیں گے۔ آپ نے اس آٹے میں لعاب دہن ملا دیا اور روٹی پکانے کا حکم دیا۔ سالن میں بھی ایسا ہی کیا اور برکت کی دعا کی۔ کھانے میں اتنی زیادتی ہوئی کہ تقریباً ایک ہزار لوگوں نے شکم سیر ہو کر تناول کیا، پھر بھی بچ گیا۔(۳۱)

ایک دن حضرت ابوطلحہؓ کو حضورؐ کی آواز سے اندازہ ہوا کہ آپ شدید بھوک کی حالت میں ہیں۔ چنانچہ وہ گھر آئے اور اپنی بیوی ام سلمہؓ سے کہا کہ گھر میں کھانے کا سامان ہے تو لا کر دو، تاکہ اسے حضورؐ کے سامنے کھانے کے لیے پیش کروں۔ بیوی نے چند روٹیاں نکال کر دیں۔ اسے حضرت انسؓ کے ذریعہ خدمت اقدس میں بھیج دیا۔ اس وقت حضورؐ مسجد میں صحابہ کرامؓ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت انسؓ کو دیکھتے ہی نبیؐ نے فرمایا کیا تمہیں طلحہؓ نے کھانا دے کر بھیجا ہے۔ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ حضورؐ نے اعلان کر دیا کہ چلو ابوطلحہؓ کے یہاں، سب کی ان کے گھر دعوت ہے۔ سارے صحابہ حضورؐ کے ساتھ چل دیے۔ حضرت انسؓ جلدی سے ابوطلحہ کے گھر پہنچے، تاکہ حضورؐ کے آنے کی اطلاع دیں۔ خبر سنتے ہی حضرت ابوطلحہؓ حضورؐ کے استقبال میں گھر سے باہر نکل آئے۔ جب حضورؐ آئے تو ان کو لے کر گھر میں داخل ہوئے۔ حضورؐ نے فرمایا: طلحہؓ تمہارے پاس جو کچھ کھانے کا سامان موجود ہے اسے پیش کر دو۔ انہوں نے وہی روٹیاں حضورؐ کے سامنے کر دیں۔ آپؐ نے حکم دیا کہ ان کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر دو۔ پھر اس پر گھی ڈال دیا۔ حضورؐ نے کچھ پڑھ کر دم کر دیا۔ نبیؐ نے ابوطلحہؓ سے کہا کہ دس دس آدمیوں کو گھر کے اندر لے جاؤ اور انہیں کھلاؤ۔ اس طرح وہ دس آدمیوں کو اندر بلاتے اور کھلاتے۔ یہاں تک کہ اس تھوڑے سے ملیدے سے ۸۰ لوگوں نے پیٹ بھر کر کھایا پھر بھی بچ گیا۔(۳۲)

غزوہ تبوک میں کھانے کی سخت قلت ہوگئی۔ صحابہ نے اپنے اونٹوں کو ذبح کرنا شروع کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے حضورؐ کی خدمت میں یہ بات رکھی کہ لوگوں کو ایسا کرنے سے منع کیجیے، کیوں کہ ہمارے پاس سواری کی قلت ہے۔ حضورؐ نے اعلان کروا دیا کہ جس کے پاس جتنی مقدار

میں کھانے کا سامان ہے، اسے لے کر میرے پاس آجائے۔ جمع شدہ کھانے کا تخمینہ لگایا گیا تو کچھ صاع نکلا۔ حضورؐ نے اس کھانے پر کچھ پڑھ کر دم کر دیا اور اللہ سے زیادتی طعام کی دعا فرمائی۔ پھر آپؐ نے اعلان فرمایا کہ ہر کوئی آ کر اپنے برتن اور توشہ دان میں کھانا بھر کر لے جائے۔ سارے لوگوں نے اپنے برتن میں کھانا بھر لیا پھر بھی بچ گیا۔(۳۳)

حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ حدیبیہ کے دن لوگ پانی کی قلت کی وجہ سے پیاسے اور پریشان تھے۔ حضورؐ کے سامنے پانی سے بھرا ایک لوٹا تھا۔ آپ نے اس سے وضو کرنا چاہا۔ لوگ آپ کی طرف دوڑ پڑے۔ آپ نے دوڑنے کی وجہ دریافت کی؟ انہوں نے کہا ہمارے پاس پینے کا پانی ہے اور نہ وضو کرنے کا، بس یہی پانی ہے جو آپ کے سامنے رکھا ہوا ہے۔ آپؐ نے اپنا ہاتھ لوٹے میں ڈال دیا۔ آپؐ کی انگلیوں سے چشمے کی طرح پانی ابلنے لگا۔ اس پانی کو سارے لوگوں نے پیا بھی اور اس سے وضو بھی کیا۔(۳۴)

حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ صلح حدیبیہ میں ہم لوگ چودہ سو آدمی تھے۔ حدیبیہ ایک کنویں کا نام ہے۔ ہم نے اس کا سب پانی کھینچ لیا۔ ایک قطرہ بھی نہ رہا۔ آں حضرتؐ کنویں کی منڈیر پر بیٹھے اور ذرا سا پانی منگوایا۔ کلی کی اور اسے اسی کنویں میں ڈال دیا۔ تھوڑی دیر نہیں گزری تھی کہ کنویں میں کثیر پانی جمع ہو گیا۔ ہم نے خوب سیر ہو کر پیا اور ہمارے اونٹ بھی سیر ہو گئے۔(۳۵)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک سفر میں میں نبیؐ کے ساتھ تھا۔ پانی کی قلت ہوئی۔ آں حضرتؐ نے فرمایا کہیں کچھ بچا ہوا پانی ہو تو اس کو لے کر آؤ۔ آخر ایک برتن لایا گیا جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ آپ نے اپنا ہاتھ اس میں ڈال دیا اور فرمایا آؤ برکت والا پانی لو۔ برکت خدا کی طرف سے ہے۔ حضرت عبداللہ کا بیان ہے کہ میں نے خود دیکھا کہ آپ کی انگلیوں میں سے پانی فوارے کی طرح پھوٹ رہا تھا۔(۳۶)

حضرت ابوہریرہؓ ایک دن بھوک کی شدت سے نڈھال ہو کر راستہ میں یہ سوچ کر بیٹھ گئے کہ کوئی آنے جانے والا میری گرسنگی کو دیکھ کر مجھے کھانے کے لیے بلا لے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے حضرت ابوبکرؓ گزرے۔ ابوہریرہؓ نے ان کو روک لیا اور قرآن کی آیت پوچھی۔ غرض یہ تھی کہ وہ میری حالت کو دیکھ کر جان لیں کہ میں بھوکا ہوں اور میرے لیے کھانے کا کچھ انتظام

کر دیں۔ ابو ہریرہؓ نے قرآن کے متعلق جو سوال کیا اس کا جواب دے کر حضرت ابو بکرؓ آگے بڑھ گئے۔ پھر حضرت عمرؓ ادھر سے گزرے انہیں بھی روک کر قرآن کی آیت معلوم کی، مگر وہ بھی سمجھ نہ سکے کہ ابو ہریرہؓ بھوکے ہیں۔ سوال کا جواب دے کر وہ بھی نکل گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضوؐر وہاں سے گزر رہے تھے، ابو ہریرہؓ کو دیکھ کر سمجھ گئے کہ وہ بھوکے ہیں۔ انہیں اپنے ساتھ لے کر آئے۔ گھر میں ہدیہ کا ایک پیالہ دودھ رکھا ہوا تھا۔ حضوؐر نے ابو ہریرہؓ سے کہا کہ جاؤ اور فلاں فلاں کو بلا لاؤ۔ اس پر ابو ہریرہؓ کو ہچکچاہٹ محسوس ہوئی کہ دودھ تو اتنا کم ہے کہ اس سے ایک آدمی اپنی بھوک نہیں مٹا سکتا۔ اس پر مستزاد یہ کہ حضوؐر نے اتنے آدمیوں کو بلانے کا حکم دے دیا ہے۔ بہر حال جب لوگ آئے اور اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے تو آپ نے ابو ہریرہؓ سے فرمایا ان سب کو دودھ پلاؤ۔ وہ بالترتیب دودھ کا پیالہ بڑھاتے چلے گئے۔ سارے لوگوں نے پیٹ بھر کر اسے پیا۔ پھر حضرت ابو ہریرہؓ نے پیا، وہ بھی شکم سیر ہو گئے۔ آخر میں نبیؐ نے پیالہ ہاتھ میں لیا اور جو بچا تھا اسے بسم اللہ کہہ کر پی لیا۔ (۳۷)

شفائے امراض

اگر کسی بیمار کو اپنی کیمیائی نظر سے حضرت عیسیٰؑ اچھا کر سکتے تھے اور یہ ان کا معجزہ شمار کیا جاتا ہے اور اسے تسلیم بھی کیا جاتا ہے تو حضوؐر کے متعلق اس قسم کی باتوں کا انتساب تعجب کی بات نہیں۔ حضوؐر کے ایسے بہت سے واقعات ہیں جو صحیح سند سے ہم تک پہنچے ہیں اور اس کا تفصیل سے ذکر ہوا ہے کہ آپ کی دعا سے یا آپ کا لعاب دہن لگانے سے، یا بیمار پر ہاتھ رکھ دینے سے یا پانی چھڑک دینے سے بیماری ایسے ختم ہو جاتی جیسے وہ شخص کبھی بیمار ہی نہ پڑا ہو۔ ایسے چند واقعات کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ بھی آپؐ کا معجزہ ہے۔

غزوہ خیبر میں باوجود بسیار کوشش کے دشمن مغلوب ہونے کی پوزیشن میں نظر نہیں آرہے تھے۔ آپ نے جنگ کا علم حضرت علیؓ کو دینے کے لیے بلایا۔ معلوم ہوا کہ وہ آشوب چشم میں مبتلا ہیں۔ پھر بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کی آنکھوں پر اپنا لعاب دہن مل دیا اور دم کر دیا۔ اس کے بعد ان کی بیماری ایسی جاتی رہی کہ معلوم ہو رہا تھا کہ ان کو یہ بیماری لاحق ہی نہیں ہوئی تھی۔ (۳۸)

ایک عورت حضورؐ کی خدمت میں اپنے بچہ کو لے کر حاضر ہوئی اور کہا اے اللہ کے رسولؐ یہ میرا بچہ ہے، جو بولتا نہیں ہے۔ آپ اللہ سے دعا کر دیجیے کہ اس کو گویائی عطا کر دے۔ آپ نے پانی منگایا اور اس میں کلی کی اور کہا کہ یہ پانی اسے پلا دو اور تھوڑا اس پر چھڑک دو، اللہ نے چاہا تو اسے شفا مل جائے گی۔ دوسرے سال وہ عورت حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ اب میرا بچہ اچھا ہو گیا ہے اور وہ بولنے لگا ہے۔(۳۹)

غزوہ حنین میں حضرت خالد بن ولیدؓ کے پاؤں میں کاری زخم لگا۔ جب لڑائی ختم ہو گئی تو آپؐ کو ان کے زخمی ہونے کی اطلاع ملی۔ آپ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ وہ کجاوے سے ٹیک لگائے بیٹھے ہیں۔ آپ نے ان کے زخم پر اپنا لعاب دہن مل دیا۔ اس کے بعد ان کا زخم اچھا ہو گیا۔(۴۰)

حضرت عبداللہ بن عتیکؓ ابو رافع یہودی کا قتل کر کے لوٹ رہے تھے تو وہ قلعہ کے زینہ سے ٹھوکر کھا کر گر پڑے۔ اس سے ان کی ٹانگ میں سخت چوٹ آ گئی اور وہ شدید تکلیف میں مبتلا ہو گئے۔ آپؐ نے ان کی ٹانگ پر ہاتھ پھیر دیا۔ اس کے بعد وہ اچھے ہو گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کو چوٹ ہی نہ لگی تھی۔(۴۱)

پیشین گوئیاں

مستقبل میں کیا ہونے والا ہے اور کس کے ساتھ کیا معاملہ پیش آئے گا اللہ کے سوا کسی کو اس کا علم نہیں۔ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے پیغمبروں کو بعض وجوہ سے بعض چیزوں کے متعلق پہلے ہی خبر دے دیتا ہے، تاکہ لوگ ہلاکت کے خوف سے اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے روگردانی نہ کریں اور وہ اپنے اعمال اور افعال کا محاسبہ کر کے اچھا عمل کریں اور اس سے عبرت حاصل کریں۔ ایسے بہت سے واقعات ہیں جن کی نشان دہی آپ نے قبل از وقت کر دی اور وقت آنے پر وہ رونما ہوا اور اسی طرح ہوا جس طرح کہ رسولؐ نے فرمایا تھا۔ اس سے ہرگز یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ رسولؐ عالم الغیب تھے۔ غیب کا علم تو اللہ ہی کو ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ ان غیبی باتوں میں سے بعض باتوں کا علم مخصوص ذرائع سے اپنے نبی کو عطا کر دیتا ہے، جو ان کا معجزہ قرار پاتا ہے۔ ایسے معجزات کی تعداد بھی بہت ہے۔ چند کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

غزوہ خندق کے موقع پر صحابہ کرام خندق کی کھدائی میں مصروف تھے۔ کھودتے کھودتے ایک سخت چٹان آ پڑی جو ٹوٹتی نہ تھی۔ صحابہ نے حضورؐ سے آ کر اس پریشانی کا ذکر کیا۔ حضورؐ تشریف لے گئے اور کدال ہاتھ میں لی اور بسم اللہ کہہ کر ایک ضرب لگائی تو ایک ٹکڑا ٹوٹ گیا۔ آپ نے فرمایا اللہ اکبر مجھے ملک کی شام کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ واللہ میں اس وقت وہاں کے سرخ محلوں کو دیکھ رہا ہوں۔ پھر دوسری ضرب لگائی تو ایک دوسرا ٹکڑا ٹوٹ کر الگ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا واللہ میں اس وقت مدائن کا سفید محل دیکھ رہا ہوں۔ پھر تیسری ضرب لگائی تو باقی ماندہ حصہ ٹوٹ گیا۔ پھر آپ نے فرمایا اللہ اکبر مجھے یمن کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ واللہ میں اس جگہ سے صنعا کے پھاٹک کو دیکھ رہا ہوں۔ (۴۲)

دنیا نے بہت جلد دیکھ لیا کہ حضورؐ نے جس انداز اور ترتیب سے پیشین گوئی کی تھی وہ پوری ہوئی اور ان ملکوں پر مسلمانوں نے فتح پائی۔

اسی طرح آپ نے سرزمین عرب میں امن و مان کی پیشین گوئی کی تھی کہ عنقریب وہ دن آئے گا کہ ایک عورت تنہا حیرہ سے چل کر خانہ کعبہ کا طواف کرنے آئے گی اور اسے کوئی خوف نہ ہوگا۔ (۴۳) بہت جلد پورے عرب میں ایسی فضا بن گئی کہ کسی کو کسی سے کوئی خطرہ لاحق نہ ہوتا۔

غزوہ بدر میں جنگ کے آغاز سے قبل آپؐ صحابہ کرام کو لے کر مقام جنگ کا معائنہ کرنے گئے۔ چلتے جاتے اور فرماتے جاتے کہ اس مقام پر فلاں کافر مارا جائے گا اور اس مقام پر فلاں۔ صحابہ کرام کا بیان ہے کہ نبی نے جس مقام پر جس کافر کے قتل کیے جانے کی خبر دی تھی عین اسی مقام پر اس کافر کا قتل ہوا اور اس کی لاش خون میں لت پت پائی گئی۔ (۴۴)

ام ورقہ ایک صحابیہ ہیں۔ انہوں نے جنگ بدر کے وقت نبیؐ سے اس میں شرکت کی اجازت مانگی۔ آپ نے منع کر دیا اور فرمایا اپنے گھر میں ہی رہو، تمہیں شہادت نصیب ہوگی۔ چنانچہ زندگی میں ہی وہ شہید کہلانے لگیں۔ حضرت عمرؓ کا زمانہ خلافت آیا تو ان کے غلام اور لونڈیوں نے مل کر ان کی گلا گھونٹ دیا۔ اس طرح گھر بیٹھے انہوں نے شہادت کا درجہ پایا۔ (۴۵)

حضورؐ نے اپنے مرض الوفات میں حضرت فاطمہؓ کے کان میں آہستہ سے کہا کہ میرے اہل خانہ میں سب سے پہلے تم مجھ سے ملو گی۔ چنانچہ حضورؐ کے وصال کے بعد سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ کا ہی انتقال ہوا۔ (۴۶)

مآخذ ومراجع

(۱) محمد عبدالباقی الزرقانیؒ، شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ، مطبعۃ الازہریہ، مصر، ۱۳۲۶ھ، ج:۵، ص:۸۰

(۲) سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، سیرت سرور عالمؐ، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۵ء، ج:۱، ص:۳۳۵

(۳) سید سلیمان ندویؒ، سیرۃ النبیؐ، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۳ء، ج:۳، ص:۳۳۵

(۴) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب الایمان برسالۃ نبیا محمد الی جمیع ونسخ الملل بملتہ

(۵) سیرۃ النبیؐ، ج:۳، ص:۱۵۰

(۶) ڈاکٹر عبدالقادر جیلانی، اسلام، پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، اریب پبلیکیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۷ء، ص:۲۱۵

(۷) ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی، فقہ السیرۃ النبویۃ، دارالفکر، بیروت، لبنان، ۱۹۹۱ء، ص:۱۰۹

(۸) نسیم الریاض، شرح شفاء، قاضی عیاض

(۹) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، مدارج النبوۃ، مکتبہ دانش دیوبند، ۱۹۸۱ء، ج:۱، قسط:۳، ص:۱۰۱۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن ج ۴، الدخان، حاشیہ:۱۳

(۱۰) ابن حجر عسقلانیؒ، فتح الباری، ج:۶، ص:۵۸۳

(۱۱) سیرۃ النبیؐ، ج:۳، ص:۶۱

(۱۲) فقہ السیرۃ النبویۃ، ص:۱۱۱

(۱۳) مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، سیرۃ المصطفیٰ، دارالکتاب، دیوبند، ج:۳، ص:۴۲۷-۴۲۸

(۱۴) ابن اسحاق، سیرت ابن اسحاق، ملی پبلیکیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۹ء، ص:۹۴

(۱۵) عہد نامہ قدیم، کتاب استثناء، باب:۱۸، آیات:۱۵-۱۹۔ یوحنا، باب:۱، آیات:۱۹-۲۱ وباب:۱۴، آیات:۱۵-۱۷ اور ۲۵-۳۰، باب:۱۵۔ آیات ۲۵-۲۶ متی: باب:۲۱، آیات:۳۳-۴۶

(۱۶) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دہلی، ۲۰۰۱ء، ج:۲، ص:۸۵

(۱۷) مدارج النبوت، ج:۲، قسط:۳، ص:۲-۳

(۱۸) حافظ ابن کثیر دمشقیؒ، البدایہ والنہایہ، دارالریان للتراث، قاہرہ، ۱۹۸۸ء، ج:۲، جزو:۳، ص:۱۱۶-۱۲۰

(۱۹) صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ وانشق القمر۔ کتاب المناقب، باب سوال المشرکین ان یریہم ای النبی۔ صحیح مسلم، کتاب صفات المنافق، باب انشقاق القمر۔ جامع الترمذی، ابواب التفسیر، باب تفسیر سورہ قمر
(۲۰) جامع الترمذی، ابواب التفسیر، باب تفسیر سورہ قمر
(۲۱) ایضا
(۲۲) ایضا
(۲۳) سیرۃ النبیؐ، ج:۳، ص:۳۷۹
(۲۴) مولانا امین احسن اصلاحیؒ، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۷۹ء، ج:۸، ص:۹۲
(۲۵) ڈاکٹر محمد حمید اللہ، پیغمبر اسلام، ملی پبلیکیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۹، ص:۱۴۴
(۲۶) تفہیم القرآن، ج:۶، ص:۸۰
(۲۷) سیرۃ النبیؐ ج:۳، ص:۳۳۷-۳۳۸
(۲۸) ایضا، ج:۳، ص:۳۳۸
(۲۹) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم
(۳۰) فتح الباری، کتاب الصلوۃ، باب کیف فرضت الصلوۃ فی الاسرا
(۳۱) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الخندق
(۳۲) ایضا، کتاب المناقب، باب علامات النبوت فی الاسلام
(۳۳) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب من لقی بالایمان وہو غیر شاک فیہ
(۳۴) صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوت
(۳۵) ایضا
(۳۶) ایضا
(۳۷) ایضا، کتاب الرقاق، باب کیف کان عیش النبی
(۳۸) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر ومناقب علی
(۳۹) سنن ابن ماجہ، ابواب الطب، باب النشرۃ
(۴۰) مسند احمد، ج:۴، ص:۸۸
(۴۱) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب قتل ابی رافع
(۴۲) سنن نسائی، کتاب الجہاد، باب غزوۃ الترک والحبشۃ
(۴۳) صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوت
(۴۴) صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب غزوۃ بدر۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب فی الاسیر ینال منہ الضرب
(۴۵) سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، باب الملۃ النساء
(۴۶) صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوہ فی الاسلام

☆☆☆

باب پنجم

معراج نبوی ﷺ کی حقیقت

تجلیات ربانی کا مشاہدہ اور بارگاہ الٰہی میں حضوری اور ہم کلامی کے واقعات انبیائے کرام کے ساتھ خاص ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں یہ شرف کبھی آسمان پر بلا کر عطا کرتا ہے تو کبھی روئے زمین کے کسی خاص حصے پر۔ کبھی یہ خواب کی حالت میں حاصل ہوتا ہے تو کبھی بیداری کی حالت میں۔ یہی واقعات انبیاء کی معراج کہلاتے ہیں۔ اس اعزاز سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مشرف ہوئے۔ لیکن معترضین اسلام انبیائے سابقین کی معراج کو تسلیم کرتے ہیں، مگر حضورؐ کے متعلق یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے انبیائے سابقین کے ہم پلہ ثابت کرنے کے لیے نبیؐ سے معراج کو منسوب کر دیا ہے۔

بعض انبیاء سابقین کے واقعات معراج

سابقہ آسمانی کتابوں کے مطابق حضرت یعقوبؑ کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف روئے زمین پر حاصل ہوا۔(۱) حضرت موسیٰؑ کا تجلیات ربانی کے مشاہدہ کا واقعہ مشہور ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق بھی معراج کا پتا چلتا ہے۔ یسعیاہ نبی کے روحانی واردات کے ذکر میں عہد نامہ قدیم کی عبارتیں بہ کثرت پائی جاتی ہیں۔(۲) قرآن میں بھی بعض انبیاء کے رفع سماوات، سیر سماوات اور رب کی حضوری وہم کلامی کا کہیں واضح تو کہیں مبہم اشارہ ملتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی سیر سماوات کے ذکر میں فرمایا گیا:

وَ كَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ۝ (الانعام:۷۵)

''ابراہیمؑ کو ہم اسی طرح زمین و آسمان کا نظام سلطنت دکھاتے تھے، اور اس لیے دکھاتے تھے کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔''

حضرت موسیٰؑ کی وہم کلامی کے واقعات کا ذکر قدرے تفصیل سے ملتا ہے۔ ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَ كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَ لٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ (الاعراف: ۱۴۳)

''اور جب موسیٰؑ ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر پہنچا اور اس کے رب نے اس سے کلام کیا تو اس نے التجا کی اے میرے رب مجھے یارائے نظر دے کہ میں تجھے دیکھوں۔ فرمایا: تو مجھے نہیں دیکھ سکتا۔ ہاں ذرا سامنے کے پہاڑ کی طرف دیکھ۔ اگر وہ اپنی جگہ قائم رہ جائے تو البتہ تو مجھے دیکھ سکے گا۔ چنانچہ اس کے رب نے جب پہاڑ پر تجلی کی تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰؑ غش کھا کر گر پڑا۔ جب ہوش آیا تو بولا: پاک ہے تیری ذات، میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور سب سے پہلا ایمان لانے والا میں ہوں۔''

حضرت عیسیٰؑ کے رفع سماوات کے متعلق فرمایا گیا:

وَ مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿۱۵۷﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ (النساء: ۱۵۸)

''انہوں نے مسیح کو یقیناً قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھا لیا۔''

انہیں واقعات کو انبیاء کی معراج سمجھا گیا ہے اور اکثر انبیاء کے متعلق اس کے ماننے والوں نے اس قسم کی کیفیات کا ذکر کیا ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اگر یہ واقعات معراج سے تعلق رکھتے ہیں تو اس شرف سے تمام انبیاء بہرہ ور ہوئے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

''انبیاء علیہم السلام کے روحانی حالات اور واقعات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اولوالعزم پیغمبروں کو آغاز نبوت کے کسی خاص وقت اور مخصوص ساعت میں یہ منصب رفیع حاصل ہوتا ہے اور اس وقت شرائط رویت کے تمام مادی پردے ان کی آنکھوں

کے سامنے سے ہٹا دیے جاتے ہیں۔ اسباب سماعت کے دنیاوی قوانین ان کے لیے منسوخ کر دیے جاتے ہیں۔ قیود زمانی و مکانی کی تمام فرضی بیڑیاں ان کے پاؤں سے کاٹ ڈالی جاتی ہیں۔ آسمان وزمین کے مخفی مناظر بے حجابانہ ان کے سامنے آتے ہیں اور اس کے بعد نور کا حلہ بہشتی پہن کر فرشتوں کے روحانی جلوس کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں پیش ہوتے ہیں اور اپنے اپنے رتبہ اور درجہ کے مناسب مقام پر کھڑے ہو کر فیض ربانی سے معمور اور غرق دریائے نور ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ بعض مقربان خاص کو یہ درجہ عطا ہوتا ہے کہ وہ حریم خلوت گاہ میں بار پا کر 'قَابَ قَوْسَیْنِ' (دو کمانوں کے فاصلہ) سے بھی نزدیک ہو جاتے ہیں اور پھر وہاں سے اپنے منصب کا فرمان خاص لے کر اسی کاشانہ آب وخاک میں واپس آجاتے ہیں۔"(۳)

معراج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم معترضین کی نظر میں

رفع سماوات و سیر سماوات اور تجلیات الٰہی کے مشاہدہ کرنے کی اس غیر واضح اور مبہم شکل کو جب انبیاء سابقین کی معراج تسلیم کیا جاتا ہے تو نبیؐ کے واقعہ رفع سماوات کو بھی معراج کی اعلیٰ شکل کے طور پر ہی تسلیم کیا جانا چاہیے۔ معراج نبوی کی خصوصیت یہ ہے کہ بارگاہ لامکاں میں آپ کو وہاں تک رسائی حاصل ہوئی جہاں تک کسی فرزند آدم کے قدم اس سے پہلے نہیں پہنچے تھے اور نہ کسی نے ان چیزوں کا مشاہدہ کیا تھا جو حضورؐ نے کیا۔ نبیؐ کی معراج کی اس اعلیٰ وارفع شکل کو جو دلائل سے ثابت ہے، تسلیم کرنے میں معترضین کو قباحت ہوتی ہے اور جب انکار کی کوئی شکل نہیں رہ جاتی تو اس کی صداقت کا پیمانہ سائنس کو بنایا جاتا ہے۔ کوئی ضروری نہیں کہ اللہ کی ہر صناعی اور کاریگری اس خود ساختہ پیمانہ پر پوری اتر جائے۔ چنانچہ معترضین کی اس پریشان خیالی پر تنقید کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالقادر جیلانی لکھتے ہیں:

"ان تحریری شہادتوں کی بنیاد پر معراج نبویؐ پر شک وشبہ، حرف گیری یا تمسخر محض لغویت ہی کہلا سکتی ہے۔ ایک عام آدمی کے ہوا میں اڑنے کا ناقابل یقین واقعہ صرف اس لیے انسائیکلوپیڈیا میں جگہ پا سکتا ہے کہ اس کے راوی اور شاہد سب کے سب مغربی تھے۔ انبیاء بنی اسرائیل کی وارداتوں کو صرف اس لیے تسلیم کیا جاتا ہے کہ وہ انجیل مقدس میں تحریر ہیں۔ لیکن تمام انبیاء کے سردار کی اس قسم کی واردات اس لیے زیر بحث

آتی ہیں کہ ان کا تعلق مغربی عقیدے سے نہیں ہے۔ کیا خوب منطق ہے کہ ابلیس تو خداوند یسوع مسیح کو بلندیوں پر لے جا سکتا ہے۔ لیکن رب العالمین اپنے رسولؐ کو (نعوذ باللہ) معراج سے سرفراز نہیں کر سکتا۔ یہی واقعہ اسلامی لٹریچر میں ہو تو تیوری پر بل پڑنے لگیں، لیکن اس کا چربہ دانتے کا قلم اتارے تو عہد وسطیٰ کا شہ پارہ کہلائے۔" (۴)

انبیائے کرام کو معراج کیوں کرائی جاتی ہے؟

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو انتہائی سخت گھڑی میں لوگوں کی ہدایت کے لیے نبی بنا کر مبعوث فرماتا ہے۔ یہ پاک نفوس مصائب و مشکلات کی چکی میں پسنے کے باوجود فریضۂ الٰہی کی تکمیل و ترسیل میں مصروف اور راضی بہ رضا رہتے ہیں اور کوئی شکوہ وگلہ نہیں کرتے۔ اس طرح کے حالات میں اللہ تعالیٰ انہیں اپنی قربت سے نوازتا اور کلام و پیام سے ان کے حوصلوں کو مزید بلند کرتا ہے، تاکہ اس فضیلت سے سرشار ہو کر وہ اپنے مشن میں ثابت قدم رہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیشہ آزمائش کے بعد ہی خدائی اعزاز و انعام حاصل ہوتا ہے اور ایسا ہر پیغمبر کے ساتھ ہوا ہے۔ (۵)

معراج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمہید

کفارِ مکہ کی عداوت مسلمانوں کے تئیں روز بہ روز بڑھتی اور خود حضورؐ کے لیے مکہ کی سرزمین تنگ ہوتی جا رہی تھی۔ پیغام رسانی اور خلق اللہ کی ہدایت کے لیے طائف کا سفر بھی کیا، مگر وہاں بھی کامیابی نہ ملی اور دل برداشتہ ہو کر مکہ لوٹ آئے اور غور و فکر میں غرق ہو گئے۔ اس پریشانی اور فکر کو دیکھ کر اللہ تبارک وتعالیٰ آپؐ کو تسلی دیتا ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰٓ اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝ (الکہف:۶)

"اچھا تو اے نبیؐ، شاید تم ان کے پیچھے غم کے مارے اپنی جان کھو دینے والے ہو، اگر یہ اس تعلیم پر ایمان نہ لائے۔"

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ (الشعراء:۳)

''اے نبیؐ، شاید تم اس غم میں اپنی جان کھودو گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔''

اس طرح کے حالات سے نبیؐ دوچار تھے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور اپنے محبوب کی قلبی تسکین اور ان کی خدمات کو سراہنے، یہاں تک کہ آئندہ کے لیے مرکز دعوت کی وضاحت کے لیے اپنے حضور میں بلانے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ کو نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ رب کی حضوری حاصل ہوئی۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

''جب اسلام کی سخت اور پرخطر زندگی کا باب ختم ہونے والا تھا اور ہجرت کے بعد طمانیت و سکون کے ایک نئے دور کا آغاز ہونے والا تھا، وہ شب مبارک آئی اور شب مبارک میں وہ ساعت ہمایوں آئی جو دیوان قضا میں سرور عالمؐ کی سیر ملکوت کے لیے مقرر تھی اور جس میں پیش گاہ ربانی سے احکام خاص کا اجرا اور نفاذ عمل میں آنے والا تھا۔ رضوان جنت کو حکم ہوا کہ آج مہمان سرائے غیب کو نئے ساز و برگ سے آراستہ کیا جائے۔ شاہد عالم یہاں مہمان بن کر آئے گا۔ روح الامین کو فرمان پہنچا کہ وہ سواری جو بجلی سے زیادہ تیز گام اور روشنی سے زیادہ سبک خرام ہے اور جو خطہ لاہوت کے مسافروں کے لیے مخصوص ہے، حرم ابراہیمؑ (کعبہ) میں لے جا کر حاضر ہو اور کارکنان عناصر کو حکم ہوا کہ مملکت آب و خاک کے تمام احکام و قوانین تھوڑی دیر کے لیے معطل کر دیے جائیں اور زمان و مکاں، سفر و اقامت، رویت و سماعت، تخاطب کلام کی تمام طبعی پابندیاں اٹھا دی جائیں۔''(٦)

قرآن کریم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کا ذکر

نبی کریمؐ کی معراج کا ذکر قرآن کریم میں مجمل انداز میں مگر تعین کے ساتھ کیا گیا ہے۔ البتہ سورۂ نجم میں جو تفصیلات آئی ہیں ان کا تعلق رویت سے ہے۔ یہ رویت کس کی تھی، اس سے یہاں بحث نہیں ہے۔ کبار صحابہ اور علمائے اسلام نے اس رویت کا مقام و محل واقعہ معراج کو ہی قرار دیا ہے۔(٧) سورۂ بنی اسرائیل کی ابتدائی آیت میں سفر معراج کے متعلق فرمایا گیا ہے:

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ۝۱ (بنی اسرائیل ۱:)

"پاک ہے وہ جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے دور کی اس مسجد (مسجد اقصیٰ) تک جس کے ماحول کو اس نے برکت دی ہے، تاکہ اسے اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائے۔ حقیقت میں وہی ہے سب کچھ سننے اور دیکھنے والا۔"

اسی سورہ میں آگے چل کر اس کو لوگوں کے لیے آزمائش قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (بنی اسرائیل:٦٠)

"اور یہ جو کچھ ابھی ہم نے تمھیں دکھایا ہے، ہم نے ان لوگوں کے لیے ایک فتنہ بنا کر رکھ دیا ہے۔"

سورۂ نجم میں جو تفصیلات آئی ہیں اس میں آپؐ کے 'سدرۃ المنتہیٰ' پر پہنچنے اور علی الاختلاف رویت باری تعالیٰ یا جبرئیل کی رویت کا ذکر ہے۔ یقینی بات ہے کہ آپؐ معراج کے موقع سے ہی اس بلند مقام پر پہنچے تھے۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے:

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿۱۳﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ﴿۱۵﴾ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ﴿۱۶﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰى ﴿۱۷﴾ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾ (النجم:۱۳-۱۸)

"اور ایک مرتبہ پھر اس نے 'سدرۃ المنتہیٰ' کے پاس اس کو اترتے دیکھا، جہاں پاس ہی جنت الماویٰ ہے۔ اس وقت سدرہ پر چھا رہا تھا جو کچھ کہ چھا رہا تھا۔ نگاہ نہ چوندھیائی، نہ حد سے متجاوز ہوئی اور اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔"

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ آپؐ ایک رات ارض خاکی کی سیر کرتے ہوئے آسمان دنیا پر پہنچے اور وہاں سے اپنے رب کی حضوری حاصل کی۔

معراج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تفصیل احادیث کی روشنی میں

آیات قرآنی سے اسراء یعنی مسجد اقصیٰ تک جانے کی وضاحت ہوتی ہے۔ وہاں پہنچنے کے بعد کیا واقعات پیش آئے، پتا نہیں چلتا۔ لیکن احادیث مبارکہ میں اس کی تفصیل ملتی ہے۔ بعض احادیث میں معراج کے سفر کو بیان کیا گیا ہے، بعض کے ذریعہ اس ؑ کے مناظر بیان کیے گئے

ہیں، بعض میں قوموں اور ملکوں کے حالات بیان ہوئے ہیں اور بعض میں جنت وجہنم کے مشاہدات کا ذکر ہے۔ یہاں ان احادیث کا حاصل اختصار کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے:

ایک رات نبیؐ حرم شریف کے ایک خاص مقام 'حطیم' میں لیٹے ہوئے تھے۔ حضرت جبرئیل تشریف لائے، آپ کو بیدار کیا، زم زم کے پاس لے گئے اور لٹا دیا اور آپ کے سینہ مبارک کو چاک کیا، دل نکالا، اسے آب زم زم سے دھویا اور ایمان وحکمت کی باتیں آپ کے سینہ میں ڈال کر سینہ کو بند کر دیا۔ پھر ایک خاص سواری 'براق' لائی گئی۔ اس پر دونوں سوار ہوئے اور مسجد اقصیٰ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں بہت سے اہم اور تاریخی مقامات آئے جہاں جبرئیل کے کہنے پر آپ نے نماز نفل ادا کی۔ یہاں تک کہ آپؐ مسجد اقصیٰ پہنچے، نفل نماز پڑھنے کے بعد آپ کے لیے ایک سیڑھی لائی گئی اس کے ذریعہ دونوں آسمان پر چڑھے۔ پہلے آسمان پر پہنچے تو جبرئیل نے اندر داخل ہونے کے لیے دربان سے دروازہ کھولنے کو کہا۔ دربان نے آنے کی وجہ پوچھی تو بتایا گیا کہ میرے ساتھ محمدؐ ہیں اور انہیں بلایا گیا ہے۔ دربان نے دروازہ کھول دیا۔ دونوں آدمی اندر داخل ہوئے۔ یہاں حضورؐ کی ملاقات حضرت آدمؑ سے ہوئی۔ سلام وکلام کے بعد آدم نے آپ کی آمد پر خوشی کا اظہار کیا۔ یہاں سے پھر دوسرے آسمان پر چڑھے۔ یہاں کے دربان نے بھی وہی سوال کیا جو پہلے نے کیا تھا اور جبرئیل نے بھی وہی جواب دیا جو پہلے دیا تھا۔ چنانچہ دروازہ کھولا گیا اور آپ اندر داخل ہوئے۔ یہاں حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ سلام وکلام کے بعد انہوں نے بھی آپ کی آمد پر خوشی کا اظہار کیا۔ پھر تیسرے آسمان پر چڑھے، یہاں حضرت یوسفؑ سے ملاقات ہوئی، چوتھے آسمان پر حضرت ادریسؑ سے، پانچویں پر حضرت ہارونؑ سے، چھٹے پر حضرت موسیٰؑ سے اور ساتویں پر حضرت ابراہیمؑ سے ملاقات ہوئی۔ سب نے آپ کی تشریف آوری پر خوشی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد آپ کو اللہ تعالیٰ کے اتنے قریب لے جایا گیا کہ فرشتوں کے قدم کے چلنے کی آواز آپ کو سنائی دے رہی تھی۔ وہاں سے آپ اور اوپر چلے اور 'سدرۃ المنتہیٰ' پر گئے۔ یہاں کی چار نہروں کو آپ نے دیکھا جو مختلف نوعیت کی تھیں اور جن کے دھارے بھی مختلف تھے۔ یہاں سے اور اوپر چلے تو 'بیت المعمور' پر تشریف لے گئے۔ اس کے بعد آپ کی خدمت میں دودھ اور شراب کا پیالہ پیش کیا گیا۔ آپؐ نے دودھ کے پیالہ کا انتخاب کیا۔ پھر آپؐ اللہ تعالیٰ کے اتنا قریب ہوئے کہ قوسین یا اس سے کم

فاصلہ رہ گیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی کی جو کچھ وحی کرنی تھی۔ اللہ نے آپ کو اس وقت پچاس نمازوں کا عطیہ عنایت کیا، مگر بعد میں گھٹ کر ۵ وقت کی نمازیں رہ گئیں۔ اس کے علاوہ آپ کو قرآن کریم کی کچھ آیات اور دوسری چیزیں بھی ملیں۔ جسے لے کر آپؐ بالترتیب نیچے اترے اور پہلے آسمان پر پہنچے اور وہاں سے پھر سیڑھی کے ذریعے اتر کر مسجد اقصیٰ میں آئے۔ یہاں آپ نے انبیاء کی امامت فرمائی۔ پھر براق پر سوار ہو کر صبح کے اندھیرے میں اسی مقام پر آگئے جہاں سے یہ سفر شروع ہوا تھا۔(۸)

معراج سے نصیحت حاصل کریں

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ سفر اور رب کی حضوری کے واقعات نبیؐ کے مقام و مرتبہ کو بلند اور ان کے حوصلے اور عزائم کو مستحکم کرنے کے لیے انتہائی شان سے کرائے گئے تو اس سے عام لوگوں کو کیا فائدہ ہونے والا تھا۔ دراصل اس قسم کا شبہ اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب واقعہ کے ایک پہلو پر ہی نظر ہو۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی کام مصلحت سے خالی نہیں۔ چنانچہ اس واقعہ کے اثرات وفوائد کی وضاحت کرتے ہوئے ابن اسحاق لکھتے ہیں:

> ”آپؐ کے اس سفر میں اور اس کے متعلق مذکورہ روایات میں لوگوں کا امتحان اور آزمائش مقصود تھی اور یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی قدرت وسلطنت کا ایک اعجاز ہے جس میں اہل دانش وبینش کے لیے سامان عبرت وہدایات موجود ہے۔ یہ رحمت خداوندی کی نشانیوں میں سے ایک اہم نشانی ہے اور ایمان لانے والوں، تصدیق کرنے والوں اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر یقین رکھنے والوں کے لیے یہ صاف اور صریح تنبیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت وارادہ کے مطابق جس طرح چاہا رسولؐ کو سفر کرایا تاکہ آپ کو اپنی نشانیوں میں سے جس قدر نشانیوں کا مشاہدہ کرانا چاہے وہ آپ کو کرائے، یہاں تک کہ رسولؐ نے اللہ عزوجل کے کارخانہ، اس کی عظیم سلطنت اور اس کی قدرت کا معائنہ کیا جس کے ذریعہ وہ جو چاہتا ہے کراتا ہے۔ آپ نے اس واقعہ کا ذکر لوگوں سے کیا تاکہ وہ اس کی تصدیق کریں۔“(۹)

اس واقعہ پر کفار و مشرکین کا ردعمل

راتوں رات یعنی فجر سے کچھ پہلے آپؐ سفرِ معراج سے لوٹ کر آ گئے۔ صبح ہوئی تو آپ نے اس سفر کی روداد کفار و مشرکین کے سامنے بیان کی۔ اسے سن کر وہ حیرت میں پڑ گئے اور آپ کی تکذیب کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اتنا طویل سفر رات کے ایک مختصر حصے میں کیسے طے کیا جا سکتا ہے؟ ایسی بات تو وہی کہہ سکتا ہے جو پاگل اور دیوانہ ہوگا۔ یہاں تک کہ سارا مکہ اس خبر کو سن کر آپ کے گرد جمع ہو گیا اور حیرت و استعجاب میں مختلف قسم کے سوالات کرنے لگا۔ وہ لوگ جو بیت المقدس تک کا کبھی سفر کر چکے تھے اور جنہوں نے اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھا تھا انہوں نے مسجد کی ساخت اور اس کے در و دیوار اور دوسری چیزوں کے متعلق آپ سے سوال کیا۔ آپؐ نے اسے تفصیل سے اور صحیح صحیح بیان کر دیا۔ (۱۰) اس کے باوجود وہ آپؐ کو جھٹلاتے رہے۔

مسلمانوں پر اس واقعہ کا اثر

بعض روایتوں سے پتا چلتا ہے کہ حضورؐ کے ذریعہ اس خبر کو سن کر بعض مسلمانوں پر بھی غیر معمولی اثر ہوا اور ان کے ایمان ڈگمگانے لگے۔ لوگ بھاگتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچے اور کہا کہ رسولؐ کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ آج راتوں رات اتنے دور دراز کے سفر پر جانے اور آنے کی خبر دے رہے ہیں۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ اگر رسولؐ ایسا فرماتے ہیں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ سچ کہتے ہیں۔ حضورؐ کی ان باتوں کو سن کر بعض مسلمانوں کو شروع میں تعجب ہوا ہو، یہ کوئی بعید بات نہیں ہے۔ ابن ہشام کا یہ لکھنا کہ اس واقعہ کو سن کر بعض مسلمان مرتد ہو گئے تھے درست نہیں ہے۔ (۱۱) مسلمانوں کے ایمان کا امتحان تو ایسے ہی موقع پر لیا جاتا ہے کہ آیا وہ اپنے ایمان پر ثابت قدم رہتے ہیں یا ڈگمگا جاتے ہیں۔ اس طرح کی تمام روایتوں کی علامہ سید سلیمان ندویؒ نے تردید کی ہے اور ان کے ضعف کو ظاہر کیا ہے، جس سے وہ قابل استدلال نہیں رہتیں۔ آگے وہ لکھتے ہیں:

> ”اس واقعہ کے انکار کی سب سے پر زور دلیل ہمارے پاس یہ ہے کہ اس وقت تک مکہ میں جو اصحاب اسلام لائے تھے، وہ گنے چنے لوگ تھے، جو ہم کو نام بہ نام معلوم ہیں۔ ان میں سے کسی کی پیشانی پر ارتداد کا داغ نہیں۔ واقعہ کی صورت یہ ہو سکتی ہے

کہ کافروں میں بعض لوگ ایسے ہوں گے جو اس سے پہلے آپ کے سخت مخالف نہ ہوں اور اگر آپ کو پیغمبر نہ جانتے ہوں مگر آپ کو مفتری اور کاذب بھی نہ کہتے ہوں، لیکن اس واقعہ معراج کے بعد انہوں نے بھی آپ کے ساتھ اس نیکی اور حسن ظن کے خیال کو اٹھا دیا۔ قرآن مجید نے اس کو فتنۃ للناس 'لوگوں کے لیے آزمائش کہا ہے۔ فتنۃ للمومنین' یعنی مومنین اور مسلمانوں کے لیے آزمائش نہیں کہا ہے اور اگر ان کے لیے بھی آزمائش ہو تو اس آیت سے کیا ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس آزمائش میں پورے نہیں اترے۔" (۱۲)

واقعہ معراج کب پیش آیا؟

نبیؐ مکہ میں ایک رات آرام فرما رہے تھے کہ اس کے ابتدائی حصے میں جب کہ سارے لوگ سو رہے ہوتے ہیں، آپ کو معراج کے سفر پر لے جایا گیا۔ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت: اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا سے بھی واضح ہوتا ہے۔ لیکن یہ بعثت کے کتنے سال بعد پیش آیا اس میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی صراحت کے مطابق دس سے بھی زیادہ اقوال سامنے آتے ہیں۔ مشہور قول یہ ہے کہ ہجرت نبویؐ سے ایک سال سات مہینہ قبل ۲۷ ویں رجب کو بدھ کی شب میں یہ واقعہ پیش آیا۔ ابن حجرؒ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ (۱۳) علامہ ابن جوزیؒ نے بھی ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد ماہ رجب کی مذکورہ تاریخ کو ہی واقعہ کے وقوع کا یقین ظاہر کیا ہے۔ (۱۴) اسی کی تائید علامہ زرقانیؒ کے قول سے بھی ہوتی ہے۔ بلکہ وہ یہ بھی تحریر کرتے ہیں جب کسی قول کو دوسرے قول پر ترجیح دینے کے لیے کافی دلائل موجود نہ ہوں تو مشہور قول کو ہی اختیار کرنا چاہیے۔ (۱۵) علامہ سید سلیمان ندویؒ، (۱۶) سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، (۱۷) مولانا ادریس کاندھلویؒ (۱۸) اور بعض دوسرے علماء کی بھی یہی رائے ہے۔ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ کے مطابق واقعہ معراج ہجرت سے تین سال قبل رجب کے مہینہ میں مذکورہ تاریخ کو پیش آیا۔ (۱۹)

معراج کی روایتیں اور ان کے راوی

تاریخ اسلامی کا یہ مہتم بالشان واقعہ تواتر سے ثابت ہے اور بہت سے صحابہ نے اس کو بیان کیا ہے۔ اس میں وہ صحابہ بھی ہیں جو معراج کے وقت مکہ میں موجود تھے اور اس میں مدنی

صحابی بھی ہیں۔ جنہوں نے معراج کی تفصیلات خود نبی اکرمؐ سے سنی ہوگی اور دوسرے کئی صحابہ سے بھی۔ علامہ زرقانی کے بقول یہ واقعہ ۴۵ صحابہ سے مروی ہے۔ انہوں نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ یہ روایتیں کہاں کہاں ملتی ہیں۔(۲۰) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اسی طرح کی باتیں لکھی ہیں۔(۲۱) حافظ ابن کثیرؒ نے ان میں سے بہت سی روایتوں کو مع سند تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے۔(۲۲) یہ روایتیں صحاح ستہ کے مختلف ابواب میں پھیلی ہوئی ہیں۔ مسند احمد بن حنبل اور دوسرے مجموعہ ہائے احادیث میں بھی یہ روایتیں ملتی ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ، ابو ہریرہؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عائشہؓ اور ام ہانیؓ وغیرہ کی روایتوں میں واقعات کے مختلف اجزا ملتے ہیں جس سے معراج کی اہمیت و معنویت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ خاص طور پر حضرت ابوذرؓ، حضرت مالک بن صعصہؓ اور حضرت انس بن مالکؓ کی روایتوں میں معراج کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔(۲۳) بعض جزئیات کو چھوڑ کر سارے صحابہ واقعات معراج کو یکساں بیان کرتے ہیں۔ تاریخ وسیر اور دوسری اسلامی کتابوں میں بھی واقعات معراج کی تفصیل ملتی ہے۔ بیشتر مفسرین نے اس واقعہ کو سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ نجم کی تفسیر کے ذیل میں بیان کیا ہے۔ ان تمام دلائل وشواہد سے واقعات معراج کی حقیقت پر روشنی پڑتی ہے۔ اس لیے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں رہ جاتا کہ یہ واقعہ رونما نہیں ہوا تھا۔

معراج جسمانی تھی یا روحانی

حضور اکرمؐ نے جیسے ہی معراج کی روداد کفار ومشرکین کے سامنے بیان کی، سنتے ہی ایک بڑا فتنہ کھڑا ہوگیا۔ یہ انکار وتکذیب خود اس بات کی دلیل ہے کہ معراج جسم کے ساتھ ہوئی تھی اور بیداری کی حالت میں۔ اگر یہ خواب ہوتا تو لوگ اس کی تردید اور تکذیب نہ کرتے۔ خواب میں ہر کوئی محیر العقول کارنامہ انجام دے سکتا ہے جس کا تصور بیداری کی حالت میں نہیں کیا جاسکتا۔ سورۂ بنی اسرائیل کی ۶۰ ویں آیت سے بھی پتا چلتا ہے کہ یہ خواب نہ تھا اور آپ کا یہ سفر جسم کے ساتھ بیداری کی حالت میں ہوا تھا۔ اس واقعہ کے متعلق جیسا کہ ذکر ہوا ہے حضرت ابوبکرؓ نے سنا تو اس کی تصدیق کی اور انہیں صدیق کا لقب ملا۔(۲۴) خواب کی تصدیق پر صدیق کا لقب دینے کے کیا معنی؟ نیز اگر یہ خواب اور روحانی واردات ہوتی تو ام ہانیؓ اس واقعہ کو بیان

کرنے سے حضورؐ کو نہ روکتیں، جیسا کہ ابن سعد نے صراحت کی ہے۔(۲۵) اس لیے لامحالہ اسے بیداری کی حالت میں مانا جائے گا اور یہ بھی تسلیم کیا جائے گا کہ یہ جسم اور روح دونوں کے ساتھ واقع ہوا تھا۔

لغت میں رویا کن کن معنوں میں استعمال ہوتا ہے، ایک طویل بحث ہے۔ لیکن رویا کا سب سے اہم اور مشہور معنی یہی ہے کہ کسی چیز کو بیداری کی حالت میں دیکھا جائے۔ آیت مذکور میں لفظ رویا کی تشریح کرتے ہوئے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آنکھ کا مشاہدہ تھا جو نبی اکرمؐ کو دکھایا گیا، جب آپ کو رات کے وقت میں بیت المقدس لے جایا گیا۔(۲۶)

یہ واقعہ آپ کے اہم معجزات میں شمار ہوتا ہے۔ اگر یہ خواب ہوتا تو ہرگز معجزہ نہیں کہلاتا۔ اس لیے ائمہ حدیث اور بیش تر علما کا اس پر اتفاق ہے کہ معراج جسم کے ساتھ اور بیداری کی حالت میں ہوئی تھی۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور امام نوویؒ لکھتے ہیں:

> ”نبیؐ کی معراج کے بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ سارا واقعہ خواب کی حالت میں پیش آیا۔ لیکن صحیح یہ ہے اور جس پر زیادہ تر لوگوں، سلف صالحین کی بڑی تعداد ہے اور عامۃ المتاخرین میں فقہا و محدثین اور متکلمین سب کا اتفاق ہے کہ معراج آں حضرتؐ کو جسم کے ساتھ ہوئی۔ جو شخص تمام آثار و احادیث کا بہ غائر مطالعہ اور تحقیق کرے گا، اس پر یہ بات واضح ہو جائے گی اور اس ظاہر سے بے دلیل انحراف نہیں کیا جائے گا اور نہ ظاہر پر ان کو محمول کرنے میں کوئی محال لازم آتا ہے جو تاویل کی حاجت ہو۔“(۲۷)

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے یہاں یہ بحث مزید واضح ہو جاتی ہے کہ یہ سفر جسمانی تھا اور بیداری میں ہوا تھا۔(۲۸)

جو لوگ معراج جسمانی کے قائل نہیں ہیں وہ اپنی دلیل میں حضرت عائشہؓ اور بعض دوسرے صحابہ کی حدیث بیان کرتے ہیں۔ اس میں فرمایا گیا ہے:

> ”آپ کا جسم مبارک یہاں موجود رہا مفقود نہیں ہوا تھا۔“(۲۹)

ان روایات سے استدلال اسی وقت درست ہو سکتا ہے جب کہ یہ اصول حدیث کی رو سے درست ہوں اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے کم زور ہے تو پھر

استدلال کیسے درست ہوسکتا ہے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ان روایتوں کے ضعف کو کئی اعتبار سے واضح کیا ہے۔(۳۰) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے حدیث عائشہ کو بعض وجوہ سے ناقابل استدلال قرار دیا ہے۔(۳۱) یہی رائے بعض دوسرے علماء کی ہے۔

اسراء ومعراج ایک ہی واقعہ ہے یا الگ الگ

اسراء ومعراج کے سلسلے میں علماء کے دو مختلف نظریے ہیں۔ ایک طبقہ کے نزدیک دونوں الگ الگ واقعے ہیں اور مختلف دنوں میں پیش آئے۔ جب کہ بیش تر علماء کے نزدیک دونوں ایک ہی واقعہ ہے، جو ایک مرتبہ میں پیش آیا۔ کبھی اسرا بول کر معراج مراد لی جاتی ہے تو کبھی معراج بول کر اسرا۔ اسی وجہ سے یہ اختلاف بھی پیدا ہوا کہ معراج نوم کی حالت میں ہوئی اور اسرا بیداری کی حالت میں۔ اس طرح کی تاویلات درست نہیں ہیں۔ علامہ زرقانی نے اس مسئلہ کی بڑی اچھی وضاحت کی ہے اور دونوں کو ایک ہی واقعہ قرار دیا ہے۔ نیز انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ جمہور محدثین، متکلمین اور فقہا کی یہی رائے ہے اور صحیح روایات کا تواتر بھی اسی پر دلالت کرتا ہے، جس سے عدول نہیں کیا جاسکتا۔(۳۲) حافظ ابن کثیرؒ نے ان تمام آرا کو لغو قرار دیا ہے جو اس میں فرق کرتے ہیں اور تعدد کے قائل ہیں۔(۳۳)

قرآن کریم میں اسراء یعنی مسجد اقصیٰ تک کے سفر کا ذکر ملتا ہے اور اس سے آگے کی تفصیلات صحیح احادیث میں بیان ہوئی ہیں۔ حدیث میں پورے واقعہ کو جہاں سے اس کی ابتدا ہوئی بالترتیب بیان کیا گیا ہے اور اسی ترتیب سے واپس آنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس پر کفار ومشرکین کا جو ردعمل ہوا اس کی بھی وضاحت ملتی ہے۔ بلکہ ام ہانیؓ کی روایت سے اس بات کو مزید تقویت ملتی ہے کہ یہ ایک ہی واقعہ ہے۔ حضورؐ جب معراج کے سفر سے واپس آئے تو علی الصباح ام ہانیؓ سے اس کا ذکر کیا۔ اس کے متعلق ان کو کوئی تردد تو نہ ہوا، لیکن کفار ومشرکین کے رویہ اور ایمان کے فقدان کی وجہ سے آپ کو ان کے سامنے بیان کرنے سے منع ضرور کیا۔(۳۴)

اس سلسلے میں جو اختلاف پیدا ہوا ہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ نبیؐ نے کفار مکہ کے سامنے وضاحت سے بیت المقدس تک کے سفر کا حال بیان کیا۔ اس سے آگے کا حال مجمع میں تفصیل سے بیان نہیں کیا۔ لیکن جب ابوبکرؓ اور آپؐ کے دوسرے صحابہ کے ساتھ آپؐ تنہا تھے

تو آپؐ نے سات آسمان سے گزر کر اپنی معراج کے بارے میں اور جو کچھ آپؐ نے دیکھا تھا اس کا ایک حصہ بیان کر دیا۔ باقی حصہ بعد کے برسوں میں آپ سوالات کے جواب میں بیان کرتے رہے۔' (۳۵)

معراج کے انعامات

آپؐ معراج میں رب کی حضوری سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے تین اہم انعامات سے نوازا۔ سورۂ بقرہ کی آخری تین آیات عنایت کی گئیں۔ یہ بشارت دی گئی کہ آپ کی امت میں سے جو شخص شرک کا ارتکاب نہ کرے گا، اس کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے اور آپ کی امت پر ۵ وقت کی نمازیں فرض کی گئی ہیں۔ اس کا ثواب ۵۰ نمازوں کے برابر ملے گا۔ (۳۶) ان کے علاوہ بھی آپ کو مزید احکام دیے گئے جس کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل آیات (۲۲-۳۹) میں کیا گیا ہے۔ نیز اسی حضوری میں آپ کو ہجرت کرنے کا اشارہ بھی دیا گیا اور آئندہ کی ذمہ داریوں کی وضاحت کی گئی اور اس کے لیے آپ کو یہ دعا سکھائی گئی:

وَ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا۝ (بنی اسرائیل:۸۰)

"اور دعا کرو پروردگار، مجھ کو جہاں بھی تو لے جائے سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنا دے۔"

سورۂ بنی اسرائیل مکمل واقعہ معراج کے سیاق میں نازل ہوئی ہے۔ مگر اس کا واضح اشارہ چند آیتوں میں ہی کیا گیا ہے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

"عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں معراج کا بیان سورۂ اسرا (جس کو سورۂ بنی اسرائیل بھی کہتے ہیں) کی صرف ابتدائی تین چار آیتوں میں ہے..... لیکن ہم نے اس سورہ کو شروع سے آخر تک بارہا پڑھا ہے اور ہر بار اس یقین کے ساتھ ختم کیا کہ یہ پوری سورہ معراج کے اسرار و حقائق، نتائج وغیرہ اور احکام و اعلانات سے معمور ہے۔" (۳۷)

امامت انبیاء کا واقعہ کب پیش آیا؟

اتنی بات تو ثابت ہے کہ معراج کے سفر میں آپؐ نے بیت المقدس میں تمام انبیاء کی

امامت فرمائی۔اس سے بھی آپ کے سردار انبیاء ہونے کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔معترضین نے معراج کا انکار کیا ہے،اس کی ایک بڑی وجہ یہی ہے کہ یہاں بھی انبیاء بنی اسرائیل پر آپؐ فضیلت نمایاں ہوئی ہے، کیوں کہ تمام انبیاء نے آپ کی امامت میں نماز پڑھی۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امامت انبیاء کا یہ واقعہ کب پیش آیا؟ آتے ہوئے یا جاتے ہوئے، ایک یا اس سے زائد مرتبہ۔صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ امامت انبیاء کا واقعہ واپسی میں پیش آیا۔بیش تر علماء کا اس پر اتفاق ہے۔حافظ ابن کثیرؒ اس مسئلہ پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پھر آپؐ بیت المقدس کی طرف تشریف لائے اور انبیاء کرام بھی آپ کے ساتھ اترے اور جب نماز کا وقت ہوا تو آپ نے امام بن کر سب کو نماز پڑھائی اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ نماز اس دن کی صبح کی نماز ہو اور بعض کا خیال یہ ہے کہ یہ امامت آسمان میں فرمائی ہے۔حالاں کہ بہت سی روایات میں صراحت ہے کہ بیت المقدس میں امامت فرمائی۔ہاں بعض روایات میں یہ ہے کہ امامت انبیاء کا واقعہ آسمان پر چڑھنے سے پہلے پیش آیا۔مگر ظاہر یہ ہے کہ یہ امامت واپسی پر فرمائی ہے۔کیوں کہ آسمانوں پر انبیاء کرام سے ملاقات کے وقت سب انبیاء سے حضرت جبرئیل نے آپ کا تعارف کرایا ہے۔اگر واقعہ امامت پہلے پیش آچکا ہوتا تو تعارف کی کیا ضرورت تھی؟ اور واقعات کی فطری ترتیب بھی یہی مناسب معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ اس سفر کا اصل مقصد بارگاہ خداوندی میں حاضری تھا، تاکہ آپ پر اور آپ کی امت پر جو احکام فرض کیے جانے ہیں وہ فرض کیے جائیں۔پھر جب آپ اصل کام سے فارغ ہو گئے تو تمام انبیاء مشایعت کے لیے بیت المقدس تک آئے اور جبرئیل امین کے اشارے سے آپ کو سب کا امام بنا کر آپ کی سیادت وقیادت کا عملی ثبوت پیش کیا گیا۔پھر بیت المقدس سے نکلے اور براق پر سوار ہوئے اور رات کے اندھیرے میں مکہ لوٹ آئے۔''(۳۸)

معراج کے بعض واقعات اور مشاہدات کی حکمتیں

مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور وہاں سے آسمانوں سے گزرتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے۔یہاں سے آپ کی رسائی بیت المعمور تک ہوئی، پھر اللہ کی حضوری حاصل ہوئی۔یہ مختلف منازل اور مدارج اور ہر مقام پر کوئی نہ کوئی اہم واقعہ پیش آیا اور آپ نے اللہ کی نشانیوں کو ملاحظہ

کیا۔ جنت وجہنم کے مناظر آپ کے سامنے پیش کیے گئے۔ انبیائے سابقین کی امتوں کے احوال کا بھی علم ہوا۔ اچھے اور برے لوگوں کے اعمال کے تعلق سے جو ثمرات ان کے حصے میں آئے تھے ان سے بھی آپ نے واقفیت حاصل کی۔ ان تمام کی بہت سی حکمتیں ہیں۔ جنہیں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

سینہ مبارک چاک کیے جانے اور اس کے ایمان سے بھرے جانے کا معاملہ ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ ملکوتی انوار کا غلبہ ہو گیا اور طبیعت بشری کا جوش ٹھنڈا ہو گیا اور خطیرۃ القدس سے جو فیضان ہوتا ہے طبیعت اس کے تابع ہو گئی۔

آپ ﷺ کے براق پر سوار ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ کے نفس ناطقہ کو آپ کے اس نسمہ پر استواو غلبہ مل جائے جو کمال حیوانی ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ براق پر سواری کرتے ہوئے اس طرح غالب ہوئے جس طرح آپ کے نفس ناطقہ کے احکام قوت بہیمیہ پر غالب و مسلط ہوئے تھے۔

مسجد اقصیٰ تک آپ کا لے جانا اس لیے ہوا کہ وہ شعائر الٰہی کے ظہور کا مقام، ملاء اعلیٰ کے مقاصد اور ہمتوں کی آماج گاہ اور انبیائے کرام علیہم السلام کا مطمح نظر ہے۔ گویا کہ وہ عالم ملکوت کی طرف کھلنے والا ایک دریچہ ہے۔

انبیائے کرام صلوات اللہ علیہم سے آپ کی ملاقات و مفاخرت کی حقیقت یہ ہے کہ خطیرہ القدس میں ان کے درمیان جو باہمی ارتباط و تعلق ہے اس کی بنا پر ان کا اجتماع ہوا اور رسول اکرم ﷺ کو ان کے درمیان جو مختلف کمالات کی بنا پر اختصاص حاصل ہے اس کا ظہور ہوا۔

ایک آسمان کے بعد دوسرے آسمان پر اور پھر تمام آسمانوں پر چڑھنے کی حقیقت یہ ہے کہ آپ نے درجہ بدرجہ عرش رحمانی کی طرف تقرب حاصل کیا اور اس میں متعین فرشتوں کے حال کی معرفت حاصل کی اور جو عظیم انسان ان سے متصل ہو چکے ہیں ان کا تعارف پایا، اور اس تدبیر الٰہی کی معرفت پائی جو اللہ تعالیٰ نے اس میں وحی فرمائی تھی اور اس کی پہنائی میں جو گفتگو اور جستجو ہوتی ہے اس کی حقیقت سمجھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گریہ وزاری کسی حسد کی بنا پر نہیں تھی بلکہ دعوت عمومی اور بقائے کمال سے ان کی حرماں نصیبی کی ایک مثال ہے جس کا وہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ فرما رہے تھے۔

جہاں تک سدرۃ المنتہیٰ کا معاملہ ہے تو وہ درختِ وجود ہے، جس کا ایک حصہ دوسرے پر مرتب ہے اور وہ سب ایک تدبیر و نظام میں متحد ہیں جس طرح قوت غاذیہ اور قوت نامیہ وغیرہ تمام قوتیں درخت میں مجتمع ہوتی ہیں۔ یہ حقیقت کسی حیوان کی صورت میں اس لیے جلوہ گر نہ ہوئی کہ اجمالی اور کامل تدبیر جو اس کے تمام افراد و اعضاء کے لیے زیادہ موزوں ہے، وہ درخت میں پائی جاتی ہے۔ اس لیے اشیاء کو حیوان کی بجائے درخت کے مشابہ قرار دیا گیا۔ کیوں کہ حیوان میں تفصیلی قوتیں ہوتی ہیں اور اس میں ارادہ طبعی قوانین سے زیادہ واضح ہوتا ہے۔

اور سدرۃ المنتہیٰ کی جڑوں سے وابستہ نہروں کی حقیقت یہ ہے کہ عالمِ ملکوت سے عالمِ شہادت کی طرف رحمتِ الٰہی کا فیضان ہوتا رہتا ہے اور حیات و قوتِ نمو کا بھی۔ لہٰذا عالمِ شہادت میں بعض نفع بخش امور جیسے دریائے نیل و فرات کا تعین وہاں اسی بنا پر ہوا۔

اور وہ انوار جو اس کو ڈھانپے ہوئے ہیں تو اصلاً وہ تدلیات الٰہی اور تدبیرات رحمانی ہیں جو عالمِ شہادت میں وہاں وہاں جلوہ گر و معنی پذیر ہوتی ہیں جو ان کی استعداد رکھتی ہیں۔

بیت معمور کی حقیقت یہ ہے کہ جو تجلی الٰہی ہے جس کی طرف انسانی سجدوں اور دعاؤں کا رخ ہوتا ہے۔ اور عالمِ شہادت میں اس کی صورت گری اس گھر کی شکل میں ہوتی ہے [illegible] پاس ہے جیسے کعبہ اور بیت المقدس۔

پھر رسول اکرم ﷺ کے پاس ایک پیالۂ دودھ اور ایک جامِ شراب لایا گیا اور آپ ﷺ نے دودھ کا انتخاب فرمایا۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: آپ کو فطرتِ الٰہی کی ہدایت نصیب ہوئی۔ اگر آپ شراب لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔ اس لحاظ سے آپ ﷺ اپنی امت کے جامع اور اس کے وجود و ظہور کے مقصود ہیں۔ دودھ کا اشارہ یہ ہے کہ امت فطرت اختیار کرے گی اور شراب ان کے لذات دنیاوی میں کھو جانے کا اشارہ ہے۔

زبانِ مجاز میں آپ ﷺ کو پانچ نمازوں کا حکم دیا گیا کیونکہ ثواب کے اعتبار سے وہ پچاس نماز ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی مراد تدریجی طور سے ظاہر فرمائی تاکہ معلوم ہو جائے کہ حرج و تنگی دور کر دی گئی ہے اور نعمتِ الٰہی کامل کر دی گئی ہے۔ اس معنی حقیقت کی صورت گری حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے کی گئی کیوں کہ وہ تمام انبیائے کرام میں امت کی اصلاح اور اس کی سیاست کی معرفت میں سب سے زیادہ حاذق ہیں۔ (۳۹)

منکرین معراج کا حکم

سفرِ معراج میں مختلف قسم کے واقعات پیش آئے۔ بعض روایتوں کی کم زوری کی بنا پر اس کے بعض جزئیات کا انکار تو کیا جا سکتا ہے، مگر کلی واقعہ کی نفی نہیں کی جا سکتی۔ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: بالجملہ صحت کے ساتھ واقعہ معراج ثابت ہے اور مسلمان اجتماعی طور پر اس کے قائل ہیں۔ ہاں زندیق اور ملحد لوگ اس کے منکر ہیں۔ وہ خدا کے نورانی چراغ کو اپنی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں، لیکن وہ پوری روشنی کے ساتھ چمکتا رہے گا، گو کافروں کو برا لگے۔ (۴۰)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

"اسرا کے معنی ہیں لے جانا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کو مکہ مکرمہ سے مسجد اقصیٰ تک لے جایا گیا۔ اس کا منکر کافر ہے، کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب سے ثابت ہے۔ پھر وہاں سے آسمان پر لے جانے کا نام معراج ہے۔ یہ احادیث مشہورہ سے ثابت ہے۔ اس کا منکر مبتدع، فاسق اور مخذول ہے۔ دیگر جزئیات اور عجیب وغریب احوال کا ثبوت حدیثوں سے ثابت ہے۔ اس کا منکر جاہل ومحروم ہے۔" (۴۱)

☆☆☆

مآخذ ومراجع

(۱) کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، پیدائش، باب:۲۸، آیات:۱۰-۱۳

(۲) ایضا، یسعیاہ، باب:۶، آیات:۱-۹

(۳) سید سلیمان ندویؒ، سیرۃ النبی، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۳ء، ج:۳، ص:۲۷۱

(۴) ڈاکٹر عبدالقادر جیلانی، اسلام، پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، اریب پبلیکیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۷ء، ص:۲۸۶

(۵) ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ، پیغمبر اسلام، ملی پبلیکیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۹ء، ص:۱۳۶

(۶) سیرۃ النبی، ج:۳، ص:۲۷۹-۲۸۰

(۷) رویت باری تعالیٰ کے سلسلے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ کیا انسان کے لیے ایسا ممکن ہے؟ جب کہ آیات قرآنی اور انبیاء کے بعض واقعات سے اس کی نفی ہوتی ہے۔ راقم الحروف نے ایک الگ مضمون میں قرآن وحدیث اور علماء کے اقوال کی روشنی میں اس اختلاف کا جائزہ لیا ہے اور صحیح صورت حال کا جائزہ لیا ہے۔ اس لیے یہاں اس بحث سے اعراض کیا گیا ہے۔ (دیکھیے: سالانہ مجلہ 'دراسات دینیہ' ۲۰۱۰ء، فیکلٹی دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)

(۸) صحیح البخاری، کتاب الصلوۃ، باب کیف فرضت الصلوۃ فی الاسراء۔ کتاب الاحادیث الانبیاء، باب ذکر ادریس وہو جد ابی نوح۔ کتاب المناقب، باب المعراج۔ کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ صلوات اللہ

(۹) محمد بن اسحاق بن یسار، سیرت ابن اسحاق (تحقیق وتعلیق: ڈاکٹر محمد حمید اللہ) ملی پبلیکیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۹ء، ص:۳۰۴-۴۔ ابو محمد عبداللہ بن ہشام، سیرۃ النبی، مطبعۃ حجازی، قاہرہ، ج:۲، ص:۲

(۱۰) صحیح البخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورہ بنی اسرائیل

(۱۱) ابن ہشام، سیرۃ النبی، ج:۲، ص:

(۱۲) سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی، ج:۳، ص:۲۸۹

(۱۳) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، فتح الباری، دارالمعرفۃ، بیروت، ج:۷، ص:۲۰۳۔ نیز دیکھیے: بدرالدین العینیؒ، عمدۃ القاری، مطبعہ مصطفی البابی الحلبی، مصر، ۱۹۷۲ء ج:۱۴، ص:۵

(۱۴) عبدالرحمن ابن جوزیؒ، الوفا باحوال المصطفیٰ، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۱۹۸۳ء، ص:۲۶۸

(۱۵) زرقانی، شرح مواہب اللدنیہ، مطبعۃ الازہریہ مصر، ۱۳۲۷ھ، ج: ص:۳۰۸
(۱۶) سید سلیمان ندویؒ، سیرۃ النبی، ج:۳، ص:۲۷۸
(۱۷) سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، سیرت سرور عالمؐ، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۵ء، ج:۲، ص:۲۵۵
(۱۸) مولانا ادریس کاندھلویؒ، سیرۃ المصطفیٰ، دارالکتاب، دیوبند، ج:۱، ص:۲۸۸
(۱۹) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ، رحمۃ للعالمین، فرید بک ڈپو، دہلی، ۱۹۹۹ء، ج:۳، ص:۱۲۶
(۲۰) تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں: شرح مواہب اللدنیہ، ج:۱، ص:۳۰۷-۳۰۸
(۲۱) فتح الباری، ج: ص:
(۲۲) عمادالدین ابی الفدا اسماعیل بن کثیرؒ، تفسیر القرآن العظیم، دارالاشاعت دیوبند، ۲۰۰۰ء، ج:۳، ص:۵-۳۷ (تفسیر سورہ بنی اسرائیل)
(۲۳) صحیح البخاری، کتاب الصلوۃ، باب کیف فرضت الصلوۃ فی الاسراء۔ کتاب احادیث الانبیاء، باب ذکر ادریس وہو جد ابی نوح۔ کتاب المناقب، باب المعراج۔ کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ صلوات اللہ
(۲۴) ابن ہشام، سیرۃ النبی، ج:۲، ص:۵
(۲۵) ابن سعدؒ، الطبقات الکبریٰ، دارالفکر للطباعۃ والتوزیع، بیروت، لبنان، ۱۹۹۴ء، ج:۱، ص:۱۳۶
(۲۶) صحیح البخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورہ بنی اسرائیل
(۲۷) فتح الباری، ج:۷، ص:۱۹۷۔ نووی، شرح صحیح مسلم، ج:۱، حصہ:۲، ص:۲۰۹
(۲۸) شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، حجۃ اللہ البالغہ، فیصل پبلیکیشنز، دیوبند، ج:۲، ص:۲۰۶
(۲۹) ابن ہشام، سیرۃ النبی، ج:۲، ص:۵
(۳۰) سلیمان ندویؒ، سیرۃ النبی، ج:۳، ص:۲۹۷
(۳۱) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، مدارج النبوۃ، مکتبہ دانش دیوبند، ۱۹۸۱ء، ج:۱، قسط:۳، ص:۶
(۳۲) شرح المواہب اللدنیہ، ج:۱، ص:۳۰۶
(۳۳) تفسیر القرآن العظیم، ج:۳، ص:۳۴
(۳۴) الطبقات الکبریٰ، ج:۱، ص:۱۴۵-۱۴۶
(۳۵) ابوبکر سراج الدین (مارٹن لنگس) حیات سرور کائناتؐ، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز دہلی، ۲۰۰۵ء، ص:۲۴۲
(۳۶) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب فی ذکر سدرۃ المنتہیٰ
(۳۷) سید سلیمان ندویؒ، سیرۃ النبی، ج:۳، ص:۳۰۸
(۳۸) تفسیر القرآن العظیم، ج:۳، ص:۳۵
(۳۹) حجۃ اللہ البالغہ، ج:۲، ص:۲۰۶-۲۰۷
(۴۰) تفسیر القرآن العظیم، ج:۳، ص:۳۶-۳۷
(۴۱) مدارج النبوۃ، ج:۱، قسط:۲، ص:۱۵۰

باب ششم

کیا نبی ﷺ نئے مذہب کے بانی تھے؟

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کے لیے سب سے پہلے جس دین کو نافذ کیا وہ اسلام تھا۔ (آل عمران:۱۹) اسی کی تبلیغ واشاعت کے لیے یکے بعد دیگرے انبیائے کرام مبعوث ہوئے۔ یہاں تک کہ انبیاء کی آمد کا سلسلہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ ختم ہو گیا۔ آپؐ نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں سابقہ انبیاء کی تعلیمات کی نفی کرنے آیا ہوں، بلکہ آپؐ نے بارہا یہ اعلان فرمایا کہ میں ان کی تصدیق وتائید کرنے اور ان میں درآئی تحریفات کی اصلاح کرنے آیا ہوں۔ چنانچہ نبیؐ کی بعثت کی ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

> "یہ سچ ہے کہ مسیح چھ صدی قبل تزکیۂ نفس کے کچھ درس دے چکے تھے، لیکن مدت ہوئی دنیا اس سبق کو بھلا چکی تھی۔ یہ بھی سچ ہے کہ موسیٰ نے اس سے پیش تر ہدایت ونجات کی ایک شمع جلائی تھی، لیکن فتنوں اور ہنگاموں کی آندھی میں یہ چراغ طور بھی جل کر گل ہو گیا تھا اور پھر یہ بھی سچ ہے کہ مدت مدید ہوئی کہ زرتشت نے روحانیت کی آگ سلگائی تھی، لیکن یہ شعلہ بھی انسانی خون کے چھینٹوں سے سرد ہو چکا تھا۔ یہ بھی سچ ہے کہ اس سے پہلے بھی بودھ نے آریہ ورت کے پہاڑوں اور غاروں میں روح کا دارالامن ڈھونڈ نکالا تھا، مگر حوادث کے طوفان نے ان پہاڑوں کے بے نام ونشان صحرا اور ان غاروں کو درندوں کا بھٹ بنا دیا تھا۔ ہر قوم دوسری قوم سے برسرِ پیکار اور ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کے خون کا پیاسا تھا، حرص وطمع اور کشت وخون کی گرم بازاری تھی، نفس انسانی کی ملکوتی طاقت جذبات خبیثہ کے دیوث کے سامنے پامال ہو چکی تھی۔ عدل وراستی اور پاک بازی وپارسائی کے عطر معنبر کی خوش بو انسان کے جامہ خاکی سے

اڑ چکی تھی۔ توحید اور خدا پرستی کا نور دیوتاؤں، دیویوں، ستاروں، شہیدوں، ولیوں اور مجسموں کی پرستش کی عالم گیر تاریکی میں چھپ گیا تھا۔ غرض دنیا کے حالات ہر طرح سے اس ضرورت کے متقاضی تھے کہ کوئی عالم کا مصلح، اخلاق کا معلم، حق کا داعی، بنی نوع انسان کا نجات دہندہ، آخری بار وجود میں آئے اور انسانیت کے شیرازہ میں جو عرصہ دراز سے پراگندہ و منتشر ہو رہا تھا پھر نظم و انتظام پیدا کر دے اور روحانیت و خدا پرستی کے خزاں رسیدہ باغ کو از سر نو پر بہار بلکہ سدا بہار اور دنیا کے ظلمت کدہ کو پھر مطلع انوار بنا دے۔"(۱)

دین اسلام کی مقبولیت پر اعتراضات

تفصیل میں جائے بغیر یہ کہا جا سکتا ہے کہ نبیؐ کی بعثت کے ساتھ ہی دنیا میں فوز و فلاح کا ماحول برپا ہوا تو یہود و نصاریٰ کو اپنا مفاد مجروح ہوتا نظر آیا۔ لہٰذا اس کو قبول کرنے کی بجائے اس کی مخالفت شروع کر دی اور اس کی آفاقیت کو بے اثر کرنے کے لیے یہ پروپیگنڈا کیا کہ نبیؐ نے جس دین کی تبلیغ و اشاعت کی ہے وہ کوئی الٰہی دین نہیں، بلکہ ان کا خود ساختہ دین تھا۔ مستشرق 'گولڈ زیہر' لکھتا ہے:

"نبی عربیؐ کا پیغام دراصل ان مذہبی خیالات اور معلومات کا منتخب خلاصہ تھا جو آپ کو یہودی اور عیسائی حلقوں سے روابط کی بنا پر حاصل ہوئیں۔ ان خیالات سے آپ بہت زیادہ متاثر ہوئے اور دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ان کے ذریعہ اپنے ہم وطنوں میں سچے مذہبی جذبات کو بیدار کیا جا سکتا ہے۔ یہ بیرونی تعلیمات آپ کے وجدان میں سرایت کر گئیں اور آپ سمجھنے لگے کہ رضاء الٰہی کے مطابق ان کے ذریعہ انسانی زندگی کو ایک رنگ دیا جا سکتا ہے۔ محمدؐ اس قسم کے خیالات سے اس قدر متاثر ہوئے کہ وہ آپ کا عقیدہ بن گئے، لیکن آپ ان کو وحی سمجھتے رہے۔"(۲)

'ولہاوزن' نبیؐ کو نئے مذہب کا بانی قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے:

"وہ اکثر کئی کئی روز تک ویران اور سنسان غار حرا کی تنہائی میں بیٹھ کر غور و فکر اور عبادت کیا کرتے تھے۔ شاید برسوں تک وہ اسی قسم کی انفرادی ریاضت میں لگے رہے اور کوئی بات ایسی نہیں کی جس سے انہیں اس خیال کے اور لوگوں سے کوئی

امتیاز حاصل ہوسکے۔ لیکن اس دفعہ حنفی خیالات نے ایسی فطرت میں گھر کیا تھا جو ابتدا ہی سے ہیجان اور وہم کی طرف مائل تھی اور بالآخر جوش کھا کر پھوٹ نکلے۔ اس طرح وہ ایک نبی ہو گئے اور اب انہوں نے اپنے کو اس بات پر مجبور پایا کہ زاہدوں کے خاموش حلقے سے باہر آ کر حق کی تبلیغ کریں۔ اس میں کوئی شبہ کی گنجائش نہیں کہ ان کے اس ارادے کو اس علم نے ایک حد تک تقویت پہنچائی جو ان کو تورات وانجیل کے قدیم انبیاء کے متعلق تھا اور غالباً اس بات کا بھی کچھ اثر ضرور ہے کہ حنفا کے دلوں میں کسی نئے مذہب کے بانی کے لیے ایک تڑپ عام طور پر پائی جاتی تھی اور جس کی دھندلی سی واقفیت اس سے بھی ہوئی جو یہودیوں کی اس امید کے بارے میں انہیں تھی کہ بہت جلد ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے۔''(۳)

سابقہ آسمانی کتابوں میں بعثت نبویؐ کا ذکر

اس طرح کے باتیں محض تعصب پر مبنی ہیں۔ جو لوگ ایسا کہتے ہیں خود ان کی الہامی کتابوں میں بھی کثرت سے نبی آخر الزماںؐ کی آمد اور بعثت کی شہادت ملتی ہے۔ مختلف علامات وخصائص کی وضاحت کے ساتھ آپ کے نام کا تعین کیا گیا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبی کی بعثت کے ساتھ ہی سلسلہ نبوت ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔ انہیں علامات وخصائص کو پڑھ کر اہل کتاب کے علمائے ربانیین بڑی شدت سے آخری نبی کی آمد کا انتظار کرتے تھے اور ان میں سے بعض زاہد مرتاض اور کاہن ونجومی آپؐ کو دیکھ لیتے تو وہ سمجھ جاتے کہ یہی نبی آخر الزماں ہیں۔ ابن اسحاق کہتے ہیں:

> ''احبار (یہودی علماء) اور رہبان (عیسائی درویشوں) کے پاس کتابیں تھیں۔ آں حضرتؐ کی بعثت سے قبل وہی اہل علم تھے۔ ان کے علم کا ذریعہ وہ کتابیں تھیں جن میں آں حضرتؐ کی صفات، آپؐ کا نام اور سرزمین عرب میں آپ کے زمانہ نبوت کے متعلق لکھا ہوا تھا اور ان کے انبیاء نے آپ کے بارے میں ان سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ آپ کی اتباع کریں گے۔ وہ آپ کے طفیل بت پرست مشرکین کے مقابلہ میں فتح ونصرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے اور انہیں یہ خبریں سناتے تھے کہ احمد نام کے ایک نبی دین ابراہیم

پر مبعوث ہونے والے ہیں، جن کا ذکر ان کے انبیاء کی کتابوں میں موجود ہے۔"(۴)

عہد نامہ قدیم وجدید میں بہ کثرت آپ ؐ کی بعثت کا ذکر ملتا ہے:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

"خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی سننا۔ یہ تیری اس درخواست کے مطابق ہوگا جو تو نے خداوند اپنے خدا سے مجمع کے دن حورب میں کی تھی کہ مجھ کو نہ تو خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سننی پڑے اور نہ ایسی بڑی آگ ہی کا نظارہ ہو تا کہ میں مر نہ جاؤں اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں۔ میں ان کے لیے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے تو میں ان کا حساب ان سے لوں گا۔"(۵)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی آخر الزماں ؐ کی آمد کی بشارت دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے، مگر تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا، لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔"(۶)

بعض دوسری آیتوں میں تو صریح الفاظ میں حضورؐ کی بعثت کی خبر دی گئی ہے۔ انجیل برناباس میں ہے:

"تمام نبیوں نے جو ایک لاکھ چوالیس ہزار ہوئے ہیں، جنہیں خدا نے دنیا میں بھیجا ہے، پردے میں (ابہام کے ساتھ) بات کی ہے۔ مگر میرے بعد تمام نبیوں اور قدوسوں کا سرتاج آئے گا اور تمام پردے کی (اجمالی) باتوں کو جو نبیوں نے کیں واضح کرے گا، کیوں کہ وہ خدا کا رسول ہے۔"(۷)

ایک دوسرے موقع سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو خبر دیتے ہیں:

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ ہر نبی جب آیا ہے خدا کی رحمت کا نشان صرف ایک قوم کے لیے لایا ہے اور اسی لیے ان کا کلام نہ پھیلا، سوائے ان لوگوں تک کے جن کی

طرف وہ بھیجے گئے تھے۔ پر خدا کا رسول، جب وہ آئے گا تو خدا اسے گویا اپنے ہاتھ کی مہر عطا کرے گا، وہ دنیا کی ان تمام قوموں کے لیے جو اس کا دین قبول کریں گی نجات اور رحمت لائے گا۔ وہ بے دینوں پر طاقت کے ساتھ آئے گا اور بت پرستی مٹا دے گا، یہاں تک کہ وہ شیطان کو مبہوت کر دے گا، کیوں کہ خدا نے ابراہام سے یہی وعدہ کیا تھا: کہ دیکھ تیری نسل میں میں زمین کے تمام قبیلوں کو برکت دوں گا اور جس طرح اے ابراہام تو نے بت پاش پاش کیے ہیں، اسی طرح تیری نسل بھی کرے گی۔" (۸)

اسی کتاب کے ۴۴ ویں باب میں آنے والے نبی کی مختلف خصوصیات بیان کی گئی ہیں کہ ان کا طریقہ زندگی کیسا ہوگا، لوگوں کو کس طرح دین کی دعوت دیں گے اور وہ لوگوں سے کس طرح پیش آئیں گے۔ یہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کے زمانہ اور عہد کو سابقہ زمانے سے بہتر اور بابرکت قرار دیا ہے۔

آیت قرآنی سے اس بشارت کی تائید

قرآن کریم پچھلی تمام کتابوں کا مصدق اور نگہبان ہے۔ اگر یہ نازل نہ ہوتا تو پچھلی تمام صداقتیں تحریف وضلالت کی تاریکیوں میں گم ہو کر رہ جاتیں۔ سابقہ آسمانی کتب میں آپ کی بعثت کے بارے میں جو خبر دی گئی ہے، اس کی تصدیق و تائید آیت قرآنی سے بھی ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (الاعراف: ۱۵۷)

"(لیکن آج یہ رحمت ان لوگوں کا حصہ ہے) جو اس پیغمبر، نبی امی کی پیروی اختیار کریں، جس کا ذکر انہیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے۔ وہ انہیں نیکی

کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے، ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔ لہٰذا جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی حمایت اور نصرت کریں اور اس روشنی کی پیروی اختیار کریں جو اس کے ساتھ نازل کی گئی ہے، وہی فلاح پانے والے ہیں۔''

انجیل میں بہ کثرت نبی امی کی بعثت کا ذکر ملتا ہے، اس حوالے سے قرآن کہتا ہے:

وَ اِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (الصف:٦)

''اور یاد کرو عیسیٰ ابن مریم کی وہ بات جو اس نے کہی تھی کہ ''اے بنی اسرائیل، میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں اس توراۃ کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا، جس کا نام احمد ہوگا۔''

حضورؐ کے بعض اوصاف حمیدہ کی وضاحت کے ساتھ آپ کی بعثت کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ٻ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۾ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا (الفتح:٢٩)

''محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم

ہیں۔تم جب دیکھو گے انہیں رکوع وسجود اور اللہ کے فضل اور اس کی خوش نودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے۔سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں۔یہ ہے ان کی صفت توراۃ میں اور انجیل میں اور ان کی مثال یوں دی گئی ہے کہ گویا ایک کھیتی ہے جس نے پہلے کونپل نکالی، پھر اس کو تقویت دی، پھر وہ گدرائی، پھر اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی۔کاشت کرنے والوں کو وہ خوش کرتی ہے، تاکہ کفار ان کے پھلنے پھولنے پر جلیں۔اس گروہ کے لوگ جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں اللہ نے ان سے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔"

اس بشارت کے دوررس اثرات

پیغمبروں نے اپنے وعظ و تذکیر میں نبیؐ کی جو علامتیں بیان کی تھیں، وہ ایک سے دوسرے تک منتقل ہوتی ہوئی عہد نبویؐ تک پہنچیں۔اس لیے نبوت سے سرفراز کیے جانے کے بعد بالخصوص اہل کتاب کے لیے یہ مشکل نہ رہا کہ وہ آپ کو نبی آخر الزماں کے طور پر پہچاننے میں غلطی کریں۔اس سلسلے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ۠ ﴿۲۰﴾ (الانعام:۲۰)

"جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس بات کو اس طرح غیر مشتبہ طور پر پہچانتے ہیں جیسے ان کو اپنے بیٹوں کے پہچاننے میں کوئی اشتباہ پیش نہیں آتا۔مگر جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال دیا ہے، وہ اسے نہیں مانتے۔"

نومسلم یہودی عبداللہ بن السلام نے حضرت عمرؓ کی طرف سے پوچھے جانے پر فرمایا کہ حضورؐ کی نبوت اپنی اولاد کے پہچان کے مقابلہ میں زیادہ واضح ہے۔(۹) حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب اپنی کتاب کی شہادت کی روشنی میں نبی کی نبوت کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسے کہ وہ اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔(۱۰) جو لوگ حق گو ہیں اور اللہ کی باتوں کو نہیں چھپاتے ہیں یا جن کے دل میں کجی نہیں ہے وہ نبی کو دیکھتے ہی پہچان لیتے ہیں کہ آپ نبی آخر الزماںؐ ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کس دین کی تبلیغ کی؟

حضور اکرمؐ کو تکمیل دین کے طور پر جس دین کی وحی کی گئی، وہ وہی ہے جو انبیائے سابقین کو کی گئی تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَٱلنَّبِيِّـۧنَ مِنۢ بَعْدِهِۦ ۚ وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ وَإِسْمَـٰعِيلَ وَإِسْحَـٰقَ وَيَعْقُوبَ وَٱلْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَـٰرُونَ وَسُلَيْمَـٰنَ ۚ وَءَاتَيْنَا دَاوُۥدَ زَبُورًا ۝ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَـٰهُمْ عَلَيْكَ مِن قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ (النساء:۱۶۳-۱۶۴)

''اے نبی، ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوحؑ اور اس کے بعد کے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی۔ ہم نے ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ اور اولادِ یعقوبؑ، عیسیٰؑ، ایوبؑ، یونسؑ، ہارونؑ اور سلیمانؑ کی طرف بھیجی۔ ہم نے داؤدؑ کو زبور دی۔ ہم نے ان رسولوں پر بھی وحی نازل کی جن کا ذکر ہم اس سے پہلے تم سے کر چکے ہیں اور ان رسولوں پر بھی جن کا ذکر تم سے نہیں کیا۔''

اسی دین کے عنایت کیے جانے کی مزید وضاحت کرتے ہوئے باری تعالیٰ نے فرمایا:

شَرَعَ لَكُم مِّنَ ٱلدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِۦ نُوحًا وَٱلَّذِىٓ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِۦٓ إِبْرَٰهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰٓ ۖ أَنْ أَقِيمُوا۟ ٱلدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا۟ فِيهِ ۚ (الشوریٰ:۱۳)

''اس نے تمہارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح کو دیا تھا اور جسے (اے محمد) اب تمہاری طرف ہم نے وحی کے ذریعہ سے بھیجا ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دے چکے ہیں، اس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔''

'قائم کرو اس دین کو' سے کون سا دین مراد ہے؟ اس کا تعین کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ ۗ (آل عمران:۱۹)

''اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔''

دین تو یکساں رہا، شریعت بدلتی رہی

قوموں اور ملکوں کے حالات یکساں نہیں رہتے، تقاضے اور قدریں بدلتی رہتی ہیں۔ اس لیے دین میں یکسانیت کو باقی رکھا، البتہ اس کے فروع میں فرق ضرور کر دیا گیا۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ (المائدہ:۴۸)

''ہم نے تم (انسانوں) میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور ایک راہ عمل مقرر کی۔ اگرچہ تمہارا خدا چاہتا تو تم سب کو ایک امت بھی بنا سکتا تھا۔ لیکن اس نے یہ اس لیے اختیار کیا کہ جو کچھ اس نے تم لوگوں کو دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔ لہٰذا بھلائیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔''

سورۂ الشوریٰ کی مذکورہ آیت پر غور کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ دین تو وہی ہے جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اول اول نافذ کیا تھا، یعنی یہ کہ اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔(۱۱) البتہ شرائع میں تبدیلی ہوتی رہی۔ قرآن کریم کی بعض دوسری آیتوں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے: (المائدہ:۴۸) چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام انبیاء کو ''ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیه'' کی وصیت کی اور اس میں افتراق واختلاف سے منع کیا ہے۔(۱۲) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس میں صاف صاف بتایا گیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی نئے مذہب کے بانی نہیں ہیں، نہ انبیاء میں سے کوئی اپنے کسی الگ مذہب کا بانی گذرا ہے، بلکہ اللہ کی طرف سے ایک ہی دین ہے جسے شروع سے تمام انبیاء پیش کرتے چلے آرہے ہیں اور اسی کو محمد ﷺ پیش کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے حضرت نوحؑ کا نام لیا گیا ہے

جو طوفان کے بعد موجودہ نسل انسانی کے اولین پیغمبر تھے، اس کے بعد نبی کا ذکر کیا گیا ہے، جو آخری نبی تھے۔ پھر حضرت ابراہیمؑ کا نام لیا گیا ہے جنھیں اہل عرب اپنا پیشوا مانتے تھے۔ پھر آخر میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کا ذکر کیا گیا ہے، جن کی طرف یہودی اور عیسائی اپنے مذہب کو منسوب کرتے ہیں۔ اس سے مقصود یہ نہیں ہے کہ انہی پانچ انبیاء کو اس دین کی ہدایت کی گئی تھی، بلکہ اصل مقصد یہ بتانا ہے کہ دنیا میں جتنے انبیاء بھی آئے ہیں سب ایک ہی دین لے کر آئے ہیں اور نمونے کے طور پر پانچ جلیل القدر انبیاء کا نام لے دیا گیا ہے جن سے دنیا کو معروف ترین آسمانی شریعتیں ملی ہیں۔" (۱۳)

صحیح احادیث سے بھی ظاہر ہے کہ نبی اکرمؐ کے ذریعہ دین اسلام کی تکمیل ہوئی۔ یہ بات خود اس کی متقاضی ہے کہ جو دین انبیائے کرام لے کر آئے تھے اس میں کچھ نہ کچھ کمی تھی جس کی تکمیل آپ کے ذریعہ ہوئی۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ دین اسلام ارتقائی مراحل سے گزرتا ہوا محمدؐ تک پہنچا۔ پھر یہ دین اپنے جملہ خصائص کے ساتھ مکمل ہو گیا۔ اس بات کی وضاحت مندرجہ ذیل حدیث سے ہوتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

"میری اور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء کی مثال اس عمارت کی سی ہے جیسے کسی شخص نے ایک گھر بنایا ہو اور اسے خوب سجایا اور سنوارا، مگر اس عمارت کے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی۔ اس کے زائرین اس خالی جگہ دیکھ کر تعجب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیوں نہ یہاں اینٹ رکھ دی گئی۔ حضورؐ نے فرمایا: پس وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔" (۱۴)

ایک اور حدیث میں آپؐ نے انبیائی سلسلے سے اپنا تعلق جوڑتے ہوئے فرمایا:

"انبیاء باہم 'علاتی بھائیوں' کی طرح ہوتے ہیں، جن کا باپ ایک ہوتا ہے اور مائیں الگ الگ ہوتی ہیں اور ان کا دین ایک ہے اور ہم دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔" (۱۵)

بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت

نبیؐ کی نبوت آفاقی اور دائمی ہے اور آپؐ کا اسوہ پوری انسانیت کے لیے نمونہ ہے۔ اس لیے مستشرقین اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ انہیں وہ مقام کیوں ملا اور مسلمانوں کو خیر امت کیوں کہا گیا۔ لہٰذا وہ اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے ہرزہ سرائی کرنے سے باز نہیں آتے۔

حالاں کہ انہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ انبیاء تو بے شمار آئے، انہیں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ہیں اور حضرت عیسیٰ بھی، نوح بھی ہیں اور آدم بھی ہی۔ مگر ان میں سے ہر ایک کو بحیثیت نبی ایک دوسرے پر کچھ نہ کچھ شرف وفضیلت حاصل ہے۔ کسی کو کتاب دی گئی تو کسی کو صحیفہ، کسی کو دنیا کے ایک حصے میں مبعوث کیا گیا تو کسی کو کسی دوسرے حصے میں۔ کسی نبی کے ماننے والے اور ان کے مخاطبین کی تعداد زیادہ تھی تو کسی کی کم۔ جب یہ باتیں تسلیم کی جاتی ہیں تو اس کو بھی ماننا چاہیے کہ ان میں کسی ایک کو افضل البشر اور افضل الانبیاء بھی ہونا چاہیے۔ اسی قاعدے اور ضابطے کے تحت نبی کی نبوت کو دائمی اور آفاقی بنایا گیا اور آپ کو بلند مقام ومرتبہ عنایت کیا گیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بھیجے ہوئے پیغمبروں کے مقام ومرتبہ کے تعین اور اس میں کمی بیشی کا ذکر کرتا ہے تو پھر اس میں انکار کی کیا بات اور الزام تراشی سے کیا فائدہ؟ قرآن کہتا ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۭ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ (البقرۃ:۲۵۳)

”یہ رسول (جو ہماری طرف سے انسانوں کی ہدایت پر مامور ہوئے) ہم نے ان کو ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مرتبے عطا کیے۔ ان میں کوئی ایسا تھا جس سے خدا خود ہم کلام ہوا، کسی کو اس نے دوسری حیثیتوں سے بلند درجے دیے اور عیسیٰ ابن مریم کو روشن نشانیاں عطا کیں اور روح پاک سے اس کی مدد کی۔“

ایک دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے:

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ (بنی اسرائیل:۵۵)

”ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض سے بڑھ کر مرتبے دیے۔“

سارے انبیاء لائق تعظیم ہیں

بعض کو بعض انبیاء پر کچھ نہ کچھ فضیلت حاصل ہے۔ اس سے کسی کی تنقیص لازم نہیں آتی اور نہ ہم اس کے مجاز ہیں کہ ہم ان کے متعلق بے ہودہ باتوں کا ارتکاب کریں۔ بلکہ یہ سارے انبیاء لائق تعظیم ہیں اور ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم

دیتا ہے:

قُولُوۡۤا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡنَا وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلٰۤی اِبۡرٰہٖمَ وَ اِسۡمٰعِیۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَ مَاۤ اُوۡتِیَ مُوۡسٰی وَعِیۡسٰی وَ مَاۤ اُوۡتِیَ النَّبِیُّوۡنَ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡہُمۡ ۫ وَنَحۡنُ لَہٗ مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۳۶﴾ (البقرہ:۱۳۶)

''مسلمانو، کہو کہ: ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس ہدایت پر جو ہماری طرف نازل ہوئی ہے اور جو ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، اور اولادِ یعقوبؑ کی طرف نازل ہوئی تھی اور جو موسیٰؑ، اور عیسیٰؑ اور دوسرے تمام پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئی تھی۔ ہم ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے مسلم ہیں۔''

انبیاء کو ایک دوسرے پر جو فضیلت حاصل ہے، باوجود اس کے ان کا احترام کیا جانا چاہیے۔ خود نبی اکرمؐ نے کئی مواقع پر اس بات سے منع کیا ہے کہ بعض انبیاء کی بعض پر فضیلت نہ جتاؤ۔(۱۶) کیوں کہ سب ایک ہی سرچشمہ کے مختلف دھارے ہیں۔ محمدؐ کو بعض وجوہ سے جو بلند مقام و مرتبہ حاصل ہے، اس کی وجہ بتاتے ہوئے علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

''ہم تمام انبیاء کرام کا ادب و احترام کرتے ہیں اور ان کے سچے پیغمبر ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ لیکن بمصداق تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ۔ (البقرہ:۲۵۳) (یہ پیغمبر ہیں جن میں سے بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت دی ہے) دوام، بقا، ختم نبوت اور آخری کامل انسانی سیرت ہونے کی حیثیت سے محمد رسولؐ کو جو خاص شرف عطا ہوا ہے، وہ دیگر انبیاء کو اس لیے نہیں مرحمت ہوا کہ ان کو دائمی، آخری اور خاتم نبوت نہیں بنایا گیا تھا۔ ان کی سیرتوں کا مقصد ایک خاص قوم کو ایک خاص زمانہ تک نمونہ دینا تھا۔ اس لیے اس زمانہ کے بعد بہ تدریج وہ دنیا سے مفقود ہو گئیں۔''(۱۷)

حاصل بحث

مذکورہ تصریحات کی روشنی میں کیا کوئی بھی سنجیدہ آدمی کہہ سکتا ہے کہ نبیؐ نے اللہ کے نافذ کردہ دین کے مقابلے میں ایک نئے دین کو ایجاد کیا۔ نعوذ باللہ اگر یہ کوئی نیا دین ہوتا تو اب

تک اسے دنیا سے فنا ہو جانا چاہیے تھا اور وہی دین اور شریعت دنیا میں نافذ ہو جاتا جسے حضرت موسیٰ وعیسیٰ لے کر آئے تھے۔ بناوٹ بناوٹی ہوتی ہے، اس کے فنا ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ مگر ہم دیکھ رہے ہیں کہ سابقہ ادیان کیسے اپنا دم توڑ رہے ہیں اور اسلام دنیا میں پھیل رہا ہے۔ آپؐ سے پہلے جو بھی دین اور طریقہ تھا وہ کسی خاص قوم اور عہد کے لیے تھا، اس لیے اس میں بہ مقابلہ نبیؐ کے دین کے افراط وتفریط کا پایا جانا کوئی بعید نہیں۔ لیکن جس دین یا شریعت کی تکمیل حضرت محمدؐ کے ذریعہ ہوئی اور جس کا اعلان آپؐ نے فتح مکہ کے وقت مجمع عام میں کیا:

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدہ:۳)

”آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا۔“

وہ ایسا ہے جو انسان کی عین فطرت اور اس کی تمام ضرورتوں کی تکمیل پر مبنی ہے۔ جو بھی اس دین پر عمل کرے گا وہ دین ودنیا کی کامیابی سے ہم کنار ہوگا۔

اس آیت سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اس سے پہلے جو دین بنی نوعِ انسانی کے لیے عطا ہوا تھا، آج وہ دین خاتم الانبیاء کے ذریعہ مکمل ہو گیا۔ اب اس میں کسی کمی بیشی کی نہ کوئی ضرورت ہے اور نہ گنجائش۔ یہ دین کسی خاص قوم، خاص ملک اور زمانے کے لیے نہیں ہے، بلکہ قیامت تک کے لیے اور پوری دنیا کے لیے کامل ومکمل ہے۔ حدود وفرائض اور حلال وحرام سب کی اس میں وضاحت کر دی گئی ہے۔ (۱۸) چنانچہ اکمال دین کی وضاحت کرتے ہوئے قفال مروزیؒ فرماتے ہیں:

”ہر زمانے میں جس پیغمبر کو جو دین وشریعت عطا کی گئی وہ کامل ومکمل تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو اس بات کا بہ خوبی علم تھا کہ جو دین اس زمانے میں اس قوم کے لیے کامل ومکمل ہے وہ اگلے زمانہ کے لیے کافی نہ ہوگا۔ بلکہ اس کو منسوخ کر کے دوسرا دین اور شریعت نافذ کی جائے گی۔ اس کے برخلاف شریعت اسلامی جو سب سے آخر میں نازل کی گئی اور تمام ضرورتوں اور ہر لحاظ سے کامل ومکمل ہے وہ نہ کسی خاص زمانہ کے ساتھ مخصوص ہے اور نہ کسی خاص خطہ، ملک یا قوم کے ساتھ، بلکہ قیامت تک ہر زمانہ اور ہر خطہ اور ہر قوم کے لیے یہ شریعت کامل ومکمل ہے۔“ (۱۹)

اب اگر کوئی اس دین کے علاوہ کوئی دوسرا دین یا طریقہ اختیار کرے گا تو وہ عنداللہ قابل قبول نہ ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٨٥﴾ (آل عمران:٨٥)

"اس فرماں برداری (اسلام) کے سوا جو شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے، اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ناکام و نامراد رہے گا۔"

☆☆☆

مآخذ ومراجع

(۱) سید سلیمان ندویؒ، سیرۃ النبی، دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۳ء، ج:۴، ص:۱۵۴

(۲) گولڈزیہر، العقیدہ والشریعہ فی الاسلام (عربی ترجمہ: یوسف موسیٰ) مصر، ۱۹۴۸ء، ص:۴۳

(۳) ڈاکٹر عبدالعلیم، سیرۃ النبی اور مستشرقین، مطبوعہ لکھنؤ، ۲۰۰۰ء، ص:۷۵۔ یہ کتاب 'ونہاوزن' کے ایک طویل مقالہ کے کچھ حصے کا ہے جو 'محمدزم' کے عنوان سے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں شامل ہے۔

(۴) محمد بن اسحاق یسار، سیرۃ ابن اسحاق، ملی پبلیکیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۹ء، ص:۱۰۰

(۵) عہد نامہ قدیم، کتاب استثنا، باب:۱۸، آیت:۱۵-۱۹

(۶) عہد نامہ جدید، کتاب یوحنا، باب:۱۶، آیت:۱۳-۱۴

(۷) برناباس کی انجیل، باب:۱۷ (مترجم اردو: آسی ضیائی) اسلامک پبلشرز، لاہور، ۱۹۷۴ء، ص:۴۲

(۸) ایضا، باب:۴۳، ص:۷۹

(۹) ابی عبداللہ محمد بن احمد القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، المطبعۃ الہیئۃ المصریہ، ۱۹۸۷ء، ج:۲، ص:۱۶۳

(۱۰) ابی جعفر محمد بن جریر الطبریؒ تفسیر طبری، دار المعارف، مصر، ۱۹۵۷ء، ج:۱۱، ص:۲۹۵

(۱۱) عمادالدین ابی الفداء اسماعیل بن کثیرؒ تفسیر القرآن العظیم، دار الکتاب، دیوبند، ۲۰۰۲ء، ج:۴، ص:۱۳۷

(۱۲) ایضا

(۱۳) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۲ء، ج:۴، ص:۴۸۶

(۱۴) ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاریؒ صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب خاتم النبیین

(۱۵) ایضا، کتاب الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ واذکر فی الکتب مریم اذ انتبذت

(۱۶) ابی الحسن مسلم بن حجاجؒ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل موسیٰ

(۱۷) سید سلیمان ندویؒ، خطبات مدراس، فرید بک ڈپو، دہلی، ۲۰۰۴ء، ص:۲۸-۲۹

(۱۸) شہاب الدین محمود آلوسیؒ، روح المعانی، ادارہ الطباعۃ المنیریۃ، دمشق، ج:۶، ص:۲۰

(۱۹) ابی حیان الاندلسیؒ، تفسیر البحر المحیط، دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان، ۲۰۰۲ء، ج:۳، ص:۵۹۶

بابِ ہفتم

کیا تعلیماتِ نبوی ﷺ پر مسیحیت کا اثر ہے؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذرائع علم کیا تھے؟ معترضین کے نزدیک یہ مسئلہ ہمیشہ زیر بحث رہا ہے۔ اگر وحی کو ذریعہ ابلاغ تسلیم کر لیا جائے تو سارا مسئلہ ہی ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن بنیادی بات یہی ہے کہ محمدؐ کو نبی تسلیم نہیں کرنا ہے، اس لیے وحی کے ماننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بڑی مشکل سے انہیں بشریت کا مقام دیا گیا تو عیسائی کلیسا کا رکن سمجھا گیا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ نبیؐ کے معلمین کارکنان کلیسا تھے۔ اتفاق سے شام کے تجارتی اسفار کا واقعہ مستشرقین کی نظر سے گزرا، تو پھر ان کے لیے راہبوں کو معلم ثابت کرنے میں کوئی کلام نہیں رہ گیا۔ لیکن دقت یہ تھی کہ مختصر وقت کی ملاقات تعلیم و تعلم کے لیے کافی نہیں۔ لہٰذا اس قسم کے معلمین کو عرب میں تلاش کیا گیا۔ مستشرقین کی نظر ورقہ بن نوفل پر پڑی۔ بڑے وثوق سے کہا گیا کہ یہی آپ کی تعلیم پر مامور ہوئے۔ ان لوگوں نے معلمین کی تعداد بڑھانے کی کوشش کی تو یہ بھی کہا کہ زید بن حارثہؓ چوں کہ ہر وقت آپ کے ساتھ رہتے تھے اور ان کا تعلق عیسائیت سے تھا، اس لیے مذہب کی تشکیل و تفہیم میں ان سے مدد لی ہوگی۔ یہ بھی کہا گیا کہ حضرت بلال حبشیؓ اور ماریہ قبطیہؓ کا تعلق بھی عیسائیت سے تھا، کوئی بعید نہیں کہ ان لوگوں سے بھی آپؐ نے عیسائیت سے واقفیت حاصل کی ہوگی۔ ان سارے لوگوں کا معلمین ہونا مستشرقین نے ناکافی سمجھا تو ان اہلِ کتاب عالموں کو بھی اس فہرست میں شامل کر دیا، جو مکہ کے قرب و جوار میں رہتے تھے۔ بیشتر مستشرقین مثلاً: سر ولیم میور، بلاشیر، ڈریپر، باڈلے، فلیپ ایرنگی اور گولڈ زیہر وغیرہ نے اسی بات پر زور دیا ہے۔ ڈریپرؔ لکھتا ہے:

"بحیرا راہب نے بصریٰ کی خانقاہ میں محمدؐ کو نسطوری عقائد کی تعلیم دی...... آپ کے ناتربیت یافتہ اخّاذ دماغ نے نہ صرف اپنے اتالیق کے مذہبی بلکہ فلسفیانہ خیالات کا گہرا اثر قبول کیا...... بعد میں آپ کے طرز عمل سے اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ نسطوریوں (عیسائیوں کے ایک فرقہ کا نام ہے) کے مذہبی عقائد نے آپ پر کہاں تک قابو لیا تھا۔"(۱)

فلیپ ارینگی اپنے ایک مضمون میں متضاد اور ناقابل تسلیم رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"محمدؐ کی مکہ میں اکثر یہودیوں سے ملاقات ہوتی رہتی تھیں...... محمد اپنے خادم زید سے جو عیسائیوں کا غلام رہ چکا تھا یہودیوں اور مسیحی مذاہب کے بارے میں استفادہ کی غرض سے سوالات کیا کرتے تھے وہ اپنے خادم سے زیادہ سمجھ دار تھے...... مدینہ میں محمد یہودیوں کے شاگرد رہے، یہودیوں ہی نے آپ کی شخصیت سازی کی تھی یہودیوں اور مسیحیوں میں جو داستانیں مشہور تھیں جبرئیل ان سب کو محمد کے سامنے بیان کر دیا کرتے تھے۔"(۲)

مکہ کے ماحول میں تعلیم کا حصول ممکن نہ تھا

قریش مکہ کو اپنی زبان دانی پر ضرور ناز تھا۔ مگر ان کے اندر نوشت و خواند سے دل چسپی نہیں تھی۔ یہ صورت اس وقت تک برقرار رہی جب تک کہ محمدؐ نے نبوت سے سرفراز کیے جانے کے بعد ان لوگوں کے اندر پڑھنے لکھنے کا داعیہ نہ پیدا کر دیا۔ حضورؐ کے ابتدائی حالات سے بھی پتا چلتا ہے کہ کہ آپ کی پرورش جس ماحول اور معاشرہ میں ہوئی اس میں حصول علم کے ذرائع اور مواقع مفقود تھے۔ اس لیے یہ بات سرے سے بے بنیاد ہے کہ آپ نے حصول علم کے لیے معلمین کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا تھا، جس کے اثرات نبوت کے بعد ظاہر ہوئے، یا اس سے قبل آپؐ نے جس سنجیدگی اور فرزانگی کا مظاہرہ کیا وہ اسی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا۔ بلکہ آپ کا طریقہ زندگی ٹھیک اسی نہج پر پروان چڑھا جس طرح حضرت ابراہیمؑ کی زندگی۔ وہ کم عمری میں بتوں کے مخالف ہو گئے اور جستجوئے حق میں سرگرداں رہتے۔ (الانبیاء:۵۱-۵۲)

حضورؐ کی امیت کے دلائل

یہ بات تو طے ہے کہ آپؐ امی تھے۔ قرآن نے بار بار آپ کو اسی لقب سے یاد کیا اور متعارف کرایا ہے۔ چنانچہ کفار و مشرکین کے شکوک و شبہات کا ازالہ اور ان کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے قرآن میں فرمایا گیا ہے:

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۝۱۵۸ (الاعراف:۱۵۸)

"پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبی امی پر جو اللہ اور اس کے ارشادات کو مانتا ہے اور پیروی اختیار کرو اس کی، امید ہے کہ تم راہ راست پا لوگے۔"

ایک اور مقام پر حضورؐ کو امی شخص کے طور پر متعارف کراتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ۝۴۸ (العنکبوت:۴۸)

"(اے نبیؐ) تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے، اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست لوگ شک میں پڑ سکتے تھے۔"

نبی امی کی پیروی کرنے کی تائید کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ ا۟فْتَرٰىهُ وَ اَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّ زُوْرًا۝۴ وَ قَالُوْۤا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا۝۵ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۝۶ (الفرقان:۴-۶)

"جن لوگوں نے نبی کی بات ماننے سے انکار کر دیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ فرقان ایک من گھڑت چیز ہے جسے اس شخص نے آپ ہی گھڑ لیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس کام میں اس کی مدد کی ہے۔ بڑا ظلم اور سخت جھوٹ ہے، جس پر یہ لوگ اتر آئے

ہیں۔ کہتے ہیں یہ پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی چیزیں ہیں۔ جنہیں یہ شخص نقل کراتا ہے اور وہ اسے صبح وشام سنائی جاتی ہیں۔ اے نبیؐ ان سے کہو کہ اسے نازل کیا ہے اس نے جو زمین اور آسمانوں کا بھید جانتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا غفور ورحیم ہے۔''

چالیس سال کی عمر میں غار حرا کے اندر جبرئیل امین وحی لے کر آئے اور آپ سے کہا کہ اے محمدؐ پڑھیے۔ آپؐ بار بار یہی کہتے رہے کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ فرشتہ نے جب آپ کو سینہ سے لگا کر بھینچا تو آپ پڑھنے لگے۔(۳) یہ اور بعض دوسرے واقعات سے یہ بات مزید واضح ہو جاتی ہے کہ آپ پڑھنے لکھنے سے واقف نہ تھے۔ نبوت سے سرفراز کیے جانے کے بعد تبلیغ دین کے لیے آپ نے بہت سے حکم رانوں کے نام خطوط اور فرامین لکھوا کر بھیجے۔ اگر آپ نوشت وخواند سے واقف ہوتے تو ایسا کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار کے قابل اعتراض لفظ کو مٹا کر محمد بن عبداللہ لکھنے کو حضورؐ نے حضرت علیؓ سے کہا۔ انہوں نے احترام نبوی کا لحاظ کرتے ہوئے جواب دیا یہ کام مجھ سے نہیں ہوسکتا۔ اس پر حضورؐ نے علی سے فرمایا بتاؤ وہ لفظ کہاں ہے۔ حضرت علیؓ نے انگلی رکھ کر بتادیا۔ حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے اسے مٹایا اور اس کی جگہ محمد بن عبداللہ لکھوا دیا۔(۴) برسوں علمی ماحول میں رہنے کی وجہ سے بعض لوگ کم از کم اپنے نام کا املا کر ہی لیتے ہیں۔ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں اور نہ اس سے پڑھے لکھے ہونے پر استدلال نہیں کیا جاسکتا ہے۔ بعض روایتیں ایسی بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری زمانہ تک آپؐ کے اندر لکھنے پڑھنے کی شد بد پیدا ہوگئی تھی۔ مگر یہ تمام روایتیں موضوع اور کم زور ہیں۔(۵)

کفار مکہ نے راہبوں سے علمی استفادہ کا الزام نہیں لگایا

بتوں کی مذمت اور عقائد واعمال کے مفاسد کی باتیں سننا کفار ومشرکین کے نزدیک دل شکن بات تو تھی، مگر ان کے لیے زیادہ اچنبھے والی بات یہ تھی کہ سابقہ انبیاء اور ان کے پیروکاروں کی اطلاع آخر نبی کو کہاں سے مل رہی ہے۔ وہ تو پڑھے لکھے نہیں ہیں کہ سابقہ کتابوں سے معلومات اخذ کرسکیں۔ ہو نہ ہو یہ فلاں فلاں عجمی غلاموں سے جنہیں آسمانی کتابوں کا علم ہے، معلومات حاصل کرتے ہوں۔ ان کے نزدیک معلومات کے ذرائع ان کے علاوہ شام کے راہب ہوتے تو وہ ضرور اس کی تشہیر کرتے اور کہتے یہ باتیں انہیں سے سیکھی تھیں۔ لیکن یہ

عجیب بات ہے کہ نبیؐ کے ہم عصر دشمنوں میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ تم بچپن میں بحیرا راہب سے جب ملے تھے، اس وقت یہ سارے مضامین ان سے سیکھ لیے تھے اور نہ یہ کہا کہ جوانی میں جب تجارتی سفروں کے سلسلے میں تم باہر جایا کرتے تھے، اس زمانے میں تم نے عیسائی اور یہودی علماء سے یہ معلومات حاصل کی تھیں۔ یہ سفر اکیلے نہیں قافلے کے ساتھ ہوئے تھے اور وہ جانتے تھے کہ ان میں کسی سے کچھ سیکھ کر آنے کا الزام لگائیں گے تو اپنے ہی شہر والے جھٹلائیں گے۔ اس کے علاوہ مکے کا ہر عام آدمی پوچھے گا کہ اگر یہ معلومات اس شخص کو بارہ تیرہ برس کی عمر ہی میں بحیرا سے حاصل ہوگئی تھیں تو آخر یہ شخص کہیں باہر تو نہیں رہتا تھا، ہمارے ہی درمیان رہتا، بستا تھا۔ کیا وجہ ہے کہ چالیس برس کی عمر تک اس کا یہ سارا علم چھپا رہا اور کبھی ایک لفظ بھی اس کی زبان سے ایسا نہ نکلا جو اس کے علم و دانش کی غمازی کرتا؟(۶) علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

> ”سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آں حضرتؐ کی پیغمبرانہ زندگی پورے ۲۳ برس تک قائم رہی، اگر آں حضرتؐ کسی انسانی معلم سے فیض پاتے رہتے تو ضرور تھا کہ وہ اس پورے زمانہ تک یا بڑی حد تک خلوت وجلوت میں آپ کے ساتھ رہتا کہ وقت ضرورت (نعوذ باللہ) آپ اس سے قرآن بنواتے، احکام ومواعظ سیکھتے، اسرار و نکات معلوم کرتے اور یہ شخص یقیناً مسلمان نہ ہوتا، کیوں کہ جو شخص خود مدعی نبوت کو تعلیم دے رہا ہو، وہ کیوں کر اس کی نبوت کو تسلیم کر سکتا تھا اور پھر اس شہرت عام، ذکر جمیل، رفعت مقام کو دیکھ کر جو مدعی نبوت کو حاصل ہو رہی تھی، وہ خود پردہ کے پیچھے گم نامی پسند کرتا اور صحابہ کرام کی نگاہوں سے اس کا وجود ہمیشہ مستور رہتا، جس عجمی کی نسبت قریش کو شبہ تھا، اگر حقیقت میں آپؐ اس سے تعلیم حاصل کیا کرتے تو قریش جو آپ کی تکذیب، تذلیل اور آپ کو خاموش کرنے کی تدبیر پر عمل پیرا ہو رہے تھے، ان کے لیے آسان تھا کہ اس غلام عجمی کو الگ کر دیتے کہ محمد رسول اللہ کا وحی اور قرآن کا تمام کاروبار دفعتاً درہم برہم ہو جاتا، علاوہ ازیں زیادہ سے زیادہ اس کا وجود مکہ میں تھا، پھر مدینہ میں ۱۳ برس تک سینہ نبوت سے فیضان الٰہی کا سرچشمہ کیوں کر ابلتا رہا، قرآن شریعت اسلام اور احکام کا بڑا حصہ یہیں وحی ہوا ہے، مکہ میں تو نسبتاً بہت کم سورتیں نازل ہوئیں۔“(۷)

شام کے تجارتی سفر کا پس منظر

حضورؐ کے تجارتی سفر جو بچپن میں ہوئے اس کی تفصیل جامع الترمذی میں بیان کی گئی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں:

"ابوطالب رؤسائے قریش کے ہمراہ (ملک) شام کی طرف (تجارت کے لیے) چلے۔ آپ کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ بھی اس سفر میں تھے۔ جب (بحیرا) راہب کے مکان (یا صومعہ) کے قریب پہنچے تو ابوطالب اترے اور لوگوں نے اپنے کجاوے کھول دیے۔ پادری (راہب) ان کے پاس آیا، اس سے پہلے بھی یہ لوگ یہاں سے گزرا کرتے تھے، مگر راہب ان کے پاس نہ آتا تھا بلکہ التفات بھی نہ کرتا تھا۔ (اب کی دفعہ خلاف معمول خود چل کر آیا) یہ لوگ ابھی کجاوے کھول ہی رہے تھے کہ وہ ان کے درمیان گھس کر چلنے لگا، یہاں تک کہ اس نے آ کر رسول اللہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس نے (لوگوں کو مخاطب کر کے) کہا: یہ تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو عالم کے لیے رحمت بنا کر مبعوث کرے گا اور یہ تمام عالم کے سردار ہیں۔ رؤسائے قریش نے پوچھا یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا۔ پادری نے کہا جس وقت تم لوگ عقبہ سے چلے ہو تو جتنے پتھر اور درخت تھے، سب سجدہ میں گر پڑے۔ ایک پتھر اور ایک درخت بھی ایسا نہ رہا جس نے سجدہ نہ کیا ہو۔ درخت اور پتھر سوائے پیغمبر کے کسی کو سجدہ نہیں کرتے اور میں ان کی مہر نبوت بھی پہچانتا ہوں جو آپ کے مونڈھے کی ہڈی کے نیچے سیب کی مانند ہے، پھر وہ پادری واپس چلا گیا اور ان لوگوں کے لیے کھانا تیار کرنے لگا جس وقت وہ کھانا لے کر ان کے پاس آیا تو آپ اونٹوں کے چرانے میں معروف تھے۔ اس نے آپ کو بلا بھیجا، جس وقت حضورؐ وہاں سے چلے تو ایک بدلی آپ کے سر پر سایہ کیے ہوئے تھی، جب آپ لوگوں کے پاس پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ مجھ سے پہلے درختوں کے سایوں کی جگہ قبضہ کر چکے ہیں۔ جب آپ بیٹھے تو درخت کا سایہ آپ پر جھک گیا، پادری نے لوگوں سے کہا۔ دیکھو اس درخت کا سایہ آپ پر جھک گیا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ وہ پادری ان کے پاس کھڑا ہوا قسمیں کھا کھا کر ان کو سمجھا رہا تھا کہ ان کو روم کی طرف نہ لے جاؤ، کیوں کہ رومی لوگ اگر ان کو دیکھیں گے تو صفت و علامات سے ان کو پہچان لیں گے (کہ یہ اللہ تعالیٰ کے

برگزیدہ نبی ہیں) اور آپ کو قتل کر ڈالیں گے۔ اتنے میں اس نے منہ موڑ کر کیا دیکھا کہ سات آدمی روم کی طرف سے چلے آرہے ہیں پادری نے ان کا استقبال کیا اور ان سے پوچھا کہ تم کیوں آئے؟ انہوں نے کہا ہم اس لیے آئے ہیں کہ ایک نبی اس مہینہ میں نکلنے والے ہیں۔ پس کوئی راستہ ایسا نہیں جہاں چند آدمی نہ بھیجے گئے ہوں اور ہمیں ان کی خبر ملی ہے تو ہمیں اس راستہ کی طرف بھیجا گیا ہے۔ پادری نے پوچھا کیا تم لوگوں کے پیچھے کوئی تم سے بہتر آدمی بھی ہے؟ انہوں نے کہا ہمیں تو آپ کے اسی راستہ کی خبر دی گئی ہے (اور کچھ نہیں بتایا گیا) پادری نے کہا اچھا تو یہ بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی امر کا ارادہ کیا ہو تو کیا انسان کی طاقت ہے کہ اسے روک دے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ الغرض انہوں نے آپ سے بیعت کر لی اور آپ کے ساتھ مقیم رہے۔ پادری نے قریش سے کہا تمہیں خدا کی قسم یہ بتاؤ کہ تم میں اس کا ولی (سرپرست) کون ہے؟ انہوں نے کہا ابو طالب (آپ کے چچا اور سرپرست ہیں) پادری نے قسمیں دے کر ابو طالب سے کہا کہ انہیں واپس لے جاؤ۔ آخر ابو طالب نے آپ کو مکہ واپس بھیج دیا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے آپ کے ہمراہ بلال کو بھیجا اور اس پادری نے آپ کو زادِ راہ کے لیے روٹیاں اور روغن دیا۔"(۸)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تجارتی اسفار صحیح تناظر میں

حضور کے تجارتی اسفار جو ملک شام کے لیے ہوئے، اس سے متعلق جو تفصیلات بعض کتب احادیث و سیر اور تاریخ میں ملتی ہیں اور جیسا کہ ابھی اوپر تفصیلی روایت گزری ہے۔ اس میں سے نا قابل فہم باتوں کو نکال دیا جائے تو اس کا سیدھا سادا مطلب یہی نکل کر سامنے آتا ہے کہ آپؐ نے پہلی مرتبہ شام کا سفر اس وقت کیا، جب کہ آپ کی عمر مشہور روایت کے مطابق ۱۲ رسال کی تھی۔ یہ سفر آپ کا اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ ہوا تھا۔ جب یہ تجارتی قافلہ منزل بہ منزل کوچ کرتا ہوا، شام کے علاقہ بصریٰ کے مقام پر پہنچا تو ایک جگہ قیام کیا۔ یہاں سے کچھ فاصلہ پر عیسائیوں کی ایک خانقاہ تھی۔ اس میں بحیرا نام کا ایک راہب رہتا تھا۔ خلاف معمول یہ راہب اپنے صومعے سے نکلا اور قافلہ والوں کو دیکھنے لگا۔ اسے اس قافلہ والوں میں سے کسی ایک آدمی کے متعلق غیر معمولی باتیں نظر آنے لگیں۔ صحیح صورت حال جاننے کے لیے اس نے اس

تجارتی قافلہ کی دعوت کی۔ وقت مقررہ پر سارے لوگ کھانے کے لیے پہنچے اور دستر خوان پر بیٹھ گئے۔ راہب کی نظر اس کم سن بچہ پر پڑی۔ وہ اسے بغور دیکھتا رہا۔ اسے اس بچہ کے چہرہ بشرہ سے غیر معمولی بلندی کے آثار نظر آرہے تھے اور وہ علامات بھی نظر آرہی تھیں جو نبی آخرالزماںؐ کے متعلق وہ اپنی آسمانی کتابوں میں پڑھ چکا تھا۔ چنانچہ وہ حضورؐ کے قریب ہوا اور آپ سے مخاطب ہو کر کچھ پوچھنے لگا۔ آپؐ نے کم عمر ہونے کے باوجود اس کے سارے سوالوں کا صحیح صحیح جواب دے دیا۔ اس سے اسے اتنا اندازہ تو ہو گیا کہ ہو نہ ہو یہی بچہ آگے چل کر آخری نبی مقرر ہو، مگر اس نے یقین سے کچھ کہنے کے بجائے ابوطالب سے کہا کہ یہ بچہ بلند اقبال والا ہے، تم اس کی اچھی طرح نگہ داشت اور پرورش و پرداخت کرنا۔ ابن اسحاق کے بہ قول بحیرا راہب نے ابوطالب سے یہ بھی کہا:

> "آپ اپنے بھتیجے کو وطن واپس لے جائیں اور یہود سے اس کو بچائیں۔ اللہ کی قسم اگر انہوں نے دیکھ لیا اور وہ علامتیں پہچان لیں جو میں نے پہچانی ہیں تو وہ اسے ضرر پہنچائیں گے۔ آپ کا بھتیجا بڑی عظمت والا ہے۔"(۹)

حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تاریخ میں اس واقعہ کو تفصیل سے نقل کیا ہے۔ بحث کے شروع میں انہوں نے اس کے متعلق جو باتیں تحریر کی ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ راہب نے ان کے چچا سے حضور کی حفاظت اور اچھی طرح پرورش و پرداخت کرنے کی بات کہی تھی، نہ کہ یہ کہا تھا کہ یہ بچہ نبی آخرالزماں بننے والا ہے۔(۱۰) ابن جریر طبری نے اس واقعہ سے متعلق تمام رطب یابس باتوں کو حذف کر دیا ہے، البتہ انہوں نے ابوموسیٰ اشعریؓ کے حوالے سے وہی روایت نقل کی ہے جسے ترمذی نے نقل کیا ہے۔(۱۱)

شام کا دوسرا سفر اور نسطورا سے ملاقات کی اصلیت

اسی نوعیت کا دوسرا واقعہ بھی ملک شام میں اس وقت پیش آیا جب کہ آپؐ کی عمر ۲۵ سال کی تھی۔ آپ کا یہ سفر بھی تجارت کی غرض سے ہوا تھا۔ حضرت خدیجہ کا مال لے کر جا رہے تھے۔ آپ کے معاون کے طور پر حضرت خدیجہ نے اپنے غلام میسرہ کو ساتھ کر دیا تھا۔ جب یہ تجارتی قافلہ شام کے علاقہ بصریٰ میں پہنچا تو سب لوگوں نے پڑاؤ ڈالا۔ دھوپ کی شدت سے

بچنے کے لیے آپ ایک درخت کے نیچے آرام کرنے لگے۔ اب کی بار نسطورا راہب اپنے خیمہ سے نکل کر قافلہ والوں کے پاس آیا۔ یہاں تک کہ اس نے میسرہ سے پوچھا کہ اس درخت کے نیچے آرام کرنے والا شخص کون ہے؟ اس نے کہا کہ مکہ کے قریش کا ایک فرزند ہے۔ راہب نے کہا کہ آج تک اس درخت کے نیچے حضرت عیسیٰؑ کے بعد کوئی دوسرا آدمی نہیں بیٹھا، یہ کوئی غیر معمولی آدمی نظر آتا ہے۔ پھر وہ حضورؐ سے ملا اور گفت وشنید کی۔ راہب آپ سے غیر معمولی طور پر متاثر ہوا۔ بعض نشانیوں کو دیکھ کر اور حضورؐ کے عادات واطوار کو ملاحظہ کرنے کے بعد اسے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں وقت نہ ہوئی کہ یہ نبی آخر الزماں ہیں۔ مگر یقینی بات کہنے کے لیے اس کے پاس کوئی مضبوط دلیل نہ تھی۔ یہاں تک کہ حضورؐ اپنی تجارت سے فارغ ہوئے اور وطن لوٹے۔ چوں کہ میسرہ ہر وقت آپ کے ساتھ رہتے تھے، اس لیے وہ حضورؐ کے افعال وگفتار اور اخلاق و کردار سے بہت متاثر ہوے۔ اس کا ذکر انہوں نے حضرت خدیجہؓ سے کیا تو وہ بھی آپ کی قدرداں ہوگئیں۔ یہاں تک کہ حضرت خدیجہ نے آپ سے نکاح کی پیش کش کر دی۔

ابن جریر طبری نے اس دوسرے سفر کے متعلق زیادہ تفصیلات بیان نہیں کی ہیں۔ انہوں نے بس اتنا لکھا ہے کہ میسرہ سے راہب نے پوچھا یہ شخص کون ہے۔ میسرہ نے مذکورہ باتیں بیان کر دیں، اس پر راہب نے کہا حضرت عیسیٰؑ کے بعد سے آج تک کوئی دوسرا آدمی اس درخت کے نیچے نہیں بیٹھا۔(۱۲) اس کے بعد انہوں نے تجارت سے واپسی اور مکہ پہنچنے کا ذکر کیا ہے۔

ان واقعات کا کمزور پہلو

ان واقعات کے متعلق ایسی بہت سی باتیں بعض دوسری کتابوں میں جگہ پاگئیں ہیں جو درست معلوم نہیں ہوتیں۔ ان میں سے بعض باتیں یہ ہیں۔ ایک یہ کہ قافلے والے حضور کو سامان کی حفاظت کے لیے خیمہ میں چھوڑ کر راہب کی دعوت کھانے چلے گئے۔ لاکھوں کا سامان تجارت ایک بچہ کی نگرانی میں چھوڑ کر جانا خلاف قیاس معلوم ہوتا ہے۔ جب ابوطالب سفر کے لیے نکل رہے تھے تو حضورؐ نے اپنے چچا کا دامن تھام لیا اور سفر میں ساتھ جانے پر اصرار کرتے رہے، بہ مشکل تمام ابوطالب اپنے ساتھ لے جانے پر راضی ہوئے۔ جب قافلہ والوں کی دعوت

راہب نے کی تو ابوطالب اپنے بھتیجے کو غیر مامون جگہ پر تنہا چھوڑ کر ہرگز نہیں جا سکتے تھے، وہ آپ کو ضرور اپنے ساتھ لے کر جاتے۔ راہب نے لات وعزیٰ کی قسم دے کر حضورؐ سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہا حضورؐ نے کہا، لات وعزیٰ کی قسم مجھے نہ دو مجھے اس سے نفرت ہے۔ تب اس نے کہا کہ اچھا اللہ کے واسطے سے بتاؤ۔ پھر آپ نے راہب کے تمام سوالات کا ٹھیک ٹھیک جواب دیا۔ راہب نے آپ کی مہر نبوت کو ملاحظہ کیا اور پہچان لیا کہ آپ ہی نبی آخر الزماں ہیں۔ اس کا اظہار راہب نے ابوطالب سے کیا اور کہا کہ ان کی حفاظت کرنا، مبادا یہود پہچان لیں گے تو انہیں قتل کر ڈالیں گے۔ جیسے ہی ابوطالب نے بچہ کو وہاں سے رخصت کیا سات شر پسند رومی حضورؐ کو تلاش کرتے ہوئے خانقاہ میں پہنچ گئے اور اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ ہم محمد کا قتل کرنے آئے ہیں۔ مگر راہب کے سمجھانے پر وہ اپنے فعل سے باز آ گئے۔ یہ اور اس طرح کی دوسری باتیں جو اس واقعہ کے متعلق بیان کی جاتی ہیں بے بنیاد اور من گھڑت معلوم ہوتی ہیں۔

اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ ۱۲ سال کی عمر میں خود حضورؐ کو معلوم ہو گیا تھا کہ آپ عنقریب نبی بنائے جانے والے ہیں۔ اسی طرح مکہ والے بھی جان گئے تھے کہ آپ ہی آخری نبی ہیں اور اس کی شہرت دور دور تک پھیل جانی چاہیے تھی۔ اگر راہب کی باتوں کا اعتبار کر لیا جائے تو کم از کم اس سفر کے بعد لوگوں نے آپ پر قاتلانہ حملہ کیوں نہیں کیا۔

اس سفر کے بعد آپ نے یقیناً کئی اسفار بغرض تجارت کیے ہوں گے مگر ان کی تفصیلات نہیں ملتیں۔ لیکن بالکل اسی نوعیت کا دوسرا واقعہ بغرض تجارت جاتے ہوئے بصریٰ کے مقام پر ظاہر ہوا اور اس وقت بھی اسی خانقاہ کے ایک راہب جو نسطورا کہلاتا تھا کا واسطہ آپ سے پڑا اور اس نے بھی آپ کے نبی بنائے جانے کی تصدیق کی۔ یہ بات تو تسلیم کی جا سکتی ہے کہ اگر یہ سفر یقینی ہے تو آپ نے ایک درخت کے نیچے آرام کیا ہوگا اور راہب نے کہا ہوگا کہ حضرت عیسیٰؑ کے بعد سے لے کر آج تک کوئی دوسرا آدمی اس درخت کے نیچے نہیں بیٹھا۔ مگر یہ کہنا صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ اس کے نیچے بیٹھنے والا شخص ہی نبی آخر الزماں ہے۔ علامہ زرقانی نے شرف المصطفیٰ کے حوالے سے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ پھر نسطورا آپ کے قریب ہوا اور آپ کے قدم چومے اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول اور نبی امی ہیں، جس کی بشارت عیسیٰ نے دی تھی اور کہا تھا کہ میرے بعد اس درخت کے نیچے آپ کے سوا کوئی نہ بیٹھے گا۔ (۱۳) واقعہ کی تفصیل

میں یہ بات بھی ملتی ہے کہ میسرہ نے پورے راستے میں آتے جاتے دیکھا کہ دو فرشتے مستقل آپ پر سایہ کیے رہتے ہیں۔ یہ کوئی غیر معمولی واقعہ نہ تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو آپ خود تعجب کرتے اور قافلہ میں موجود لوگ حیرت میں پڑ جاتے کہ آخر ماجرا کیا ہے؟

غیر معمولی باتوں کا اثر آپ پر کیوں نہیں ہوا؟

اگر اس واقعہ میں صداقت ہوتی تو یہ بات مکہ سے لے کر شام تک اور شام سے لے کے مکہ تک تو مشہور ہو ہی جاتی، مگر روایات سے بس اتنا پتا چلتا ہے کہ میسرہ نے پورے راستہ اس منظر کو ملاحظہ کیا۔ رہی بات راہب کے اس علامت کے ملاحظہ کرنے کی تو یہ کوئی بعید بات نہیں ہے، کیوں کہ بعض لوگ اپنے علم اور ریاضت کی وجہ سے بعض وقت اللہ کی نشانیوں کو ملاحظہ کر لیتے ہیں۔ پھر جب حضورؐ تجارتی سفر سے لوٹ کر مکہ میں آئے تو خدیجہ نے اپنے بالا خانے سے دیکھا کہ حضور اونٹ پر سوار ہیں اور دو فرشتے آپ پر سایہ کیے ہوئے ہیں۔ اس منظر کو خدیجہ نے اپنی سہیلیوں کو دکھایا جو اس وقت موجود تھیں۔ اس پر ان لوگوں کو تعجب ہوا۔ میسرہ نے راستے کے عجائبات اور آپ کی کرامت و بزرگی کا تفصیل سے ذکر کیا اور راہب کی بات بیان کی کہ آپ نبی آخر الزماں ہیں جس کی بشارت کتب سابقہ میں دی گئی ہے۔ ان باتوں کو سننے اور آپ کی کرامت و بزرگی کو دیکھ کر حضرت خدیجہ نے اپنے آپ کو آپ سے منسوب کرنے کا پیغام بھیج دیا جسے آپ نے قبول بھی کر لیا۔ (۱۴) اس طرح کی باتوں سے تو بالکل یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس بار بھی آپ کو ۱۵ رسال پہلے معلوم ہو گیا کہ آپ نبی بننے والے ہیں، جو صحیح نہیں ہے۔

یہ الگ بات ہے کہ آپ شروع سے ہی نیک، شریف اور اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے، لیکن خود آپ پر اپنا مقصد زندگی واضح نہیں تھا اور نہ آپ نے مستقبل کے لیے کوئی لائحہ عمل تیار کیا تھا۔ ایک عام انسان کی طرح زندگی گزارتے تھے۔ مگر بنیادی فرق یہ تھا کہ آپ کائنات کی ہر چیز پر غور و فکر کرتے تھے اور وحدانیت کے تصور سے آپ کا سینہ سرشار تھا۔ اس لیے یہ بات کس طرح درست ہو سکتی ہے کہ جیسا کہ علامہ زرقانی اور حافظ ابن حجر نے ابو سعید کے حوالے سے کہا کہ راہب آپ پر ایمان لے آیا تھا۔ (۱۵) نبوت ملی نہیں ایمان لانے کا عمل کیسے واقع ہو گیا؟

آیات قرآنی سے واقعہ کی تغلیط

ان دونوں اسفار میں راہب سے علمی استفادہ کو درست مانا جائے تو پھر قرآن کی اُن آیتوں کا کیا جواب ہوگا، جس میں کہا گیا ہے کہ آپ نبوت کی امید لگائے ہرگز نہ بیٹھے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ مَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ (القصص:۸۶)

''اور آپ ہرگز اس کے امیدوار نہ تھے کہ آپ پر کتاب نال کی جائے گی۔''

ایک اور مقام پر آپ کی امیت کو واضح کرنے کے ساتھ فرمایا گیا ہے کہ آپ کو کیا معلوم کہ کتاب اور ایمان کیا چیز ہوتی ہے، اگر اس بات کا پہلے سے علم ہوتا کہ آپ نبی بنائے جانے والے ہیں تو یہ بڑی بات ہوتی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِيْمَانُ (الشوریٰ:۵۲)

''تم نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور نہ یہ جانتے تھے کہ ایمان کیا ہوتا ہے۔''

آئندہ کے لیے اس طرح کی باتیں وہی شخص سوچ سکتا ہے جو سماج کا سب سے اعلیٰ فرد ہو۔ جیسا کہ کفار و مشرکین کی گفتگو قرآن نے نقل کی ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کو اور دوسرا معزز آدمی نہیں ملا تھا کہ وہ اسے نبی بناتا۔ (زخرف:۳۰) پھر دو مرتبہ جب آپ پر یہ بات واضح ہوگئی کہ آپ عنقریب نبی بنائے جانے والے ہیں، تو آپ کے دل میں اس کی امنگ پیدا نہ ہوئی ناقابل فہم بات ہے۔ اگر ایسا ہوا تو نعوذ باللہ قرآن کی تصریحات غلط ہیں۔ یا پھر قرآن نے جو کچھ کہا ہے تو اسے ہی صحیح مانا جائے اور ماننا بھی چاہیے تو اس سفر میں جو خرق عادات باتیں سامنے آتی ہیں وہ لغو ہیں۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

> ''یہ واقعہ جس پر مستشرقین نے بہت سے قیاسات کی عمارت اٹھائی ہے اور ان علوم کو جو رسول ہونے کے بعد آپ سے ظاہر ہوئے، عیسائی راہبوں سے حاصل کردہ معلومات قرار دیا ہے۔ اس پر مزید خود ہمارے ہاں کی بعض روایات بھی ایسی ہیں جو ایک حد تک ان قیاسات کو تقویت پہنچاتی ہیں۔ دراصل یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے کہ ایک زاہد مرتاض آدمی جس نے مجاہدہ سے اپنی روحانی قوتوں کو نشو و نما دیا ہو، کچھ

غیر معمولی برکات کے آثار دیکھ کر محسوس کر لے کہ اس قافلہ میں کوئی عظیم شخصیت موجود ہے، اور آپ کو دیکھ کر اسے اپنے اندازوں کی تصدیق ہو گئی ہو۔ نیز اس نے اس خیال سے کہ یہودی ایک حاسد قوم ہیں اور وہ عرب کے امیوں میں کسی عظیم شخصیت کے ظہور کو اپنے لیے خطرہ سمجھ کر اس کے در پے آزار ہو سکتے ہیں، ابو طالب کو ان سے بچانے کا مشورہ دیا ہو۔ لیکن یہ بات قابل تسلیم نہیں ہے کہ اس نے یہ سمجھ لیا کہ آپ ہی وہ ہونے والے نبی ہیں جن کے آنے کی خبر پچھلی کتابوں میں دی گئی ہے، کیوں کہ پیشین گوئیوں سے یہ ضرور معلوم ہوتا تھا کہ ایک نبی آنے والے ہیں اور ان کا نام محمد ہو گا، لیکن تعین کے ساتھ یہ معلوم کر لینا ممکن نہ تھا کہ حضور ہی وہ نبی ہیں"۔ (١٦)

اسی واقعہ کے تناظر میں شیخ محمد غزالیؒ لکھتے ہیں:

"خواہ یہ واقعہ صحیح ہو یا غلط، لیکن بعد میں اس کا کوئی اثر نظر نہیں آتا۔ نہ حضرت محمدؐ نے نبوت کی توقع یا اس کے لیے تیاری شروع کی، نہ اہل قافلہ نے بعد میں اس واقعہ کو پھیلایا اور اس طرح بھول گئے جیسے کوئی واقعہ ہوا ہی نہیں تھا۔" (١٧)

علماء و محدثین کے نزدیک تجارتی اسفار اور حدیث کی حقیقت

محدثین کی بیان کردہ روایات میں دیگر باتوں کے ساتھ ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ ان میں بیان کیا گیا ہے کہ بحیرا راہب کے کہنے پر ابو طالب نے اپنے بھتیجے کو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت بلالؓ کی معرفت مکہ روانہ کر دیا۔ اس وقت حضرت ابو بکرؓ خود چھوٹے تھے اور حضرت بلالؓ کا کوئی وجود نہیں تھا۔ اس بنا پر علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ باطل ہے۔ علامہ مبارک پوری تحریر کرتے ہیں علامہ ذہبیؒ نے حدیث کے مذکورہ جملے کی وجہ سے اسے ضعیف قرار دیا ہے، کیوں کہ ابو بکرؓ نے بلالؓ کو اس وقت خریدا بھی نہ تھا۔ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اس وقت تک بلالؓ کا وجود ہی نہ تھا اور اگر تھا تو اس وقت تک ابو بکرؓ یا ابو طالب کے ساتھ نہیں تھے۔ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ترمذی، حاکم، بیہقی اور ابن عساکر نے بیان کیا ہے اس میں بعض عجیب باتیں ہیں، یہ مرسلات صحابہ میں سے ہے اس لیے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ جو اس کے راوی ہیں غزوہ خیبر کے سال تشریف لائے تھے۔ اصطلاحات حدیث کی رو سے یہ حدیث معلل ہے۔ (١٨) اس کے برعکس حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ اس میں اس جملے کے

علاوہ کوئی نقص نہیں۔ اس بات کا احتمال ہے کہ یہ جملہ مدرج ہو۔ یعنی کسی دوسری منقطع روایت سے اس میں شامل ہوگیا ہو اور یہ کسی راوی کا وہم ہو۔ جب کہ علامہ شبلی نعمانیؒ حافظ ابن حجرؒ پر سخت تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حافظ ابن حجر رواۃ پرستی کی بنا پر اس حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہیں، لیکن چوں کہ حضرت ابوبکرؓ اور بلالؓ کی شرکت بداہتاً غلط ہے، اس لیے مجبوراً اقرار کرتے ہیں کہ اس قدر حصہ غلطی سے روایت میں شامل ہوگیا ہے، لیکن حافظ ابن حجر کا یہ ادعا بھی صحیح نہیں کہ اس روایت کے تمام رواۃ قابل سند ہیں۔ عبدالرحمن بن غزوان کی نسبت خود انہی حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ "وہ خطا کرتا تھا، اس کی طرف سے اس وجہ سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے ممالیک کی روایت نقل کی ہے۔" ممالیک کی ایک روایت ہے، جس کو محدثین جھوٹ اور موضوع خیال کرتے ہیں۔"(۱۹)

واقعات میں جو خامی ہے اس کے علاوہ بھی اس روایت میں سند کے اعتبار سے کمزوری ہے، اس کی صراحت کرتے ہوئے علامہ شبلیؒ لکھتے ہیں:

"اس حدیث کے آخیر راوی ابوموسیٰ اشعریؓ ہیں، وہ شریک واقعہ نہ تھے اور اوپر کے راوی کا نام نہیں بتاتے۔ ترمذی کے علاوہ طبقات ابن سعد میں جو سلسلہ سند مذکور ہے (وہ مرسل یا معضل ہے۔ یعنی جو روایت مرسل ہے اس میں تابعی جو ظاہر ہے کہ شریک واقعہ نہیں ہے، کسی صحابی کا نام نہیں لیتا ہے اور جو روایت متصل ہے، اس میں راوی اپنے اوپر کے دو راوی جو تابعی اور صحابی ہیں دونوں کا نام نہیں لیتا ہے)۔"(۲۰)

ان کے علاوہ اس حدیث میں جو مزید خامیاں ہیں اس پر علامہ شبلی نے سخت کلام کیا ہے۔ اس صورت میں سفر شام میں راہب کی ملاقات اور اس کی نشان دہی بہ سلسلہ نبوت مشکوک ہو کر رہ جاتی ہے۔ ترمذی کی مذکورہ روایت میں کئی اعتبار سے سقم پایا جاتا ہے۔ اس میں بعض باتیں ایسی ہیں جو عقل وفہم کے خلاف نظر آتی ہیں۔ نیز اس میں واقعہ کے تسلسل اور ترتیب کا فقدان ہے۔ اس لیے بیش تر علماء نے اس روایت پر اعتماد نہیں کیا ہے۔ شیخ محمد الغزالی لکھتے ہیں:

"محققین کے نزدیک یہ روایت موضوع ہے، اس میں اس واقعہ سے مشابہت ہے جسے اہل انجیل بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کی ولادت کے فوراً بعد کچھ لوگ انہیں

قتل کرنے لیے تلاش کر رہے تھے اور عیسائیوں کے یہاں پایا جانے والا یہ واقعہ اس واقعہ سے مشابہت رکھتا ہے جسے بدھ مت کے پیروکار بیان کرتے ہیں کہ گوتم بدھ کی جب ولادت ہوئی تو دشمنوں نے انہیں قتل کرنے کے لیے تلاش کیا۔" (۲۱)

اس طرح کی روایات کو قبول کیوں نہیں کیا جانا چاہیے، اس کی وجہ بتاتے ہوئے شیخ غزالیؒ یہ بھی تحریر کرتے ہیں:

"علمائے سنت روایات کی تحقیق متن اور سند دونوں پہلوؤں سے کرتے ہیں۔ اگر ان سے پختہ علم اور ظن غالب حاصل نہ ہو تو ان کی پرواہ نہیں کرتے، پیغمبروں کی جانب بہت سی خرافات منسوب کر دی گئی ہیں، اگر انہیں فن حدیث کے مقررہ قواعد کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو ان کا کھوٹ ظاہر ہوتا ہے اور ان کی بنا پر انہیں رد کرنا مناسب ہوتا ہے۔" (۲۲)

اس حدیث کے الفاظ سے کسی سے مشابہت ہو یا نہ ہو، زیادہ اہم بات نہیں ہے۔ بحث اس سے ہے کہ کیا چھوٹی عمر میں خود حضورؐ کو اپنے بارے میں اور اہل مکہ کو آپ کے نبی ہونے کا علم ہو چکا؟ اگر ہوا تو یہ معمولی بات نہیں تھی، اس کی تیاری پہلے سے شروع ہو جانی چاہیے تھی اور پھر چالیس سال کے بعد نبیؐ کی مخالفت کا جو بازار گرم ہوا وہ نہ ہونا چاہیے تھا۔ جب کہ اہل مکہ کو دوسروں کی زبانی پہلے ہی آپ کی نبوت کا علم ہو چکا تھا اور آئندہ چل کر نبیؐ کے ذریعہ کون کون سے کام انجام پائیں گے اس کی بھی وضاحت ہو گئی تھی، تو پھر حضورؐ نے جس چیز کی دعوت دی اس کی مخالفت کرنے کے بجائے قبول کرنا چاہیے تھا۔ اگر اس واقعہ کو صحیح سمجھ لیا جائے جیسا کہ کچھ لوگوں نے صحیح سمجھا ہے تو مستشرقین کے اس اعتراض کا کیا جواب ہوگا جو یہ کہتے ہیں کہ نبی کے ذہن میں توحید پرستی اور واحد مطلق ہستی کی طرف میلان کا جو رجحان پیدا ہوا وہ اسی راہب کی تعلیم کا نتیجہ ہے، اور حضورؐ پہلے سے ہی نبوت کی امید لگائے بیٹھے تھے۔ کیا اس قسم کی باتیں حضورؐ کی سیرت اور نبوت کے منافی نہیں ہیں۔ ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی نے اس روایت کا سختی سے رد کیا ہے۔ انہوں نے علامہ ناصر الدین البانی پر بھی نقد کیا ہے کیوں کہ انہوں نے اس روایت کی سند کو درست قرار دیا ہے۔ البوطی نے یہاں تک لکھا ہے کہ بعض وقت وہ کمال احتیاط کی بنا پر صحیح روایت میں بھی ضعف تلاش کر لیتے ہیں، مگر نہ معلوم کیسے انہوں نے اس روایت کو صحیح تسلیم کر لیا ہے۔ جب کہ اس کے ضعف کے وافر دلائل موجود ہیں۔ (۲۳)

مستشرقین کے دعویٰ کی کمزوری

روایتوں سے جو نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے وہ یہ کہ آپ نے متعدد اسفار تجارت کی غرض سے کئے۔ انہیں اسفار میں آپ کی ملاقات اہل کتاب کے عالموں سے ہوئی۔ جہاں تک ان کی صحبت اختیار کرنے اور ان سے علمی وروحانی استفادہ کی بات ہے، نا قابل تسلیم ہے۔ اگر اس کو مان بھی لیا جائے تو پھر سوال پیدا ہوگا آپؐ نے اسی بات کی تعلیم دی جسے آپؐ نے راہبوں سے سیکھا تھا تو پھر اس پر عیسائی عمل کیوں نہیں کرتے اور اس کی تکذیب کیوں کرتے اور کہتے ہیں کہ آپ نبی برحق نہیں تھے اور آپ نعوذ باللہ عیوب کا مجموعہ ہیں۔ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری لکھتے ہیں:

> "پادری صاحبان نے اتنی بات پر "بحیرا نصرانی ملا تھا" یہ شاخ وبرگ اور بھی لگا دیے کہ ۴۰ سال کی عمر کے بعد جو تعلیم آں حضرتؐ نے ظاہر کی تھی، وہ اس راہب کی تعلیم کا اثر تھا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر آں حضرتؐ نے تثلیث اور کفارہ کا رد، مسیح کے صلیب پر جان دینے کا بطلان اس راہب کی تعلیم ہی سے کیا تھا تو اب عیسائی اپنے اس بزرگ کی تعلیم کو قبول کیوں نہیں کرتے۔" (۴۴)

خاص طور پر یہودی آخری نبی کی آمد کے منتظر تھے۔ تاکہ ان کی رہنمائی اور تعاون سے ان عیسائیوں کو جن کے ظلم کی چکی میں وہ برسوں سے پس رہے تھے، کیفر کردار تک پہنچا سکیں۔ جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ جب ۱۲ سالہ بچے کو بحیرا کے کہنے پر واپس مکہ بھیج دیا گیا تو ٹھیک انہی دنوں ۷ رومی حضور کو تلاش کرتے ہوئے بحیرا کی خانقاہ میں پہنچے تاکہ نبی آخرالزماں کا قتل کر دیں۔ مگر انہوں نے ان کو نہ پایا اور راہب نے بھی ان لوگوں سے کہا کہ تم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے، کیوں کہ اللہ کا یہی فیصلہ ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے ارادے سے پھر گئے۔ اب قرآن کریم کی یہ آیات ملاحظہ فرمائیں:

> وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ فَلَمَّا جَاءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ۚ (البقرہ:۸۹)

"باوجود کہ اس کی آمد سے پہلے وہ خود کفار کے مقابلے میں فتح و نصرت کی دعائیں مانگا

کرتے تھے، مگر جب وہ چیز آ گئی جسے وہ پہچان بھی گئے تو انہوں نے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔"

اس آیت کے حوالے سے قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری لکھتے ہیں کہ:

"اس آیت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ بحیرا راہب کا قول غلط تھا، کیوں کہ یہودی لڑکپن میں آں حضرتؐ کو پہچان لیتے تو اپنے اعتقاد کے مطابق حضورؐ کو اپنی فتح و نصرت کا دیتا سمجھ کر، نہایت خدمت گزاری کرتے"۔(۲۵)

پہلی بار جب آپ نے شام کا سفر کیا، اس وقت آپ کی عمر زیادہ سے زیادہ ۱۲؍سال کی تھی۔ (بعض روایت کے مطابق اس وقت آپ ۹؍سال کے تھے) اتنی چھوٹی عمر میں ایک راہب سے علم و حکمت کی وہ ساری باتیں کیسے سیکھ لیں جن کا روئے زمین میں کوئی ثانی نہیں۔ وہ بھی چند منٹوں یا گھنٹوں کی ملاقات میں۔ اس لیے مستشرقین کے یہ اعتراضات بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں کہ آپ نے راہبوں سے علمی فیض حاصل کیا تھا۔ جب کہ قرآن اور سابقہ کتابیں بار بار کہتی ہیں کہ آپ امی تھے۔ یہی نہیں بلکہ بعض مستشرقین نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ قرآن کا اصل مصنف بحیرا ہے، جس سے حضورؐ نے اخذ کیا ہے۔ چنانچہ اس ذہنی خرافات کے متعلق ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں:

"کیا یہ معجزہ رونما ہو سکتا ہے کہ نو سال کی عمر کا ایک بچہ قرآن پاک کی ۱۱۴؍سورتیں چند منٹ میں حفظ کر لے اور پھر ایک نسل کے بعد ان قرآنی سورتوں کو یہ کہہ کر اپنی امت کے روبرو پیش کرے کہ یہ اللہ کا کلام ہے؟"(۲۶)

شام کے سفر سے متعلق جو رطب و یابس روایات میں داخل ہو گئیں ہیں ان کی تردید کرنے کے بعد ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں کہ کسی غیبی آثار کو دیکھ کر راہب نے قافلہ والوں کی دعوت نہیں کی تھی بلکہ ان کے اچھے رویے اور برتاؤ سے متاثر ہو کر راہب نے کھانے پر مدعو کیا تھا۔ اس کے بعد وہ اپنے شبہ کا اظہار اس طرح کرتے ہیں کہ "شاید وہ مذہب کی تبدیلی کے حوالے سے نیک ارادہ رکھتا ہو۔"(۲۷)

علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

"ہمارے عیسائی احباب اس ضعیف روایت پر اپنے شکوک و شبہات کی عظیم الشان

عمارت قائم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے اسی راہب کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ اگر یہ صحیح ہے تو دنیا کے لیے اس سے بڑا معجزہ محمد رسول اللہ کا اور کیا چاہیے کہ ایک ابجد نا آشنا طفل دوازدہ سالہ نے چند گھنٹوں میں حقائق و اسرار دین، اصول عقائد، نکات اخلاق، مہمات قانون اور ایک شریعت عظمی کی تکمیل و تاسیس کے طریقے سب کچھ سیکھ لیے۔ کیا ہمارے عیسائی دوست اس معجزہ کو تسلیم کرتے ہیں۔"(۲۸)

حاصل بحث

مستشرقین نے حصول علم اور معلومات کے ذرائع جن نصرانی عالموں کو قرار دیا ہے ورقہ بن نوفل بھی انہی میں سے ایک تھے جو مکہ میں رہتے تھے۔ اگر بحیرا راہب سے حضور کے تعلیمی سلسلہ کو جوڑا جاتا ہے تو ورقہ کو خاص طور پر اس بات کا علم ہوتا کہ آپ نبی برحق ہیں، کیوں کہ وہ آپ کو حضرت خدیجہ سے شادی سے قبل سے ہی جانتے تھے۔ پھر خدیجہ سے رشتہ داری کی بنا پر ان سے بڑی حد تک قربت ہوگئی، لیکن جب حضورؐ پر پہلی وحی کے نازل ہونے کے وقت جو کیفیت طاری ہوئی، اسے خدیجہؓ کی وساطت سے ورقہ کے سامنے بیان کیا گیا۔ جسے سننے کے بعد انہوں نے کہا آپ نبی برحق ہیں اور یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰ پر وحی لایا کرتا تھا۔ ورقہ نے اپنی سابقہ آسمانی کتابوں کی روشنی میں آپ کے نبی ہونے کی تصدیق کی نہ کہ خبروں کو سن کر۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ ورقہ کو دونوں آسمانی کتابوں کا علم تھا۔ پہلے وہ یہودی تھے، بعد میں عیسائی ہو گئے تھے اور یہ عربی اور عبرانی زبان میں انجیل لکھتے تھے۔ ان کتابوں کا گہرا علم رکھنے کے باوجود جو حضورؐ کی علامات و کیفیات کو سن کر اگر وہ اس کے خلاف کوئی دوسری بات کہتے تو گویا کہ وہ ایک حقیقت کو چھپانے کی کوشش کرتے اور اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ حضورؐ نے علمی فیض حاصل کیا۔ رہے بعض دوسرے اہل کتاب علماء و رہبین تو ان سے آپ کی ملاقات برائے نام تھی اور خود حضورؐ اتنے اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے کہ اپنے شدید دشمن سے بھی ملتے تو خندہ پیشانی کا مظاہرہ کرتے۔ اسی طرح اہل کتاب کے بعض عالموں سے چاہے وہ غلام ہی کیوں نہ ہوں ملاقات ہو جاتی تو ان کی عظمت کا بھی آپؐ پورا خیال کرتے تھے۔ لہٰذا یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ شروع سے ہی اللہ تبارک و تعالیٰ خصوصی نہج پر آپ کی تربیت کر رہا تھا اور آلائشوں سے آپ کے قلب و نظر اور فکر و خیال

کو مصفی کر دیا تھا، اس لیے باطل افکار کے جذب کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پھر جب آپؐ نبوت سے سرفراز کیے گئے تو گو آپ امی تھے، مگر آپ کو جو معلومات حاصل ہو رہی تھیں وہ بواسطہ وحی ہو رہی تھیں جسے فرشتہ لے کر آتا اور بعض وقت براہ راست آپ کے قلب اطہر میں کوئی بات ڈال دی جاتی تھی۔ جب یہ صورت ہو تو لامحالہ یہ کہنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک امی پر ہی نبوت کے سلسلہ کو ختم کر دیا تاکہ دنیا یہ تسلیم کر لے کہ اللہ کی قدرت دنیا کی ساری چیزوں پر محیط ہے اور جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے اور ہوتا رہے گا وہ سب اسی کے ایما اور اشارے سے ہوگا۔ رہے آپ کے بعض رفیق جو پہلے عیسائی تھے اور بعد میں مسلمان ہو گئے یا آپ کا اپنی زوجہ مطہرہ ماریہ قبطیہ سے علم حاصل کرنا محض الزام اور تعصب ہے۔ ان میں کوئی اس لائق نہ تھا کہ وہ حضورؐ کو علمی فیض پہنچا سکے۔

☆☆☆

مآخذ و مراجع

(۱) شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ندوۃ المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۳ء، ج:۱، ص:۱۲۶

(۲) ڈاکٹر التہامی نقرہ، مستشرقین اور قرآن، (عربی اسلامی علوم اور مستشرقین (مجموعہ مقالات عربی) سترجم: ڈاکٹر محمد ثناء اللہ ندوی) تو حید ایجوکیشنل ٹرسٹ، کشن گنج، بہار، ۲۰۰۴ء، ص:۱۲

(۳) ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کتاب الوحی، باب کیف کان بدء الوحی

(۴) ایضا، کتاب المناقب، باب عمرۃ القضا

(۵) سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبیؐ، ندوۃ المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۳ء، ج:۳، ص:

(۶) سید ابوالاعلیٰ مودودی، سیرت سرور عالمؐ، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۵ء، ج:۱، ص:۱۳۲۵ اور ص:۶۵۰

(۷) سیرۃ النبیؐ، ج:۳، ص:۳۶۴

(۸) محمد بن عیسیٰ الترمذی، جامع الترمذی، کتاب المناقب، باب ما جاء فی بدء نبوۃ النبی

(۹) محمد بن اسحاق بن یسار، سیرت ابن اسحاق، ملی پبلیکیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۹ء، ص:۸۶
(۱۰) ابوالفداء اسماعیل بن کثیر، البدایہ والنہایۃ، دارالریان للتراث، قاہرہ، ۱۹۸۸ء، ج:۱، جزو:۲، ص:۲۶۳-۲۶۳
(۱۱) ابی جعفر محمد بن جریر الطبری، تاریخ طبری (تاریخ الرسل والملوک) دارالمعارف، قاہرہ، ۱۹۷۷ء، ج:۲، ص:۲۷۸-۲۷۹
(۱۲) ایضاً، ص:۲۸۰
(۱۳) محمد بن الباقی الزرقانی، شرح مواہب اللدنیہ، مطبعۃ الازہریۃ، مصر، ۱۳۲۵ھ، ج:۱، ص:۱۹۵
(۱۴) سیرت ابن اسحاق، ص:۶۸
(۱۵) شرح مواہب اللدنیہ، ص:۱۹۵
(۱۶) سیرت سرور عالمؐ، ج:۲، ص:۸۵
(۱۷) شیخ محمد الغزالی، فقہ السیرۃ، مطبعۃ حسان، قاہرہ، ۱۹۷۶ء، ص:۶۸
(۱۸) ایضاً، ص:۶۹
(۱۹) سیرۃ النبیؐ، ج:۱، ص:۱۲۸
(۲۰) ایضاً
(۲۱) فقہ السیرۃ، ص:۶۹
(۲۲) ایضاً
(۲۳) ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی، فقہ السیرۃ النبویۃ، دارالفکر المعاصر، بیروت لبنان، ۱۹۹۱ء، ص:۴۸
(۲۴) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، فرید بک ڈپو، دہلی، ۱۹۹۹ء، ج:۱، ص:۴۲
(۲۵) ایضاً
(۲۶) ڈاکٹر محمد حمید اللہ، محمد رسول اللہ، فرید بک ڈپو، دہلی، ۲۰۰۳ء، ص:۱۳-۱۵
(۲۷) ڈاکٹر محمد حمید اللہ، پیغمبر اسلام، ملی پبلیکیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۹ء، ص:۵۹-۶۰
(۲۸) سیرۃ النبیؐ، ج:۳، ص:۳۶۲

باب ہشتم

رسول اللہؐ کے غزوات اور ان کے محرکات

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتی جدوجہد سے صرف ۲۳ رسال کی مدت میں اسلام پورے جزیرۃ العرب میں پھیل گیا اور اس کی شعاعیں دوسرے ملکوں پر بھی پڑنے لگیں۔ ہر طرف امن وامان کا دور دورہ ہوگیا، عزت وعصمت محفوظ ہوگئی اور تہذیبی واخلاقی قدریں بحال ہوگئیں۔ نبیؐ کی اس عظیم کامیابی پر مشرق ومغرب کے معاندین اسلام جب گفتگو کرتے ہیں تو انہیں سوائے خرابی اور بدی کے اور کچھ نظر نہیں آتا یہاں سیرت مقدسہ کے دیگر پہلوؤں کا ذکر نہیں ہے صرف غزوات وسرایا کا ذکر ہے۔ معاندین جب عہد نبوی کی جنگوں پر بحث کرتے ہیں تو ان میں مختلف قسم کے عیوب نکالنے اور متعدد قسم کے اعتراضات کرنے لگتے ہیں۔ ان میں سے ایک مشہور اعتراض یہ ہے کہ عہد نبوی میں جتنی بھی جنگیں ہوئیں وہ لوٹ مار پر مبنی تھیں، تاکہ مالی استحکام حاصل ہو۔ مشہور مستشرق 'جرجی زیدان' نے لکھا ہے:

> ''عہد وپیمان سے فراغت حاصل ہوگئی اور پرامن جگہ رہنے سے اطمینان ہوگیا تو مسلمانوں کو اہل مکہ کی ایذا دہی اور ان کے مظالم کا خیال آیا۔ انہوں نے انتقام لینے کی غرض سے قریشیوں پر چھاپہ مارنے اور جنگ کرنے کا قصد مصمم کیا اور بہت سے مشہور غزوات وجود میں آئے، جو اسلامی جنگوں کا مقدمہ تھے۔ اسلامی جنگ عرب کی معمولی عادت کے موافق جس کے وہ زمانہ جاہلیت سے عادی تھے چھوٹی چھوٹی مہموں اور قتل وغارت سے شروع ہوکر شہروں اور ملکوں کی فتح پر تمام ہوئی۔ ان غزوات میں سب سے اہم غزوۂ بدر کبریٰ کی مہم تھی، کیوں کہ اس جنگ میں مسلمانوں کی کامیابی نے انہیں پے درپے جنگ وجدل کرتے رہنے کا شوق دلایا اور ان کے ارادوں کو قوی بنادیا۔'' (۱)

ایک دوسرا اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ ان جنگوں کے ذریعہ آپؐ لوگوں کے اندر خوف و

دہشت پیدا کرنا چاہتے تھے، تا کہ وہ مائل بہ اسلام ہوں۔ اسی وجہ سے قبول اسلام کے غیر معمولی واقعات رونما ہوئے۔ مستشرق 'ولہاوزن' نے لکھا ہے:

''وہ کیا چیز تھی جس نے اسلام میں داخلی قوت اور استحکام پیدا کر دیا تھا۔ اسلامی روایتیں اس سے بحث نہیں کرتیں۔ بلکہ وہ صرف اس طاقت کے خارجی مظاہرے کے بیان پر اکتفا کرتی ہیں۔ محمدؐ کے قیام مدینہ کے زمانے کے تمام حالات مغازی رسول اللہ کے تحت بیان ہوتے ہیں۔ مدینے کے قرب وجوار کے بعض چھوٹے چھوٹے قبائل (جہینہ، مزینہ، اسلم اور خزاعہ) کے ساتھ محمدؐ نے صلح وآشتی کا برتاؤ کیا۔ فیاضانہ غیر جانب داری نے بڑھتے بڑھتے اتحاد کی صورت اختیار کی اور بالآخر یہ سب کے سب مدنی سامراج میں داخل ہو گئے۔ لیکن باقی عرب کے ساتھ خود ان کے اصول نے انہیں محاربانہ رویہ اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ ٹھیک اسی وقت سے جب سے اسلام نے دین کو چھوڑ کر حکومت کا لباس پہن لیا، ضرورت محسوس ہوئی کہ کافروں سے جنگ کر کے اسلام کی فضیلت کا ثبوت دیں۔ اصول کی جنگ کو تلوار سے فیصل کرنا پڑا اور اللہ کی حاکمیت مطلق کا اظہار ان لوگوں پر جو اسے ماننے کے لیے تیار نہ تھے، جبر و تشدد کے ذریعہ کیا گیا۔ بجائے عیسیٰؑ کے اگر محمد (ﷺ) یہ کہتے تو زیادہ مناسب تھا کہ ''میں امن کے لیے نہیں آیا ہوں بلکہ تلوار لایا ہوں۔'' اسلام گویا بت پرستوں کے خلاف ایک مستقل اعلان جنگ کی حیثیت رکھتا ہے۔'' (۲)

عہد نبوی کی جنگوں کا تفصیلی تجزیہ کا یہ موقع نہیں ہے۔ اس وقت صرف ان جنگوں کے محرکات پر روشنی ڈالنی مقصود ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ غزوات وسرایا کے واقع ہونے سے قبل مسلمان مدینہ میں کن حالات سے دوچار تھے۔ اس سے بہ خوبی واضح ہو جائے گا کہ یہ جنگیں کیوں واقع ہوئیں اور پہل مسلمانوں نے کی یا دوسرے لوگوں نے۔

ہجرت مدینہ پر ردعمل

جن لوگوں نے آپؐ کی دعوت پر لبیک کہا اور ان کا سینہ ایمانی بصیرت سے منور ہوا، انہیں دیکھ کر کفار مکہ تلملا گئے اور ان کا جوش غضب بھڑک اٹھا اور وہ انہیں طرح طرح کی اذیتیں دینے لگے۔ خود نبی اکرمؐ کو کفار و مشرکین نے شدید تکالیف پہنچائیں، یہاں تک کہ منصوبہ

بند طریقے سے آپؐ کے قتل کا فیصلہ کرلیا۔ اسی عالم میں جب کہ کارنبوت کے ۱۲ سال گزر چکے تھے، آپؐ اور آپ کے صحابہ سخت مصائب سے گزر رہے تھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہجرت کا حکم دیا۔ اکثر اہل ایمان مال ودولت اور زمین و جائداد، عزیز واقارب اور سب کچھ چھوڑ کر بے سروسامانی کی حالت میں مدینہ آگئے۔ یہاں کے مسلمانوں نے آپؐ کا اور آپؐ کے ساتھیوں کا والہانہ استقبال کیا۔ حضورؐ کی آمد پر نہ صرف مسلمانوں کو حددرجہ خوشی ہوئی، بلکہ یہاں کے یہود یوں نے بھی خوشی کا اظہار کیا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ آپ کی مدد اور رہنمائی سے انھیں ان کے دشمنوں پر نصرت وفتح اور برتری حاصل ہوگی۔() جس وقت حضورؐ مدینہ میں داخل ہو رہے تھے، انہی دنوں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول مدینہ کا سردار بننے والا تھا، اس کی تاج پوشی کی ساری تیاری بھی ہوگئی تھی۔ لیکن حضورؐ کے مدینہ پہنچنے سے اس کا خواب چکنا چور ہوگیا اور لوگوں کی توجہ ادھر سے ہٹ کر نبیؐ پر مرکوز ہوگئی۔ اس وجہ سے وہ آپ کا دشمن بن گیا۔ بعض وجوہ سے وہ کھلے عام حضورؐ سے کچھ کہنے کی جرأت تو نہیں کرسکتا تھا، لیکن درپردہ منافقانہ رول ادا کرنے لگا۔

میثاق مدینہ کے ذریعہ مدینہ کے داخلی انتشار کا انسداد

اوس وخزرج مدینہ کے اہم قبائل تھے۔ یہ لوگ پرانی رنجش کی بنا پر باہم دست وگریباں رہتے تھے۔ اس سے کبھی کبھی مدینہ کی فضا مسموم ہوجاتی تھی۔ ادھر یہودیوں کے تین معروف قبائل: بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ یہیں بسے ہوئے تھے۔ اہل کتاب ہونے کی بنا پر وہ مدینہ میں اپنی برتری کا اظہار کرتے اور بسا اوقات یہاں کے اصل قبائل سے لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ آپؐ نے لوگوں کو اس مناقشت اور جنگ جوئی سے روکنے کے لیے نہایت حکمت عملی سے ایک میثاق تیار کیا۔ جو 'میثاق مدینہ' کہلاتا ہے۔ یہ ۵۲ دفعات پر مشتمل ہے۔ ان میں سے ۲۵؍ دفعات تو مسلمانوں سے متعلق ہیں، ۲۷ کا تعلق دوسرے مذاہب کے ماننے والوں سے ہے۔ اس میں تمام باشندگان مدینہ کے حقوق کی رعایت کی گئی اور زور دیا گیا کہ تمام قبائل اور مذاہب کے لوگ آپس میں اتحاد واتفاق سے رہیں گے، ہر ایک کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی رہے گی اور اگر کوئی بیرونی قبیلہ مدینہ پر حملہ آور ہوتا ہے یا اس کے کسی فرد کو اذیت پہنچاتا ہے تو اس کے تدارک کے لیے سب لوگ تیار رہیں گے اور ہر طرح سے اس کی مدد کریں گے۔(۲) اس میثاق کی

رو سے بہ ظاہر مدینہ ہر طرح کے داخلی و خارجی خطرات اور اندیشوں سے محفوظ ہو گیا، مگر اندرونی طور پر دشمنانِ دین اپنی تخریب کاری سے باز نہ آئے۔

قریش کی دھمکی

ادھر کفارِ مکہ کو مسلمانوں کی مضبوط پوزیشن کا علم ہوا تو ان کی دشمنی میں مزید اضافہ ہو گیا۔ انہیں اندیشہ ہوا کہ مسلمان آگے چل کر خود اہل مکہ کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے فوری کوئی بڑی کارروائی کرنے سے پہلے مدینہ کے رئیس عبداللہ بن ابی بن سلول کو ایک دھمکی بھرا خط لکھا اور زور دیا کہ تم محمد ﷺ کو ان کے صحابہ سمیت مدینہ سے نکال باہر کر دو یا ان سب کو قتل کر دو، ورنہ ہم اپنی پوری جمعیت کے ساتھ تم پر دھاوا بول دیں گے اور سب کو فنا کر دیں گے اور تمہاری عورتوں کی عزت پامال کر دیں گے۔(۴) آئے دن مسلمانوں کو نئی نئی خبریں مل رہی تھیں کہ مشرکین مکہ مدینہ پر کبھی بھی حملہ کر سکتے ہیں۔ اس خطرہ کی وجہ سے حضورؐ رات رات بھر جاگ کر گزارتے۔ ایک رات کی بے چینی کو دیکھ کر حضرت سعد بن وقاصؓ نے پہرہ دیا۔(۵) خلاصہ یہ کہ مکہ سے نکل جانے کے بعد بھی قریش نے مسلمانوں کو سکون سے رہنے نہ دیا۔ جب تک انہوں نے کوئی بڑی فوجی کارروائی نہ کی وہ مسلمانوں کو اپنے تفوق کی بنا پر ڈراتے دھمکاتے اور افواہوں کے زور پر ہراساں کیے رہے۔

اردگرد کے قبائل میں قریش مکہ کی پوزیشن مستحکم تھی

قریش مکہ کو خانہ کعبہ کی تولیت کی وجہ سے سارے عرب میں تفوق حاصل تھا اور وہ لوگ قریش کا احترام کرتے تھے۔ اگر قریش مکہ کسی بھی وقت مسلمانوں پر حملہ کرتے تو اردگرد کے قبائل ان کا ساتھ دیتے۔ نیز قریش مکہ کے تجارتی سفر میں جو قبائل راستے میں پڑتے تھے ان سے ان کے تعلقات مستحکم تھے۔ اور وہ ان کی آواز پر ان کا ساتھ دیتے، جب کہ مسلمانوں کا کوئی معاون اور مددگار نہ تھا سوائے اوس و خزرج کے، مگر ان کی تعداد بہت کم تھی اور وہ اپنے اندرونی اختلاف میں الجھے ہوئے تھے۔ ان کے تعلقات بھی قرب و جوار کے قبائل سے بہت کم تھے۔ ان حالات میں اللہ کے رسولؐ نے اردگرد کے قبائل میں اپنے آدمیوں کو بھیجنا شروع کیا، تاکہ ایک طرف

قریش مکہ کی فوجی کارروائیوں کی خبر قبل از وقت ملتی رہے، دوسرے ان قبائل سے قربت بڑھتی رہے اور انہیں بھی معاہدے میں شامل کیا جاسکے۔

زیارت خانہ کعبہ کے لیے مسلمانوں پر پابندی

ہجرت کے کچھ ماہ بعد حضرت سعد بن معاذؓ عمرہ کی نیت سے مکہ گئے اور اپنے دوست وحلیف امیہ بن خلف کے یہاں ٹھہرے۔ ایک دن اس کے ساتھ طواف کعبہ کے لیے نکلے۔ راستے میں ابوجہل سے ملاقات ہوگئی۔ ابوجہل نے امیہ سے پوچھا: یہ شخص کون ہے؟ اس نے کہا: یہ سعدؓ ہیں۔ اس پر ابوجہل نے سخت لہجے میں کہا کہ تم نے 'بددین' کو اپنے یہاں پناہ دے رکھی ہے۔ مجھے یہ پسند نہیں کہ مسلمان خانہ کعبہ کا طواف کریں۔ پھر حضرت سعدؓ کو مخاطب کر کے کہا: بہ خدا اگر تم امیہ کے ساتھ نہ ہوتے تو یہاں سے بچ کر نہیں جاسکتے تھے۔ اس پر حضرت سعدؓ نے کہا: اگر تم نے ہمیں زیارت خانہ کعبہ سے روکا تو ہم تمہارا راستہ روک دیں گے۔ مطلب یہ تھا کہ شام کے تجارتی سفر کے لیے تمہیں ہمارے علاقے سے ہی گزرنا ہوگا۔ ہم تمہارا وہ راستہ روک دیں گے۔ اس واقعہ سے مسلمانوں پر واضح ہوگیا کہ اب ان کے لیے خانہ کعبہ کے دروازے بند ہوگئے اور وہ آئندہ حج کی سعادت سے محروم رہیں گے۔

مسلمانوں کے لیے مدافعانہ جنگ کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا

اہل مکہ آپ کے دشمن تھے ہی، ان کی شہ پر قرب وجوار کے لوگ بھی آپ کے دشمن ہوگئے۔ عبداللہ بن ابی کے منصوبہ کی تکمیل نہ ہونے کی بنا پر وہ بھی آپ کا دشمن بن گیا تھا۔ پھر جب قریش مکہ کی شہ ملی تو اس کی عداوت اور زیادہ بڑھ گئی۔ یہودیوں نے بلاوجہ آپ کو اپنا دشمن سمجھ لیا۔

اب وہ وقت آگیا تھا کہ مسلمانوں کے ہاتھ کھول دیے جائیں اور انہیں حکم دیا جائے کہ جو لوگ انھیں ختم کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور ان کے وجود کو فنا کرنے پر کمربستہ ہیں، ان کا مقابلہ کریں۔ وہ مظلوم ہیں اللہ ان کی مدد کرے گا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَٰتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا۟ ۚ وَإِنَّ ٱللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿٣٩﴾ ٱلَّذِينَ أُخْرِجُوا۟ مِن دِيَٰرِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّآ أَن

يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ﴾ (الحج:۳۹-۴۰)

"اجازت دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے، کیوں کہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیے گئے، صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے: ہمارا رب اللہ ہے۔"

اس آیت میں صاف کہا گیا کہ ان لوگوں کو یوں ہی جنگ کی اجازت نہیں دی جا رہی ہے اور بلا وجہ نبیؐ لوگوں سے جنگ نہیں لڑ رہے ہیں، بلکہ یہ مظلوم ہیں، انہیں ستایا گیا، گھروں سے نکالا گیا اور سکون سے رہنے نہیں دیا گیا، اس لیے اپنے دفاع میں یہ اقدام کر رہے ہیں۔

اس کے باوجود نبیؐ اس بات کے خواہاں تھے کہ دونوں فریقوں کے درمیان جنگ کی نوبت نہ آئے۔ چنانچہ اسی غرض کے لیے قرب وجوار کے علاقوں میں وفود روانہ کیے، تاکہ قریش مکہ اپنی تجارت کا خطرہ محسوس کر کے مسلمانوں سے صلح کا ہاتھ بڑھائیں۔ ان وفود کا مقصد لوٹ مار اور ڈاکہ زنی نہیں تھا۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

> "غرض ان حالات کی بنا پر غزوۂ بدر سے پہلے سو سو پچاس کی ٹکڑیاں مکہ کی طرف روانہ کی جانے لگیں۔ ابواء کی مہم سے پہلے بذات خاص آپؐ نے کسی مہم میں شرکت نہیں کی۔ اس ابواء کی مہم سے پہلے جو صفر ۲ ھ میں واقع ہوئی اور جس میں آپ نے خود شرکت فرمائی تھی۔ ارباب سیر نے تین مہموں کا ذکر کیا ہے، جن کو ان کی زبان میں 'سریہ' کہتے ہیں۔ سریۂ حمزہ، سریۂ عبیدہ بن حارث، سریۂ سعد بن ابی وقاص۔ لیکن ان میں سے کسی مہم میں کوئی کشت وخون نہیں ہوا، یا تو بیچ بچاؤ ہو گیا یا بچ کر نکل گئے۔ ارباب سیر نے ان سرایا کا مقصد یہ بتایا ہے کہ یہ قریش کے تجارتی قافلہ کو چھیڑنے کے لیے بھیجے جاتے تھے۔ یعنی حضرت سعدؓ کی تہدید کے مطابق ان کی شامی تجارت کو بند کرنا مقصود تھا۔ مخالفین کہتے ہیں کہ صحابہ کو غارت گری کی تعلیم دی جاتی تھی۔ لیکن یہ الزام کس قدر جہالت پر مبنی ہے کہ اول تو اسلام کی شریعت میں یہ سخت تر گناہ ہے، ثانیاً واقعہ کیا بتاتا ہے؟ کیا ان میں سے کسی مہم میں بھی یہ مذکور ہے کہ صحابہ نے قافلہ کا مال لوٹ لیا؟ ثالثاً اگر ان سرایا کا مقصد لوٹنا اور ڈاکہ ڈالنا ہی ہوتا تھا تو قریش کے قافلہ تجارت کے سوا یہ مقصد کہیں اور نہیں حاصل ہو سکتا تھا؟" (٦)

کون نہیں جانتا کہ عرب کی سرزمین برسہا برس سے غیر مامون تھی اور ان کے درمیان قتل وخوں ریزی کا لامتناہی سلسلہ جاری تھا۔لیکن حضورؐ کی بعثت کے صرف ۲۰ رسال بعد فتح مکہ کے ساتھ ہی پورے عرب میں امن وامان کی فضا طاری ہوگئی۔اسی کے حصول کے لیے تو نبیؐ نے اتنی مصیبتیں اور مشقتیں برداشت کی تھیں۔ یہ مقصد آپ کو اقدامی جنگ کے ذریعہ نہیں بلکہ دفاعی جنگ کے ذریعہ حاصل ہوا۔ جنگ بدر تا جنگ احزاب ساری جنگیں مدافعانہ تھیں۔ یہ جنگیں یا تو مدینے کے قریب لڑی گئیں یا مکہ و مدینہ کے درمیانی مقام پر۔ مقام جنگ اس بات کے ثبوت ہیں کہ حملہ آور مشرکین تھے، جو اسلام کو مٹانے کے ارادے سے آئے تھے۔ مدافعت کا حق دنیا کا ہر قانون تسلیم کرتا ہے۔خود عیسائی کتب مقدسہ اس حق سے انکار نہیں کرتیں۔ عہد نامۂ قدیم کی رو سے فیصلہ کیا جائے تو پورا مشرک عرب گردن زدنی قرار پائے گا اور مسلمانوں کو مدافعت کا پورا پورا استحقاق میسر تھا۔(۷)

قریش مکہ کی جانب سے حملہ کی پہل

غزوۂ بدر سے پہلے رسول اللہؐ نے جو سرایا روانہ کیے، ان میں سے کسی بھی سریہ میں قریش مکہ سے مڈبھیڑ نہیں ہوئی۔ البتہ ان کا ایک مفید نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ آپؐ کے ذریعے مختلف قبائل کے درمیان عہد وپیمان ہوئے کہ یا تو وہ آپ کا ساتھ دیں گے، یا پھر غیر جانب دار رہیں گے۔اس سے قریش مکہ اپنے لیے خطرہ محسوس کرنے لگے۔ اسی بوکھلاہٹ میں کرز بن جابر فہری نے مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کردیا اور مدینہ والوں کے مویشیوں کو بھگا لے گیا۔اس نازیبا حرکت کے ذریعہ قریش مکہ مسلمانوں کو یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ ہم تین سو میل دور رہنے کے باوجود تمہارے گھروں سے مویشی بھگا لے جاسکتے ہیں، تو پھر تم پر کسی بھی وقت حملہ کرنے کی طاقت بھی رکھتے ہیں، مسلمانوں نے ان قریشی لٹیروں کا دور تک تعاقب کیا، مگر وہ بچ کر نکل گئے۔(۸)

قریش کی جنگی کارروائیوں کا پتہ لگانا

حضور اکرمؐ حالات کے پیش نظر چند افراد پر مشتمل قافلہ کو ادھر اُدھر بھیجا کرتے تھے، تاکہ قریش مکہ کی کارروائی کی خبر قبل از وقت ملتی رہے۔اسی غرض کے لیے آپؐ نے ایک مختصر دستہ

عبداللہ بن جحش کی قیادت میں ہجرت کے ۱۷ ماہ بعد ماہ رجب میں روانہ کیا۔

یہ دستہ مکہ کے بالکل قریب پہنچ گیا تھا جہاں سے قریش مکہ کی کارروائیوں سے آگاہی حاصل کی جاسکتی تھی۔ اسی مقام پر قریش کے ایک تجارتی قافلہ سے مسلمانوں کا آمنا سامنا ہوگیا۔ اب ان کے لیے مقابلہ کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ یہ رجب کی آخری تاریخ تھی جو اشہر حرم میں شامل ہے اور اس میں جنگ ممنوع ہے۔ آپسی ردوقدح کے بعد یہ بات طے پائی کہ ان پر حملہ کیا جائے۔ اس جھڑپ میں قریش کا ایک آدمی مارا گیا۔ کچھ بھاگ نکلے، دو کو مسلمانوں نے گرفتار کرلیا اور ان کے سامان پر قبضہ کر کے کامیاب و کامران مدینہ لوٹے۔ کہا جاسکتا ہے کہ یہ مسلمانوں کی طرف سے کرز بن جابر فہری کے حملے کا جواب تھا۔ جب یہ لوگ مدینہ پہنچے اور قیدیوں اور مال غنیمت کو رسول اللہؐ کے سامنے پیش کیا تو آپؐ نے سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا کہ ہم نے تمہیں حملہ کرنے کی اجازت تو نہیں دی تھی؟(۹) اس حملے پر مشرکین نے بھی واویلا مچایا اور ہر طرف سے سوال ہونے لگے کہ مسلمانوں نے حرام مہینے کی حرمت پامال کی ہے۔ اس پر سورۂ بقرہ کی آیت ۲۱۷ نازل ہوئی، جس میں فرمایا گیا کہ قریش کی زیادتیوں کے سامنے یہ واقعہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

غزوۂ بدر کے اسباب

غزوۂ بدر سے ایک مہینہ قبل خود حضورؐ ڈیڑھ یا دو سو صحابہ کو ساتھ لے کر مقام 'ذی عسیرہ' تک گئے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ آپ کے سراغ رساں دستہ نے آپ کو اطلاع دی کہ قریش کی ایک جماعت قریش کا مال تجارت لے کر شام کے لیے مکہ سے روانہ ہو چکی ہے۔ مگر جب حضورؐ مقام مذکور پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ قافلہ وہاں سے گزر چکا ہے۔ یہیں سے اسلامی تاریخ میں غزوات کا ایک نیا باب شروع ہوتا ہے۔ بیش تر مورخین اور اصحاب سیر لکھتے ہیں کہ جب مذکورہ قافلہ واپس آرہا تھا، جو اپنے ساتھ کثیر منافع اور مال و دولت رکھتا تھا تو اس کے تعاقب کے لیے رسولؐ دوبارہ نکلے، جس کے نتیجے میں جنگ بدر واقع ہوئی۔ اس قافلہ کا سردار ابوسفیان تھا اور ان کے ساتھ قریش کے دیگر بڑے سردار بھی تھے۔ غور طلب بات ہے کہ کیا قریش مکہ نخلہ کے حملہ سے بے خبر تھے؟ کیا انہیں اندازہ نہیں تھا کہ مال و دولت سے بھرے اس قافلہ کو نبیؐ اور آپ کے

اصحاب روکنے کی کوشش کریں گے؟ انہوں نے مسلمانوں کے ارادے کا پوری طرح اندازہ کر لینے کے بعد ہی یہ سفر اختیار کیا ہوگا۔ قریش کا یہ قافلہ جاتے ہوئے مسلمان کی گرفت سے بچ نکلا، مگر واپسی کے وقت اسے یقین تھا کہ اب کی بار ضرور مسلمانوں سے سامنا ہوگا۔ اس لیے ابوسفیان نے پہلے ہی مکہ خبر بھجوادی کہ ہمارا قافلہ خطروں میں گھر چکا ہے، ہماری مدد کے لیے پوری تیاری کے ساتھ پہنچو۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگ کی تیاری قریش مکہ نے پہلے سے ہی شروع کردی تھی۔ فوجی قوت کی فراہمی اور نقل وحرکت کے انتظامات کے لیے درکار وقت کو بھی اس میں شریک کرلیا جائے تو منصوبہ ایسے وقت تیار کیا گیا جب ابوسفیان کا قافلہ ابھی شام سے روانہ بھی نہ ہوا تھا۔ (۱۰) تاہم نبیؐ نے اپنی اس کارروائی کو اپنے صحابہ کے لیے بہت زیادہ ضروری نہیں سمجھا کہ اس میں شرکت سب کے لیے لازمی ہو۔ جیسا کہ امام بخاریؒ نے صراحت کی ہے۔ (۱۱) اس کی تائید سیرۃ النبیؐ ابن ہشام کے مندرجہ ذیل اقتباس سے بھی ہوتی ہے:

> ''لوگوں نے آپ کی ترغیب کا اثر قبول کیا اور بعض تو فوراً اٹھ کھڑے ہوئے، البتہ بعض نے سستی کی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے خیال کیا کہ رسولؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ جنگ درپیش ہے۔'' (۱۲)

چنانچہ اللہ کے رسولؐ نے چند سواری اور معمولی جنگی اسلحہ کو جمع کیا اور ۳۱۳ صحابہ کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور مقام بدر پر پہنچ کر مکی فوج اور قافلہ کا انتظار کرنے لگے۔ ادھر ابوسفیان کی طرف سے خبر ملتے ہی سارا مکہ اس کی مدد کو نکل پڑا۔ یہ دستہ ایک ہزار نفوس پر مشتمل اور پوری طرح آلات حرب سے لیس تھا۔ اچانک تیاری میں اتنا ساز وسامان اور اتنی تنظیم نہیں ہوسکتی۔ اس لیے لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ پہلے سے ہی اس کی تیاری کررہے تھے۔ البتہ بعد میں اس کارروائی کو قافلہ کی حفاظت کا نام دیا گیا۔

جب حضورؐ بدر کے مقام پر پہنچے تو ابوسفیان کا قافلہ راستہ بدل کر وہاں سے نکل چکا تھا۔ اس قافلہ کے بچ نکلنے کی خبر قریش کے اس دستہ ہوگئی تھی، جو اس کی مدد کے لیے آرہا تھا۔ اب مسلمانوں سے لڑنے کی کوئی وجہ نہیں تھی، چنانچہ بعض لوگوں نے سپہ سالار ابوجہل سے کہا کہ چوں کہ ہمارے آدمی اور اموال محفوظ ہیں، ابوسفیان بچ کر مکہ کی طرف روانہ ہوچکا ہے، اس لیے اب جنگ کی

کوئی ضرورت نہیں، مگر ابوجہل نے ان لوگوں کی بات نہ مانی اور آمادۂ جنگ رہا۔

دوسری طرف مسلمان کسی بڑی جنگ کی نیت سے نہیں آئے تھے، اس لیے حضورؐ نے اس نازک وقت میں صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے۔ مہاجرین اور انصار سب نے بیک زبان کہا کہ ان کا مقابلہ کیا جائے، ہم لوگ آپ کے ساتھ ہیں۔ اس پر اللہ کے رسولؐ نے فرمایا:

> ''چلو اور خوش ہو جاؤ کہ اللہ نے مجھ سے دونوں گروہوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا ہے۔ واللہ اس وقت گویا میں بے شبہ ان لوگوں کے پچھڑنے کے مقامات دیکھ رہا ہوں۔'' (۱۳)

۳۱۳ اور ۱۰۰۰ ہزار کا کیا مقابلہ، وہ بھی اس حال میں کہ مسلمانوں کے پاس جنگی اسلحہ بھی فریق مخالف کے مقابلے میں بہت کم تھا۔ لیکن چونکہ یہ حق و باطل کا پہلا معرکہ تھا، اس لیے ان کے حوصلے بلند تھے۔ انھوں نے یہ جنگ ذاتی مفاد اور مال و دولت کے لالچ میں نہیں کی تھی بلکہ اللہ کی رضا اور اس کے دین کو دنیا میں غالب و نافذ کرنے کے لیے کی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نصرت و مدد فرمائی۔ قریش مکہ شکست سے دوچار ہوئے اور مسلمانوں کو کامیابی اور سرخروئی حاصل ہوئی۔

ابوسفیان کے ذریعے مسلمانوں پر دوبارہ حملہ

قریش مکہ اب بھی سکون سے نہ بیٹھے اور انھوں نے بدر کی شکست کا بدلہ لینے کی ٹھان لی۔ یہاں تک کہ ابوسفیان نے قسم کھائی کہ جب تک محمدؐ سے فیصلہ کن جنگ نہ کرلوں گا اس وقت تک جنابت کے لیے پانی کو ہاتھ نہ لگاؤں گا۔ اپنی قسم کو پوری کرنے کے لیے دوسو سواروں کو ساتھ لیا اور مدینہ کے قریب ایک پہاڑی کے دامن میں اترا۔ اپنے لشکر کو اس نے وہیں ٹھہرایا اور خود رات کی تاریکی میں مدینہ کے یہودی سلام بن مشکم کے پاس گیا۔ اس نے اسے مہمان بنایا اور مسلمانوں کے رازوں کی خبر دی۔ پھر وہ رات کے آخری حصے میں پو پھٹنے سے قبل ہی وہاں سے نکل گیا۔ جاتے جاتے مدینہ کے ایک کنارے 'عریض' کے مقام پر واقع ایک نخلستان میں آگ لگا دی اور ایک انصاری سعد بن عمرو اور ان کے حلیف کو کھیت میں تنہا پا کر قتل کر دیا۔ حضورؐ کو اس حملہ کی خبر ہوئی تو چند صحابہ کو اس کے پیچھے دوڑایا، مگر اس کو گرفتار کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ (۱۴)

اس حملہ کے ذریعہ ابوسفیان ؓ نے اپنی قسم تو پوری کر لی، مگر خواہ مخواہ مسلمانوں کو مجبور کر دیا کہ تم بھی قریش پر حملہ کرو۔

بنوقینقاع کی معاہدہ شکنی اور اس کا انجام

مدینہ میں آباد یہودیوں کا ایک قبیلہ بنوقینقاع تھا۔ مسلمانوں کو غزوۂ بدر میں شان دار کامیابی ملی تو گویا ان کے سینے پر سانپ لوٹنے لگے۔ سب سے پہلے انہوں نے ہی عہد شکنی کی، اس پر اللہ کے رسولؐ نے انھیں سمجھایا، مگر انھوں نے پلٹ کر جواب دیا:

> ''اس دھوکے میں نہ رہنا کہ ہم بھی تمہاری قوم کی طرح ہیں۔ ان لوگوں کو جنگ کے متعلق کچھ معلوم نہ تھا، اس لیے ان پر قابو پالیا۔ ہم سے جنگ کرو گے تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم خاص قسم کے لوگ ہیں۔'' (۱۵)

ایک دن خود اپنی بد باطنی کی وجہ سے انھوں نے اس کا موقع بھی فراہم کر دیا کہ ان پر سختی کی جائے اور انہیں کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ ہوا یہ کہ ایک مسلمان عورت کچھ سامان خریدنے کی غرض سے ان کے ایک دکاندار کے یہاں گئی۔ دکاندار نے اس کے ساتھ شرارت کی۔ خاتون نے اپنی مدد کے لیے آواز لگائی، اس پر ایک مسلمان نے دکان دار کا قتل کر دیا۔ یہودیوں نے اس مسلمان کو شہید کر دیا۔ اس پر فضا کشیدہ ہوگئی۔ مقتول مسلمان کے اقربا اور ان کے حلیف بگڑے تو پوری آبادی مسلم آبادی پر ٹوٹ پڑی۔ اس فساد کو ختم کرنے کے لیے بنوقینقاع کے خلاف تادیبی کارروائی کی گئی۔ ان کا محاصرہ کیا گیا۔ باہر سے کوئی ان کی مدد کو نہ پہنچا تو انہوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ اس وقت منافق عبداللہ بن ابی درمیان میں آ گیا اور نبیؐ سے درخواست کی کہ میرے حلیفوں کے ساتھ رحم کا معاملہ کیجیے۔ آپؐ نے ان کی جان بخشی تو کر دی، مگر حکم دیا کہ وہ مدینہ چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں۔ (۱۶)

غزوۂ احد

ابوسفیان غزوۂ بدر کا بدلہ لینے کی مسلسل تیاری کرتا رہا۔ اس کے ساتھ بعض دوسرے سردار بھی قریش کے اعیان و اشراف کے پاس پہنچتے اور انہیں آمادہ کرتے کہ مسلمانوں سے بدلہ

بڑی جنگ لڑنے میں ہماری ہر طرح سے مدد کریں، یہاں تک کہ پورا مکہ ایک فیصلہ کن جنگ میں حصہ لینے کے لیے تیار ہو گیا۔ قریش کے بڑے بڑے سرداروں کی خواتین نے بھی اس جنگ میں حصہ لیا۔ جب تین ہزار کا لشکر جرار تمام سازوں کے ساتھ تیار ہو گیا تو منزل بہ منزل کوچ کرتا ہوا آگے بڑھا اور 'جبل احد' کے قریب مقام پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔

حضورؐ کو اتنی بڑی فوج کے ساتھ قریش مکہ کے حملے کی خبر ملی تو آپؐ نے صحابہ کو بلا کر مشورہ کیا۔ ان کی اکثریت اس رائے پر متفق ہوئی کہ مدینہ سے نکل کر مقابلہ کرنا چاہیے۔ ایک ہزار کا اسلامی لشکر تیار ہو کر نبیؐ کے گرد جمع ہو گیا۔ جب یہ لشکر مدینہ سے نکل کر مدینہ سے تھوڑی دور پہنچا تو عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ہم خیال لوگوں کو لے کر مسلمانوں سے الگ ہو گیا اور جنگ میں شرکت سے منع کر دیا۔ نبیؐ سات سو صحابہ کو لے کر احد کی گھاٹی میں پہنچے اور وہیں ٹھہر گئے۔ آپؐ نے مدینہ کو سامنے اور احد کو پشت پر رکھ کر صفوں کو مرتب کیا۔ اسلامی لشکر کو حملہ کرنے سے قبل یہ تاکید بھی کر دی کہ تمھیں جن مقامات پر متعین کیا گیا ہے ان پر جمے رہنا اور پشت کی جانب سے ہماری حفاظت کرنا۔ اگر ہمیں قتل ہوتا ہوا بھی دیکھو تو ہماری مدد کے لیے نہ آنا اور اگر غنیمت حاصل کرتے ہوئے دیکھو تو بھی اس میں شریک نہ ہونا۔ (۱۷)

جنگ کا آغاز ہوا تو پہلے ہی وہلہ میں دشمن کی فوج پر افسردگی چھانے لگی اور اس کے بڑے بڑے سورما یکے بعد مارے جانے لگے۔ قریب تھا کہ مسلمانوں کو اس جنگ میں کامیابی مل جاتی، مگر بعض مسلمانوں کی غلط فہمی اور جلد بازی سے جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ انھوں نے اس درہ کو چھوڑ دیا جس پر جمے رہنے کی حضورؐ نے تاکید کی تھی۔ دشمن نے پلٹ کر حملہ کر دیا، جس کی بنا پر اس جنگ میں ستر صحابہ شہید ہوئے اور تقریباً ۲۵ آدمی کافروں کے مارے گئے۔

مدینہ سے بنو نضیر کا اخراج

یہود کا دوسرا بڑا قبیلہ بنو نضیر تھا۔ یہ بھی مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے۔ ایک موقع پر آپؐ ان کے پاس گئے۔ انھوں نے آپؐ کو عزت و احترام سے بٹھایا، لیکن خفیہ طریقے سے اپنے آدمیوں کو چھت پر بھیج دیا تاکہ اوپر سے آپؐ پر بھاری پتھر گرا دیں اور نعوذ باللہ آپؐ کا کام تمام ہو جائے۔ لیکن حضورؐ کو بروقت ان کی سازش کا علم ہو گیا اور بغیر کسی کو بتائے وہاں سے چلے آئے۔ اس جرم کے نتیجہ میں حضورؐ نے بنو نضیر کو حکم دیا کہ دس دن کے اندر مدینہ چھوڑ کر

چلے جائیں۔ بنو نضیر نے مدینہ چھوڑنے کی تیاری شروع کر دی، لیکن عبداللہ بن ابی اور اس کے ہم خیال ساتھیوں نے ان کی ڈھارس بندھائی کہ تم کو یہاں سے جانے کی ضرورت نہیں، تم ڈٹے رہو۔ ہم تمھاری مدد کے لیے ہر طرح سے تیار ہیں۔ اس پر بنو نضیر کے سردار حی بن اخطب نے حضورؐ کے پاس جوابی خبر بھجوائی کہ ہم یہاں سے ہرگز نہیں جائیں گے، آپ کو جو کرنا ہے کر لیں۔ حضورؐ نے محاصرہ کر لیا۔ جب یہودیوں پر معاملہ کی سنگینی ظاہر ہوئی کہ ہم بے موت مارے جائیں گے، عبداللہ بن ابی بھی مدد کو نہیں پہنچ رہا ہے اور بنو قریظہ کے لوگ بھی جو ہمارے ہم نوا اور حلیف ہیں مدد کو آرہے ہیں، تو وہ سرنگوں ہو گئے اور ہتھیار ڈال دیے۔ رسولؐ نے اب بھی وہی بات کہی کہ تم مدینہ چھوڑ کر چلے جاؤ، جاتے ہوئے سوائے ہتھیاروں کے جتنا سامان لے جاسکتے ہو لے جاؤ۔ چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ یہ لوگ یہاں سے نکلے تو کچھ لوگوں نے خیبر اور کچھ لوگوں نے شام کا راستہ اختیار کیا۔ (۱۸)

غزوۂ خندق میں قریش اور ان کے اتحادیوں کی شکست

بنو نضیر جلا وطن ہو کر خیبر میں آباد ہو گئے تھے، وہ مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لیے منصوبہ بند کوشش کرنے لگے انھوں نے قریش مکہ کو ہر طرح کا تعاون دینے کا یقین دلایا۔ یہاں تک کہ ایک فیصلہ کن جنگ کرنے پر انہیں آمادہ کر لیا۔ یہودیوں نے غطفان اور دیگر اسلام دشمن قبائل کی شرکت کو اس جنگ میں یقینی بنانے کے لیے معاہدے کیے۔ (۱۹)

حضورؐ کو متحدہ محاذ کی خبر ملی تو آپ نے اس کا مقابلہ کرنے کے لیے صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ اس موقع پر حضرت سلمان فارسیؓ نے مشورہ دیا کہ اسلام دشمن طاقت کا مقابلہ کھلے میدان میں کرنے کے بجائے خندق کھود کر کیا جائے۔ اس نئے عجمی طریقہ جنگ کو سب لوگوں نے پسند کیا اور ایک لمبی خندق کھود لی گئی۔ خندق کھودنے میں آپؐ بھی بہ نفس نفیس شریک رہے۔ یہ خندق دشمنوں کی اس بڑی تعداد کے سامنے مدینہ کی حفاظت کے لیے اگرچہ ناکافی تھی، لیکن مسلمانوں کے لیے اس نے ڈھال کا کام دیا۔ جب دشمن کی فوج قریب آگئی تو آپ نے عورتوں کو محفوظ مقام پر بھیج دیا اور ان کی نگرانی کے لیے دو سو صحابہ کو مامور کر دیا کہ اندرونی فتنے سے یہ لوگ محفوظ رہیں پھر ۳۰۰۰ ہزار افراد پر مشتمل فوج کو لے کر آگے بڑھے اور 'سلع' کی پہاڑی کو پشت پر رکھ

کر صف آرا ہو گئے۔ کئی دنوں تک فوج آمنے سامنے رہی مگر مقابلہ آرائی کی نوبت نہ آئی۔ چھوٹی موٹی جھڑپیں ہوتی رہیں، وہ بھی شام ہوتے رک جاتیں۔ اس دوران خاص طور سے مسلمانوں کو خورد ونوش کی کمی لاحق ہونے لگی۔ ٹھنڈک کی وجہ سے مسلمان بے حال ہو رہے تھے۔ بڑی بے چینی کا عالم تھا۔ مسلمانوں کے اس کرب کا ذکر سورہ احزاب میں موجود ہے۔

ادھر بنی قریظہ نے مسلمانوں سے کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا اور قریش کے ساتھ ہو گئے۔ اب گویا ایک طرح سے دشمنوں نے مدینہ کو گھیر لیا تھا۔ چنانچہ آپ نے اعلیٰ جنگی حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے حضرت نعیم بن مسعودؓ کو جن کا ایمان ابھی لوگوں پر ظاہر نہ ہوا تھا، قریش اور یہودیوں کے علاوہ قبیلہ غطفان کے درمیان بھیجا تا کہ وہ اپنی گفتگو سے ان کو ایک دوسرے کا مخالف بنا دیں۔ حضورؐ کی یہ ترکیب کارگر ہوئی اور حملہ آور گروہ کے اندر انتشار پیدا ہو گیا اور ان کے حوصلے پست ہونے لگے۔ اسی دوران میں ایک رات اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسی خوف ناک آندھی بھیجی کہ دشمن کے خیمے اڑ گئے اور ان کا سامان تتر بتر ہو گیا۔ اب ان کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ یہاں سے راہ فرار اختیار کریں۔ اس طرح مسلمانوں کو اس اعصابی جنگ میں کامیابی ملی۔ اسی کے ساتھ ان گروپوں کا بھی بھانڈا پھوٹ گیا جو اب تک خفیہ طور سے مسلمانوں کے دشمن بنے ہوئے تھے۔

بنی قریظہ کی غداری کا انجام

بنی قریظہ غزوۂ خندق تک مسلمانوں کے معاہد اور حلیف تھے، لیکن عین لڑائی کے وقت انھوں نے غداری کی قریش کا ساتھ دیا۔ مسلمانوں پر غیر معمولی اثر ہوا اور محاصرہ کی طوالت اور سختی کی بنا پر وہ مجبور ہوئے کہ ہتھیار ڈال دیں۔ اس موقع پر انہوں نے ہی یہ تجویز رکھی کہ سعد بن معاذؓ ان کے حق میں جو فیصلہ کریں گے، وہ انھیں منظور ہوگا۔ انہوں نے بنی قریظہ کے جرم کی سنگینی کو دیکھتے ہوئے اور توریت کی تعلیمات کے مطابق فیصلہ سنایا کہ قابل جنگ مردوں کو قتل کر دیا جائے، ان کے اموال بانٹ دیے جائیں اور بچوں کو قید کر لیا جائے۔ (۲۰)

صلح حدیبیہ فتح مبین

اعدائے اسلام، اپنی منظم کوشش کے باوجود غزوۂ خندق میں مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ اب قریش مکہ کے اندر آگے بڑھ کر مسلمانوں سے نبرد آزمائی کی سکت نہ رہی اور بہ ظاہر وہ کوئی بڑی جنگ برپا کرنے کی پوزیشن میں نہ رہے۔ اس طرح مسلمانوں کی پوزیشن بڑی حد تک مستحکم ہوگئی۔ انہی دنوں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو خواب میں اطلاع دی کہ عنقریب آپ اپنے اصحاب سمیت مکہ میں داخل ہوں گے اور مراسم حج ادا کریں گے۔ جب آپؐ نے اس اطلاع غیبی کا تذکرہ اپنے صحابہ سے کیا تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ آپؐ نے مدینہ کے اردگرد کے قبائل میں جو مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے، خبر بھجوادی کہ ہم عمرہ کے ارادہ سے نکل رہے ہیں۔ جو میرے ساتھ چلنا چاہے، تیار ہو جائے۔ اس اعلان کے نتیجے میں بہت سے لوگ تیار ہو گئے۔ چنانچہ آپ عمرہ کی غرض سے اپنے چودہ سو صحابہ کو ساتھ لے کر یکم ذی قعدہ ۶ ھ کو مدینہ سے نکلے۔ آپ نے تلوار کے علاوہ کوئی جنگی سامان نہ لیا، تلوار بھی نیام میں تھی۔ یہی حکم دوسرے لوگوں کے لیے بھی تھا۔ اندیشہ تھا کہ کہیں قریش مسلمانوں کو دیکھ کر جنگ کے لیے سامنے نہ آ جائیں، یا بیت اللہ میں جانے سے روک نہ دیں۔ اس لیے آپؐ نے ظاہری علامت کے طور پر قربانی کے جانوروں کو ساتھ رکھا اور احرام باندھ لیا۔ یہاں تک کہ آپؐ حدیبیہ پہنچ گئے۔ (۲۱)

قریش کو مسلمانوں کی آمد کی خبر ملی تو انہیں بہت شاق گزرا۔ دقت یہ تھی کہ زیارت بیت اللہ سے کسی کو روکا نہیں جا سکتا۔ نیز ماہ حرام میں جنگ وقتال ممنوع ہے۔ دوسری طرف اگر وہ مسلمانوں کو خانۂ کعبہ کی زیارت کر لینے دیتے، تو اس کے معنی یہ لیے جاتے کہ قریش میں اب اتنی بھی طاقت نہ رہی کہ وہ اپنے دیرینہ دشمن کو زیارت کعبہ سے روک سکیں۔ چنانچہ قریش مکہ نے بڑے غور وفکر کے بعد آخری فیصلہ یہی کیا کہ جس طرح بھی ہو سکے آپؐ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے، جب کہ حضورؐ چاہتے تھے کہ جنگ کی نوبت نہ آنے پائے۔ (الفتح: ۲۶) اس لیے دونوں طرف سے وفود آنے جانے لگے۔ بالآخر دونوں فریقوں کے درمیان صلح ہوئی، اس کی اہم دفعات درج ذیل تھیں:

۱۔ فریقین دس سال تک جنگ نہ کریں گے۔ اس اثنا میں لوگ امن کی زندگی بسر کریں گے۔

۲۔ اس سال مسلمان واپس چلے جائیں، اگلے سال آئیں تو تین روز مکہ میں قیام کریں گے، تلوار نیام میں ہوگی، اس کے سوا کوئی اور ہتھیار نہیں ہوگا۔

۳۔ محمد (ﷺ) کے ساتھیوں میں جو شخص حج، عمرہ یا تجارت کے لیے مکہ آئے گا، وہ قریش کی امان میں ہوگا اور قریش کا کوئی فرد مصر یا شام بہ غرض تجارت جاتے ہوئے مدینہ سے گزرے تو اس کی جان و مال کو تحفظ حاصل ہوگا۔

۴۔ اگر قریش کا کوئی فرد اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر مدینہ چلا جائے تو محمدؐ اسے واپس کرنے کے ذمہ دار ہوں گے، لیکن ان کے ساتھیوں میں سے اگر کوئی بھاگ کر مکہ آتا ہے تو اہل مکہ اسے واپس نہیں کریں گے۔

۵۔ اہل عرب فریقین میں سے جس کے ساتھ معاہدہ کرنا چاہیں، کر سکتے ہیں۔ (۲۲)

حضورؐ نے صلح کے بعد حدیبیہ میں ہی قربانی کے جانور ذبح کیے اور سر کے بال منڈوائے۔ قرآن کریم نے اس صلح کو فتح مبین قرار دیا۔ آپ خانہ کعبہ کی زیارت کیے بغیر مدینہ واپس آ گئے۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ صلح کے لیے فریقین کی جانب سے جب سفیر آنے جانے لگے تو مسلمانوں نے قریش کے کسی سفیر کے ساتھ کسی طرح کی کوئی زیادتی نہیں کی۔ جب کہ مسلمانوں کے نمائندے قریش کے پاس جاتے تو انہیں پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔ حضرت عثمانؓ کو مختصر وقت کے لیے نظر بند کر دیا گیا اور خبر مشہور کر دی گئی کہ وہ قتل کر دیے گئے ہیں۔ جب یہ خبر مسلمانوں کے پاس پہنچی تو انہوں نے بدلہ لینے لیے جنگ کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کے لیے بیعت رضواں ہوئی۔ مگر بہت جلد انہیں چھوڑ دیا گیا، اس طرح جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی۔

حضورؐ نے یہ معاہدہ بظاہر دب کر کیا تھا، اس سے بعض صحابہ بھی وقتی طور پر خوش نہ تھے۔ مگر جب ان پر اس معاہدہ کے دور رس اثرات کا راز منکشف ہوگیا تو ان کا ذہنی کرب اور اضطراب زائل ہوگیا۔

فتح خیبر کے بعد یہودیوں کے فتنہ سے نجات ملی

غزوۂ خندق میں خیبر کے یہودیوں نے اہم کردار ادا کیا تھا اور انہیں کی شہ پر قریش نے جنگ برپا کی تھی، نیز انہیں لوگوں نے عین حالت جنگ میں بنی قریظہ کو عہد شکنی کی ترغیب دی

تھی اور اس فیصلہ کن جنگ میں قریش کا ساتھ دینے لیے راضی کیا تھا۔ طرفہ تماشا یہ کہ وہ آئے دن مدینے کے مسلمانوں کو راستے میں ستاتے اور ان پر چھاپا مارتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک بڑی جنگ کی تیاری بھی شروع کر دی تھی۔ اس لیے اللہ کے رسولؐ نے ان کی سرکوبی ضروری سمجھی۔ آپؐ ۱۴ سو صحابہ کو لے کر ۷ھ کی ابتداء میں ان پر حملہ کیا اور اتنی عمدہ حکمت عملی اختیار کی کہ بنی غطفان اور خیبر کے یہودیوں میں دراڑ پڑ گئی اور کوئی ایک دوسرے کی مدد کو نہ پہنچ سکا۔ مسلمانوں نے خیبر کا سخت محاصرہ کیا۔ یکے بعد دیگرے یہودیوں کے قلعے فتح ہوتے گئے۔ آخر میں ایک قلعہ فتح نہیں ہو پا رہا تھا کہ ایک دن علم حضرت علیؓ کے ہاتھ میں دیا گیا، ان کی جواں مردی سے وہ بھی فتح ہو گیا۔ رسولؐ نے یہود کا پانی بند کر دیا اور وہاں پہرے بٹھا دیے تا کہ وہ مجبور ہو کر محاصرہ کو اٹھا لینے کی بات کریں۔ مجبور ہو کر یہود کے سردار نے صلح کا پیغام بھجوایا، جسے حضورؐ نے منظور کیا۔ آپؐ نے ان کے بارے میں وہی فیصلہ کیا جو بنی نضیر کے متعلق کیا تھا۔ مگر ان لوگوں نے حضورؐ سے یہ درخواست کی کہ ہمیں یہاں سے نہ نکالا جائے، ہم اپنی کاشت کا نصف حصہ آپ کو دیتے رہیں گے۔ نبیؐ نے بہ تقاضائے مصلحت اسے منظور کر لیا۔ البتہ صلح میں یہ بات بھی شامل کر دی کہ یہ صلح ہمیشہ کے لیے نہیں ہے، ہم جب چاہیں گے تم لوگوں کو یہاں سے نکال دیں گے۔ خیبر میں تقریباً ۱۸ یا اس سے کچھ زیادہ مسلمان شہید ہوئے اور یہود کے ۹۳ جواں مرد موت کی آغوش میں پہنچے۔ باوجود صلح کے یہود اپنی شرارت سے باز نہ آئے اور بڑی چالاکی سے حضورؐ کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ سلام بن مشکم کی بیوی نے آپ کی دعوت کی۔ گوشت میں اس نے زہر ملا دیا۔ نبیؐ نے اس کا کچھ حصہ منھ میں ڈالا ہی تھا کہ اندازہ ہو گیا کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے، اس لیے آپ نے اسے اگل دیا۔ اس طرح آپ کی جان تو بچ گئی مگر آپ کے ایک صحابی نے اسے کھا لیا تھا، جس سے ان کا انتقال ہو گیا۔ (۴۳) لیکن آپؐ وہاں ان کے حق میں ہدایت کی دعا کرتے ہوئے واپس آئے۔ (۴۴)

غزوۂ موتہ

صلح حدیبیہ کے بعد آپؐ نے مختلف ملکوں کے بادشاہوں کے نام دعوتی خطوط ارسال کیے۔ اس پر ملا جلا ردعمل ہوا۔ انہیں بادشاہوں میں ایک بادشاہ حاکم بصرہ (جو عیسائی تھا) کے نام ایک خط بھیجا۔ اسے حارث بن عمر ازدیؓ لے کر گئے تھے۔ انہیں شام کے گورنر شرحبیل بن عمرو

غسانی نے پکڑ کر قتل کر دیا۔ سفیروں کا قتل انتہائی سنگین جرم تھا۔ اس حادثہ کی خبر نبیؐ کو ہوئی تو اس کا آپ پر غیر معمولی اثر ہوا۔ اس کے تدارک کے لیے آپؐ نے تین ہزار صحابہ کو تیار کیا اور زید بن حارثہؓ کو اس کا سپہ سالار بنا کر 'غزوۂ موتہ' کے لیے روانہ فرمایا۔ آپؐ کو دشمن کی طاقت کا پوری طرح اندازہ تھا۔ چنانچہ آپؐ نے فوج کو سخت ہدایت فرمائی: اگر زیدؓ مارے جائیں تو جعفر بن ابی طالبؓ کو سالار بنا لیا جائے اور اگر وہ بھی مارے جائیں تو عبداللہ بن رواحہؓ کو سالار بنایا جائے اور اگر یہ بھی مارے جائیں تو تمہیں چاہیے کہ اپنی فوج میں سے جس کو چاہو اپنا سپہ سالار مقرر کر لو۔ (۲۵)

جب اسلامی لشکر منزل بہ منزل کوچ کرتا ہوا حجاز سے متصل شامی علاقے 'معان' پہنچا تو یہیں اس کی اطلاع شرحبیل بن عمرو غسانی کو ہوئی۔ وہ ایک لاکھ کا لشکر لے کر مقابلہ کے لیے نکلا۔ اس معرکہ میں مسلمانوں کی فوج کی تعداد صرف تین ہزار تھی۔ اس جم غفیر کے سامنے مسلمانوں کی ہمت پست ہونے لگی اور کش مکش میں مبتلا ہو گئے کہ کیا کرنا چاہیے۔ بالآخر عبداللہ بن رواحہؓ کی اثر دار تقریر کے بعد یہی طے پایا کہ ان کا مقابلہ کیا جائے۔ جنگ میں تینوں سپہ سالاروں کی یکے بعد دیگرے شہادت کے بعد حضرت خالد بن ولیدؓ نے علم اپنے ہاتھ میں لیا اور فوجی حکمت عملی کے ساتھ مسلم لشکر کو بچا کر واپس لے آئے۔ اس جنگ میں بارہ کبار صحابہ نے شہادت پائی۔ جب کہ بڑی تعداد میں دشمن کے لوگ مارے گئے۔ (۲۶)

فتح مکہ: مسلمانوں کی کامیابی کا شاندار مظاہرہ

صلح حدیبیہ کی ایک شق یہ بھی تھی کہ ''دس سال تک جنگ نہ ہوگی، جو قبائل محمد (ﷺ) کے حلیف بن جائیں اور جو قبائل قریش سے ملنا چاہیں وہ ان سے مل سکتے ہیں۔'' اس دفعہ کی بنیاد پر بنی خزاعہ مسلمانوں سے اور بنو بکر قریش سے مل گئے۔ معاہدہ میں یہ بات بھی شامل تھی کہ اگر کوئی قبیلہ ایک دوسرے پر زیادتی یا حملہ کرتا ہے تو خود اس فریق پر حملہ اور زیادتی سمجھی جائے گی۔ ابھی معاہدہ کو دو سال بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ بنو بکر نے برسوں کی پرانی رنجش کا بدلہ لینے کے لیے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا، جو مسلمانوں کے حلیف تھے۔ اس حملے میں قریش کے بڑے بڑے لوگوں نے بنی بکر کا ساتھ دیا اور ان کو ہتھیار فراہم کیے۔ خزاعہ کے لوگوں کو بری طرح کچلا، یہاں تک کہ یہ لوگ بھاگ کر خانہ کعبہ میں پہنچے مگر وہاں بھی ان کے ساتھ بے رحمی کا معاملہ کیا گیا۔ ان

مظلوموں میں سے کچھ لوگ اپنی جان بچا کر مدینہ نبیؐ کی خدمت میں پہنچے اور اپنے اوپر ہونے والی ظلم وزیادتی کا ذکر کیا۔ اب قریش کو ہوش آیا کہ واقعی ہم نے معاہدہ شکنی کر کے ایک سنگین جرم کیا ہے۔ چنانچہ تجدید معاہدہ کے لیے ابوسفیان مدینہ پہنچے، مگر انھیں کامیابی نہ ملی اور نامراد لوٹنا پڑا۔

اب حضور اکرمؐ کے لیے ضروری ہوگیا کہ قریش مکہ کے جرم کی بنا پر ان پر حملہ کریں اور اس ناسور کو ہمیشہ ہمیش کے لیے ختم کر دیں یا اس طرح دبا دیں کہ پھر وہ آئندہ ایسی کوئی غلطی نہ کریں۔ چنانچہ حضورؐ نہایت رازدارانہ طریقے سے دس ہزار کا لشکر لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ابوسفیان راستہ میں آکر حضورؐ سے ملے اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ مختلف تدابیر اور حکمت عملی سے کام لے کر حضورؐ مکہ میں داخل ہوئے۔ آپ کی فوج کو دیکھ کر سارا مکہ مبہوت ہو کر رہ گیا، کسی کو مقابلہ کی ہمت نہ رہی۔ یوں حضورؐ بغیر کسی جنگ وجدال کے فاتحانہ شان سے خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔ اس وقت سارا مکہ آپ کے سامنے صف بستہ کھڑا اور اپنی گردن جھکائے ہوئے تھا اور انتظار میں تھا کہ آج کے دن حضورؐ ہمارے حق میں کون سی سزا سناتے ہیں۔ آپ نے سب پر ایک نظر ڈالی اور فرمایا: ''آج تم پر کوئی سرزنش نہیں تم سب آزاد ہو۔'' اس فتح کے ساتھ ہی پورے عرب کی سیاسی قیادت آپ کے ہاتھوں میں آگئی۔ (۲۷)

معرکۂ حنین میں مسلمانوں کی کامیابی

فتح مکہ کے نتیجے میں اسلام کو جو غلبہ حاصل ہوا، اس کا مخالفانہ ردعمل مکہ کے قرب وجوار میں رہنے والے بڑے بڑے قبائل میں ہوا۔ ان قبائل میں ہوازن اور ثقیف بھی تھے۔ کچھ دوسرے قبائل نے بھی جنگ کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ یہ لوگ ہوازن کے سردار مالک بن عوف کی قیادت میں آگے بڑھے۔ انھوں نے اس جنگ میں اپنی عورتوں، بچوں اور مال ودولت کو ساتھ لیا اور اوطاس کے مقام پر اترے۔

حضورؐ کو اس جنگی کارروائی کی اطلاع ملی تو مکہ کے دو ہزار لوگوں کو جن میں اکثریت نو مسلموں کی تھی اور مدینہ کے ۱۰۰۰۰ کے لشکر جرار کو جو آپ کے ساتھ مکہ آیا تھے، کو لے کر مکہ سے ہی اس کی سرکوبی کے لیے نکلے اور حنین کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ مسلمان دشمن کی چال اور اس کے وجود سے بے خبر تھے کہ اچانک صبح کے اندھیرے میں دشمن نے تیروں کی بارش کر دی اور

مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ اس طرح اچانک حملہ کی وجہ سے مسلمانوں میں کھل بلی مچ گئی۔ جب حضورؐ نے مسلمانوں کو ادھر ادھر بھاگتے اور منتشر ہوتے ہوئے دیکھا تو انہیں آواز لگائی اور اپنی طرف بلایا۔ سو کے قریب صحابہ آپ کے پاس جمع ہو گئے تو آپ نے انہیں حکم دیا کہ اب تم ان پر ایک ساتھ ٹوٹ پڑو، خود حضورؐ نے زمین سے کچھ کنکر اٹھائے اور دشمن کی طرف پھینکا۔ اس کے بعد جنگ کا نقشہ بدل گیا، دشمن پیچھے ہٹنے لگے۔ گویا کہ ہاری ہوئی جنگ کو حضورؐ نے اپنی دور اندیشی اور اللہ کی نصرت سے جیت لیا۔ شکست کھا کر جو لوگ میدان سے بھاگے، صحابہ کرام نے ان کا دور تک پیچھا کیا، جو ہاتھ لگے وہ قتل کیے گئے۔ اسی تعاقب میں ابو عامر اشعریؓ شہید ہو گئے۔ (۶۳) اور بعض دوسرے صحابہ نے بھی جام شہادت نوش فرمایا۔ (۲۸)

روم کے عیسائیوں سے معرکہ آرائی

مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے اثرات اور جنگوں میں ان کی کامیابی کو دیکھ کر سرزمین عرب سے متصل بعض علاقے جو اب تک حدود اسلامیہ میں شامل نہ ہوئے تھے، ان کو اپنے وجود کے بارے میں خطرہ لاحق ہوا۔ انہیں میں ایک ملک روم بھی تھا۔ اس نے مسلمانوں سے جنگ کرنے کا فیصلہ کیا۔ حضورؐ کو رومیوں کی تیاری کی خبر ملی تو آپؐ کو فکر لاحق ہوئی۔ ابھی چند ماہ قبل مسلمان سخت محاربہ کے بعد لوٹ کر مدینہ آئے تھے۔ نیز شدید گرمی کا زمانہ تھا۔ ایسے وقت میں جنگ کے لیے اتنا طویل اور سخت ترین سفر دشوار تھا۔ اس کے باوجود آپؐ نے صحابہ کو حکم دیا کہ رومیوں کی فوج مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہے۔ اس لیے جلدی کرو اور ان کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری تیاری کے ساتھ نکل پڑو۔

جب تیس ہزار کا لشکر تیار ہو گیا تو نبیؐ نے حضرت محمد بن مسلمہؓ یا سباع بن عرفطہؓ کو مدینہ کا گورنر بنایا اور حضرت علیؓ کو اپنے اہل خانہ کی دیکھ بھال کے لیے مامور فرما کر مدینہ سے نکلے۔ اسلامی لشکر صبر و استقلال کے ساتھ اور راستے کی تمام صعوبتیں برداشت کرتا ہوا تبوک پہنچا۔ آپؐ نے تمام صحابہ کو جمع کر کے ایسی مؤثر تقریر کی کہ ان کے حوصلے بلند ہو گئے اور وہ مرمٹنے کو تیار ہو گئے۔ لیکن جب رومیوں کو مسلمانوں کے جوش وجذبہ اور عزائم کا اندازہ ہوا تو وہ میدان چھوڑ کر ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ چنانچہ آپؐ نے ان علاقوں میں پھیلے ہوئے عیسائی عربوں مثلاً ایلہ،

اذرغ، تیما، دومۃ الجندل والوں سے صلح کے معاہدے کیے۔(۲۹)

حاصل بحث

اس تفصیل سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان جنگوں میں اقدام کس نے کیا۔ مسلمانوں نے ہمیشہ اس بات کی کوشش کی کہ جنگ کی نوبت نہ آئے۔ لیکن دشمنان اسلام کو اپنی طاقت پر غرور تھا، جب کہ مسلمانوں کے حوصلے بھی پست نہ تھے۔ جب حوصلہ اور طاقت کا ٹکراؤ ہوتا ہے تو عموماً حوصلہ مند گروہ کو کامیابی ملتی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مسلمان اللہ کی مدد سے ہر جگہ کامیاب وکامران ہوئے۔ اس کے نتیجے میں بعض جنگوں میں بڑی مقدار میں مال غنیمت حاصل ہوا۔ ایسا دنیا کے ہر ملک میں ہوتا ہے کہ جب دشمن پر فتح ہوتی ہے تو اس کے نتیجے میں نہ صرف قیدی ہاتھ لگتے ہیں، بلکہ ان کا مال واسباب بھی قبضے میں آجاتا ہے۔ کیا ایسے موقع پر کوئی فاتح قوم ان اموال سے دست بردار ہوجاتی ہے۔ لیکن نبیؐ کی اس کامیابی کو مغرب لوٹ مار سے تعبیر کرتا ہے۔ بہتر ہے کہ وہ الزام لگانے کے بجائے اپنے فساد ذہنی کی اصلاح کرے، پھر ان جنگوں سے متعلق کوئی اشکال ہی نہ رہے گا۔ مستشرقین میں سے بعض کی تحریروں کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں اس بات کا بھی اعتراف کیا ہے کہ عہد نبوی کی تمام جنگیں بر مبنی انصاف تھیں اور حضورؐ اور آپ کے اصحاب نے ہمیشہ صلح کو ترجیح دی، مگر کفار ومشرکین نے اپنی طاقت کے سامنے اسلام کی طاقت کو لائق اعتنا نہ سمجھا، اس لیے انہیں ذلت کا سامنا کرنا پڑا۔

☆☆☆

مآخذ ومراجع

(۱) جرجی زیدان، تاریخ تمدن اسلام، فرید بک ڈپو، دہلی، ۲۰۰۷ء، ص:۵۴

(۲) ڈاکٹر عبدالعلیم، سیرۃ النبی اور مستشرقین، مطبوعہ لکھنو، ۲۰۰۰ء، یہ کتاب 'ولہاوزن' کے ایک طویل مقالہ 'محمدنزم' کے کچھ حصے کا ترجمہ ہے۔ یہ پورا مقالہ 'انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا' میں شامل ہے۔

(۳) ابومحمد عبدالملک بن ہشام، سیرۃ النبی، مطبعۃ حجازی، قاہرہ، ۱۹۳۷ء، ج:۲، ص:۱۱۹-۱۲۰

(۴) ابی داؤد سلیمان بن اشعث، سنن ابی داود، کتاب الخراج والفئی، باب خبر النضیر
(۵) صحیح البخاری، کتاب الجہاد، باب الحراسۃ فی الغزو فی سبیل اللہ۔
(۶) شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، ج:۱، ص:۲۲۰
(۷) ڈاکٹر عبدالقادر جیلانی، اسلام، پیغمبر اسلام، اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، اریب پبلیکیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۷ء، ص:۳۲۴
(۸) سیرۃ النبی، ابن ہشام ج:۲، ص:۲۳۸
(۹) ایضاً، ج:۲، ص:۲۴۱
(۱۰) اسلام، پیغمبر اسلام، اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، ص:۳۰۱
(۱۱) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب قصۃ غزوۃ بدر
(۱۲) سیرۃ النبی، ابن ہشام، ج:۲، ص:۲۴۴
(۱۳) ایضاً، ج:۲، ص:۲۵۴
(۱۴) سیرۃ النبی، ابن ہشام، ج:۲، ص:۴۲۲-۴۲۳
(۱۵) ایضاً، ج:۲ ص:۴۲۶
(۱۶) ایضاً، ج:۲ ص:۴۲۸
(۱۷) ایضاً، ج:۳، ص:۱۰
(۱۸) ایضاً، ج:۳، ص:۱۸۵
(۱۹) ایضاً، ج:۳، ص:۲۳۰
(۲۰) ایضاً، ج:۳، ص:۲۵۸-۲۵۹
(۲۱) ایضاً ج:۳، ص:۳۵۶
(۲۲) ایضاً، ج:۳، ص:۳۵۷
(۲۳) صحیح البخاری، کتاب لمغازی، باب الشاۃ التی سمت للنبی بخیبر۔ مسند احمد، ج:۲، ص:۴۵۱۔ سیرۃ النبی، ابن ہشام، ج:۳، ص:۳۹۰
(۲۴) صحیح البخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب الدعاء للمشرکین بالہدیٰ لیتالفہم
(۲۵) ایضاً، کتاب المغازی، باب غزوۃ موتۃ من ارض شام
(۲۶) سیرۃ النبی، ابن ہشام، ج:۳، ص:۴۴۷
(۲۷) ایضاً، ج:۴، ص:۱۰-۳۲
(۲۸) ایضاً، ج:۴، ص:۸۷
(۲۹) ایضاً، ج:۴، ص:۱۴۳

باب : نہم

الغرانیق العلیٰ کا افسانہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ اللہ کے بندوں کو شرک وضلالت اور فسق وفجور سے نکال کر صراط مستقیم پر کھڑا کریں اوران کا رشتہ اللہ وحدہ لاشریک سے مستحکم ومضبوط کریں۔ کفار مکہ کے عقائد واعمال اور معبودان باطل کے پس منظر میں حضورؐ کے مکی دور کا جائزہ لیتے ہیں تو بعض کم زور روایتوں کی روشنی میں ایک غیر معمولی واقعہ 'الغرانیق العلیٰ' سامنے آتا ہے، جس پر اعتماد کیا جائے تو آپؐ کی بعثت اور کار نبوت بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے اور اسلام کی مضبوط ومستحکم بنیاد یک لخت مسمار ومنہدم ہو جاتی ہے۔

محدثین، مفسرین اور سیرت نگاروں میں ابن جریر طبری، ابن سعد، موسیٰ بن عقبہ، ابن اسحاق، ابن ابی حاتم، ابن المنذر، بزار، مردویہ اور طبرانی وغیرہ نے اس واقعہ کو جس انداز میں بیان کیا ہے، اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ سے ایک موقع پر لغزش ہوئی تھی۔ ان کے مطابق حضورؐ کی خواہش تھی کہ کوئی ایسی صورت بن جائے جس سے مشرکین مکہ کی مخالفت ختم ہو جائے اور لوگ دین میں داخل ہو جائیں۔ ایک دن سورۂ نجم کی تلاوت کے دوران شیطان نے آپؐ کی زبان مبارک سے 'تلک الغرانیق العلیٰ' کے الفاظ نکلوا دیے۔(۱) تاریخ طبری میں اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے:

> ”محمد بن کعب القرظی سے مروی ہے کہ جب رسولؐ نے دیکھا کہ ان کی قوم نے ان سے اعراض کیا ہے اور صرف اس حکم کی وجہ سے جو اللہ نے دیا تھا آپ کی قوم آپ سے علیحدہ ہو گئی ہے۔ آپ کے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا حکم نازل فرماتا جس سے آپ کے اور ان کے تعلقات پھر قائم ہو جاتے۔ آپ اپنی قوم سے

محبت اور ان کی فلاح کے خیال سے یہ چاہتے تھے کہ ان کے معاملے میں آپ نے جو شدت برتی ہے، اس میں نرمی کر دیں۔ یہ خیال آپ کے دل میں آیا اور آپ نے اس کی آرزو اور تمنا کی۔ اللہ عزوجل نے سورۃ النجم نازل فرمائی۔ جب آپ اللہ کے قول افرئیتم الات ولعزی ومناۃ الثالثۃ اخری پر آئے تو شیطان نے آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری کر دیے تلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لترتجی۔ یہ الفاظ سن کر قریش بہت خوش ہوئے کہ محمدؐ نے ان الفاظ میں ہمارے معبودوں کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے خوشی میں نعرہ لگایا...... جب اس سورہ میں سجدہ کا مقام آیا اور سورۃ ختم ہوگئی تو رسولؐ نے سجدہ کیا اور تمام مسلمانوں نے اپنے نبی کی اتباع، حکم اور وحی کی تصدیق میں آپ کے ساتھ سجدہ کیا اور چوں کہ مشرکین نے رسولؐ کی زبان سے اپنے معبودوں کی تعریف سنی تھی۔ اس لیے مشرکین، قریش اور دوسرے لوگوں نے بھی سجدہ کیا۔ اس طرح ساری مسجد میں جس قدر مومن یا کافر تھے سب سجدہ میں گر گئے۔ دوسرے دن جبرئیل حضورؐ کے پاس تشریف لائے اور اس سورۃ کو پڑھنے کے لیے کہا۔ جبرئیل نے سورۃ سننے کے بعد کہا کہ یہ دونوں کلمے تو میں نے نہیں سکھائے۔ اس پر رسولؐ نے کہا کہ جو اللہ نے مجھ سے کہلوایا اس کے علاوہ میں نے کچھ بھی نہیں کہا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۷۳-۷۵ نازل فرمائی، جس میں آپ کی لغزش پر تنبیہ کی گئی۔" (۲)

واقعۂ غرانیق سے مستشرقین کی دل چسپی

اس طرح کی روایت کو دلیل بنا کر مستشرقین کہتے ہیں کہ نبیؐ جب چاہتے دین میں تحریف کر دیتے اور جیسے چاہتے قرآنی آیات کو اپنے منشا کے مطابق ڈھال کر لوگوں کے سامنے پیش کر دیتے تھے۔ 'سر ولیم میور' کے حوالے سے 'کلائن' لکھتا ہے:

"کسی آیت کی تنسیخ کا ایک نہایت اہم واقعہ 'وہ دیویاں معزز ہیں اور ان کی شفاعت مقبول ہے' والی آیت کی تنسیخ ہے، جسے کچھ عرصہ تک محمدؐ قرآن کے جزو کے طور پر تلاوت کرتے رہے ہیں۔" (۳)

سر ولیم میور مزید کہتے ہیں کہ یہ الحاقی جملے من جانب اللہ تھے، جس کی ایک عرصے تک

حضورؐ تلاوت کرتے رہے، مگر انہیں اپنے مقصد میں کامیابی نہ ملی تو بعد میں انہیں منسوخ کر دیا گیا۔

'منٹگمری واٹ' بھی اس کے متعلق شک میں مبتلا ہے۔ اس کے مطابق اس سلسلے میں وحی تو نازل ہوئی اور حضورؐ نے پڑھ کر لوگوں کو سنایا بھی، مگر محمدؐ کو بعد میں اندازہ ہوا کہ یہ غلط ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اسے خارج از قرآن کر دیا۔ پھر وہ یہ لکھتا ہے:

"محمدؐ مکے کے سرکردہ لوگوں کے ساتھ کسی مصالحت کی کوشش کر رہے تھے، ان کا مدخولہ الفاظ کی غلطی کا احساس دراصل اس بات کا احساس تھا کہ مصالحت ناممکن تھی۔" (۴)

'لین پول' لکھتا ہے:

"سارا مجمع اس مصالحت سے خوش ہو کر خدا کے حضور سجدہ ریز ہو گیا۔ سارے شہر نے اس مشترک مذہب کو قبول کر لیا، لیکن صحرا کا یہ رویا دیکھنے والا، ایسا فرد نہ تھا کہ کسی جھوٹ بات پر توقف کرتا۔ مکے کا سارا شہر بھی اس کی نذر کر دیا جاتا تو وہ اپنی اندرونی صداقت کو جھٹلاتے رہنے پر راضی نہ ہوتا۔ اس نے برسرِ عام اقرار کیا کہ اس سے لغزش ہو گئی تھی، اسے شیطان نے ورغلایا تھا، اس نے کھلم کھلا اپنے الفاظ واپس لیے اور کہا کہ جہاں تک ان مورتیوں کا تعلق ہے وہ محض نام ہیں، جنہیں ان کے آباؤ اجداد نے وضع کر لیا ہے۔" (۵)

سورۂ نجم کب نازل ہوئی؟

نبیؐ نے 'سورۃ النجم' کی تلاوت کفار کے مجمع عام میں کی تھی، اس سورۃ کی ہیبت لوگوں پر اس قدر طاری ہوئی کہ اپنے ہوش کھو بیٹھے اور نبیؐ کے ساتھ سجدہ ریز ہو گئے، جو بعید از قیاس نہیں ہے۔ کیوں کہ ایسا واقعہ کئی مرتبہ پیش آ چکا تھا صحیح حدیث سے پتا چلتا ہے کہ اس وقت بتوں کی الوہیت کے تسلیم کیے جانے کا کوئی واقعہ پیش نہ آیا تھا۔ امام بخاریؒ نے جو تفصیلات اس واقعہ کے متعلق بیان کی ہے، اس میں بس اتنی بات ہے کہ جب سورۂ نجم نازل ہوئی تو لوگوں کے مجمع میں آپؐ نے اس کی تلاوت کی اور آخر میں سجدہ کیا تو آپ کے ساتھ مسلمان، مشرکین اور جن وانس سجدہ ریز ہو گئے۔ (۶)

تحقیق طلب یہ ہے کہ یہ سورہ کب نازل ہوئی، ہجرت حبشہ کے وقت، اس سے پہلے، یا اس کے بعد۔ ابن سعد اور ان جریر طبری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ ہجرت حبشہ کے بعد نازل ہوئی۔(۷) جدید تحقیقات کی روشنی میں اس سورۂ کے زمانہ نزول کا صحیح تعین کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالقادر جیلانی لکھتے ہیں:

"ولیم میور اور نولدیکی نے اس کا نزول مکی دور کے چوتھے حصے کے اواخر میں قیاس کیا ہے۔(علامہ عنایت اللہ مشرقی نے تکملہ، جلد اول، ص:۶۷ پر نولدیکی کے حوالے سے سورۃ النجم کی ترتیب نزولی اٹھائیسویں اور وقت نزول یکم سنہ نبی سے چار سنہ نبوی کے درمیان بیان کیا ہے)ان کے نزدیک یہ دور ۶ سے ۱۰ نبوی کا ہے۔علمائے ازہر کے مطابق یہ سورۃ ترتیب نزولی کے اعتبار سے تیئیسویں ہے (القرآن: مکتبہ الجمہوریہ العربیہ، ۱۹۷۲) جب کہ سورہ مریم چوالیسویں ہے۔ہم جانتے ہیں کہ دربار حبشہ میں حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے سورۂ مریم کی آیت تلاوت فرمائی تھی۔ لہذا یہ وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ہجرت حبشہ تک چوالیس سورتیں نازل ہوچکی تھیں اور تیئیسویں سورۃ النجم ہجرت حبشہ سے کئی برس پہلے اتر چکی تھی۔ چھ سال میں چوالیس سورتوں کا اوسط سات سورتیں سالانہ بنتا ہے۔اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سورۃ النجم نبوت کے تیسرے یا چوتھے سال اتری ہوگی۔اب یہ بات قرین قیاس نہیں کہ وہ سورہ جو تیسرے یا چوتھے سال نازل ہوئی ہو، دسویں سال تک اس کی تلاوت نہ کی گئی ہو، یا اس میں دسویں سال ترمیم کی ضرورت محسوس کی گئی ہو، قرآن اس لیے اترتا تھا کہ اسے لوگوں کو سنایا جائے۔لہٰذا حضورؐ نے اس سورۃ کی تلاوت اس کے نزول کے بعد بلا تاخیر کی ہوگی۔اس اعتبار سے اس کی تلاوت ۴ نبوی میں ہی قرین قیاس ہے۔یہی وہ دور ہے جب آپ نے اعلانیہ تبلیغ توحید فرمائی اور توحید کے معنی ہی بت پرستی اور شرک سے اجتناب کے ہیں۔اسلام کی ابتدائی کلمہ توحید سے ہوئی ہے۔ اس کلمہ کا جزو اول ہی 'لا الٰہ' ہے۔جس کا مفہوم اور مقصود ہی بتوں اور ذوات خلق غیراللہ کی نفی ہے۔اس تنزیہہ کے بعد ذات اللہ کا اقرار ہے۔لہٰذا تبلیغ کی ابتدائی غیراللہ کی الوہیت سے انکار ہے۔"(۸)

کیا سورہ بنی اسرائیل اور سورہ حج کی آیتوں سے اس کی تائید ہوتی ہے؟

معاندین اسلام کہتے ہیں کہ حضورؐ سے لغزش تو ضرور ہوئی تھی، مگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے دوسری آیتوں کے ذریعہ اس کی تلافی کر دی اور ان آیات کو قرآن سے خارج کر دیا گیا۔ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا ہے:

وَ اِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَ اِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ۝ وَ لَوْ لَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ۝ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَ ضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ۝

(بنی اسرائیل ۷۳-۷۵)

”اے نبیؐ ان لوگوں نے اس کوشش میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی کہ تمہیں فتنے میں ڈال کر اس وحی سے پھیر دیں جو ہم نے تمہاری طرف بھیجی ہے تاکہ تم ہمارے نام پر اپنی طرف سے کوئی بات گھڑو۔ اگر تم ایسا کرتے تو وہ ضرور تمہیں اپنا دوست بنا لیتے اور بعید نہ تھا کہ اگر ہم تمہیں مضبوط نہ رکھتے تو تم ان کی طرف کچھ نہ کچھ جھک جاتے۔ لیکن اگر تم ایسا کرتے تو ہم تمہیں دنیا میں بھی دوہرے عذاب کا مزہ چکھاتے اور آخرت میں بھی دوہرے عذاب کا۔ پھر ہمارے مقابلے میں تم کوئی مددگار نہ پاتے۔“

اس تنبیہ عتاب پر حضورؐ بہت رنجیدہ اور مغموم ہوئے۔ اس رنجیدگی کو زائل کرنے کے لیے مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّ لَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ۝ (الحج:۵۲-۵۳)

”اور اے نبیؐ تم سے پہلے ہم نے نہ کوئی رسول ایسا بھیجا ہے نہ نبی۔ (جس کے ساتھ یہ

معاملہ نہ پیش آیا ہو کہ) جب اس نے تمنا کی، شیطان اس کی تمنا میں خلل انداز ہو گیا۔ اس طرح جو کچھ بھی شیطان دخل اندازیاں کرتا ہے، اللہ ان کو مٹا دیتا ہے اور اپنی آیات کو پختہ کر دیتا ہے، اللہ علیم اور حکیم ہے۔ (وہ اس لیے ایسا ہونے دیتا ہے) تا کہ شیطان کی ڈالی ہوئی خرابی کو فتنہ بنا دے، ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں کو (نفاق کا) روگ لگا ہوا ہے اور جن کے دل کھوٹے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ظالم لوگ عناد میں بہت دور نکل گئے ہیں۔"

دونوں سورتوں کی آیتوں کا زمانہ اور سبب نزول بھی مختلف ہے۔ سورۃ النجم کی آیات سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ سورۂ بنی اسرائیل کی آیتیں معراج کے بعد ۱۱ یا ۱۲ نبوی میں نازل ہوئیں۔ گویا عتاب کا عمل لغزش کے پانچ چھ سال بعد ہوا۔ غلطی آج سرزد ہو اور اس پر نکیر اور عتاب چھ سال بعد کیا جائے۔ سورۂ حج کی آیتیں بھی غرانیق کے کئی سال بعد نازل ہوئیں، یہ سورہ اگرچہ مکی اور مدنی دونوں ہے۔ مگر زیر بحث آیات مدینہ میں نازل ہوئیں، یعنی ۱ھ میں۔

واقعہ غرانیق کی سورۂ حج کی ان آیات سے کوئی تائید نہیں ہوتی ہے۔ سورۂ نجم میں حضورؐ سے جو لغزش ہوئی اس کی اصلاح کے لیے یہ آیتیں اسی وقت نازل ہوتیں نہ کہ عتاب والی آیات نازل ہونے کے بعد۔ اس لیے اس آیت کو اس کی تائید میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ مولانا سید ابوالاعلی مودودی لکھتے ہیں:

"اس میں تین آیتوں کی جو شان نزول بیان کی جا رہی ہے آیا قرآن کی ترتیب بھی اس کو قبول کرتی ہے؟ قصے میں بیان کیا جا رہا ہے کہ آمیزش سورۂ نجم میں کی گئی تھی، جو ۵ بعثت میں نازل ہوئی تھی۔ اس آمیزش پر سورۂ بنی اسرائیل والی آیات میں عتاب فرمایا گیا اور پھر اس کی تنسیخ اور واقعہ کی توجیہہ سورۂ حج کی آیت میں کی گئی۔ اب لامحالہ دو صورتوں میں سے کوئی ایک صورت پیش آئی ہو گی۔ یا تو عتاب اور تنسیخ والی آیتیں بھی اسی زمانے میں نازل ہوئی ہوں جب کہ آمیزش کا واقعہ پیش آیا۔ پھر عتاب والی سورۂ بنی اسرائیل کے ساتھ اور تنسیخ والی آیت سورۂ حج کے ساتھ نازل ہوئی ہو۔ اگر پہلی صورت ہے تو یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ یہ دونوں آیتیں سورۂ نجم میں نہ شامل کی گئی، بلکہ عتاب والی آیت مزید دو ڈھائی سال تک پڑی رہی اور سورۂ حج کے نزول تک اسے کہیں نہ چسپاں کیا گیا۔ کیا قرآن کی ترتیب اسی طرح ہوئی ہے کہ ایک موقع کی

نازل شدہ آیتیں الگ الگ بکھری پڑی رہتی تھیں اور برسوں کے بعد کسی کو کسی دوسری سورہ میں ٹانک دیا جاتا تھا؟ لیکن اگر دوسری صورت ہے کہ عتاب والی آیت واقعہ کے ۶ سال بعد اور تنسیخ والی آیت آٹھ نو سال بعد نازل ہوئی تو علاوہ اس کے بے تکے پن کے جس کا ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں، یہ سوال پیدا ہوتا کہ سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ حج میں ان کے نزول کا موقع کیا ہے۔" (۹)

سورۂ نجم کی آیتوں سے اس کی تصدیق ہوتی ہے؟

رسول اللہؐ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ سورۂ نجم کی تلاوت فرماتے ہوئے آپ نے بتوں کی اہمیت کو تسلیم کیا تھا اور ایک خاص مقام پر اس الحاقی جملے کو فٹ کرنے کی کوشش کی ہے۔ پھر اسے منسوخ بتایا گیا ہے۔ لیکن ہم اس سورہ کی الحاقی جملے سے قبل اور بعد والی آیات پر نظر ڈالتے ہیں تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا پچھلی اور اگلی آیت سے کوئی تعلق نہیں۔ سلسلہ کلام اس طرح شروع ہوتا ہے:

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۙ﴿۱﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَ مَا غَوٰى ۚ﴿۲﴾ وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ؕ﴿۳﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۙ﴿۵﴾ ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰى ۙ﴿۶﴾ وَ هُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ؕ﴿۷﴾ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ﴿۸﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ﴿۹﴾ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ؕ﴿۱۰﴾ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿۱۱﴾ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۙ﴿۱۳﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ؕ﴿۱۵﴾ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۙ﴿۱۶﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰى ﴿۱۷﴾ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰى ۙ﴿۱۹﴾ وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿۲۰﴾ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَ لَهُ الْاُنْثٰى ﴿۲۱﴾ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿۲۲﴾ اِنْ هِيَ اِلَّاۤ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا

مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ مَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ؕ﴿۲۳﴾ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿۲۴﴾ۖ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَ الْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾ؒ (النجم۱-۲۵)

''قسم ہے تارے کی، جب کہ وہ غروب ہوا، تمہارا رفیق نہ بھٹکا ہے نہ بہکا۔ وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا، یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے، اسے زبردست قوت والے نے تعلیم دی ہے، جو بڑا صاحب حکمت ہے۔ وہ سامنے آکھڑا ہوا جب کہ وہ بالائی افق پر تھا، پھر قریب آیا اور اوپر معلق ہو گیا۔ یہاں تک دو کمانوں کے برابر یا اس سے کم فاصلہ رہ گیا۔ تب اس نے اللہ کے بندے کو وحی پہنچائی جو بھی اسے پہنچانی تھی۔ نظر نے جو کچھ دیکھا، دل سے اس میں جھوٹ نہ ملایا۔ اب کیا تم اس چیز پر اس سے جھگڑتے ہو جسے وہ آنکھوں سے دیکھتا ہے؟ اور ایک مرتبہ پھر اس نے سدرۃ المنتہٰی کے پاس اس کو اترتے دیکھا، جہاں پاس ہی جنت الماویٰ ہے۔ اس وقت سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا، نگاہ نہ چوندھیائی نہ حد سے متجاوز ہوئی اور اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ اب ذرا بتاؤ، تم نے کبھی اس لات اور اس عزیٰ اور تیسری ایک دیوی منات کی حقیقت پر کچھ غور کیا ہے۔ کیا بیٹے تمہارے لیے ہیں اور بیٹیاں خدا کے لیے، یہ تو بڑی دھاندلی کی تقسیم ہوئی۔ دراصل یہ کچھ نہیں ہے مگر بس چند نام جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے۔ اللہ نے ان کے لیے کوئی سند نازل نہیں کی۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگ محض وہم و گمان اور خواہش نفس کی پیروی کر رہے ہیں، حالاں کہ ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آچکی ہے کیا انسان جو کچھ چاہے اس کے لیے وہی حق ہے۔ دنیا اور آخرت کا مالک تو اللہ ہی ہے۔''

یہ پورا مضمون ظاہر کر رہا ہے کہ اس میں نبی ﷺ کی نبوت کی صداقت کو واضح کیا گیا ہے اور آپ کے اوصاف حمیدہ کو کھول کھول بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد مشرکین کے عقیدہ پر حملہ کیا جا رہا ہے کہ تم نے ایک معبود حقیقی کو چھوڑ کر ان معروف دیویوں کو الوہیت کا درجہ دے دیا ہے۔ اگر تم غور و فکر سے کام لیتے تو ایسا نہ ہوتا۔ تم نے بیٹوں کو اپنے لیے خاص کر لیا ہے اور بیٹیاں خدا کے حصے میں کر دیں۔ تقسیم میں توازن ہونا چاہیے۔ ان بتوں کی نہ تو کوئی اہمیت ہے اور نہ اصلیت، ہاں مگر یہ گم راہی ہے جسے تمہارے آباؤ اجداد نے اہمیت دے رکھی ہے اور تم اسی روش پر قائم ہو۔

یہ محض وہم وگمان کی باتیں ہیں اور خواہش نفس کی پیروی ہے۔

سورہ کا اختتام بھی دل دہلا دینے والا ہے

سورہ کے درمیان میں متعدد باتیں عقائد واعمال کی درستی کے تعلق سے بیان ہوئی ہیں اور سرکشی کی صورت میں اس کا انجام کیا ہوگا اس کو بھی کھول کر بیان کردیا گیا ہے۔سورہ کا اختتام بھی اس طرح ہوتا ہے کہ اس کو سنتے ہی لوگوں کے دل دہل جائیں:

وَ اَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا۟ ا۟لْاُوْلٰىۙ﴿۵۰﴾ وَ ثَمُوْدَاۡ فَمَاۤ اَبْقٰىۙ﴿۵۱﴾ وَ قَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَ اَطْغٰىؕ﴿۵۲﴾ وَ الْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰىۙ﴿۵۳﴾ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰىۚ﴿۵۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى﴿۵۵﴾ هٰذَا نَذِیْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى﴿۵۶﴾ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُۚ﴿۵۷﴾ لَیْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌؕ﴿۵۸﴾ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِیْثِ تَعْجَبُوْنَۙ﴿۵۹﴾ وَ تَضْحَكُوْنَ وَ لَا تَبْكُوْنَۙ﴿۶۰﴾ وَ اَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ﴿۶۱﴾ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَ اعْبُدُوْا۠۩﴿۶۲﴾ (النجم:۵۰-۶۲)

”اور اسی نے عاد اولی کو ہلاک کیا اور ثمود کو ایسا مٹایا کہ ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑا اور ان سے پہلے قوم نوح کو تباہ کیا، کیوں کہ وہ تھے ہی سخت ظالم وسرکش لوگ اور اوندھی گرنے والی بستیوں کو اٹھا پھینکا۔پھر چھادیا ان پر وہ کچھ جو (تم جانتے ہی ہو کہ) کیا چھادیا۔پس اے انسان اپنے رب کی کن کن نعمتوں میں شک کرے گا۔یہ ایک تنبیہ ہے پہلی آئی ہوئی تنبیہات میں سے۔آنے والی گھڑی قریب آ لگی ہے،اللہ کے سوا کوئی اسے ہٹانے والا نہیں۔اب کیا یہی وہ باتیں ہیں جن پر تم اظہار تعجب کرتے ہو، ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو اور گا بجا کر انہیں ٹالتے ہو۔جھک جاؤ اللہ کے آگے اور بندگی بجالاؤ۔“

اہل مکہ اس سورہ کو رسول خدا کی زبانی سن رہے تھے اور کلام الٰہی کی ہیبت ان پر طاری تھی، انہیں خبر نہیں کہ کیا کہا جارہا ہے اور انجام کیا ہوگا۔جب رسول اللہ سجدہ کرتے ہیں تو سارے لوگ سجدہ ریز ہوجاتے ہیں۔بعد میں انہیں احساس ہوا کہ ہم سے بڑی غلطی سرزد ہوگئی۔اس لیے

اس سے پیچھا چھڑانے کی مختلف توجیہات کیں۔

اضافی جملے بے جوڑ ہیں

سورۂ نجم کی آیت ۱-۲۵ کا مضمون بتا رہا ہے کہ اس میں خاص طور پر ان لوگوں کو مخاطب کیا گیا ہے جو نبیؐ کی نبوت کا انکار کر رہے تھے۔ اس انکار کی وجہ سے کفار و مشرکین کا جو دردناک انجام ہوگا اس پر وعید سنائی گئی ہے۔ یہ سلسلہ کلام ایسا نہیں کہ اس کے درمیان میں غیر اللہ کی اہمیت کو بھی بیان کر دیا جائے۔ الحاقی جملے سے قبل اور اس کے بعد والی آیت کو جوڑ کر دیکھیے تو پوری سورہ بے وزن ہو جاتی ہے:

أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّى ۔ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَى۔ "تلک الغرانیق العلی وان شفاعتهن لترتجی" أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنْثَى تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَى۔

"اب ذرا بتاؤ، تم نے کبھی اس لات اور اس عزیٰ اور تیسری ایک دیوی منات کی حقیقت پر کچھ غور بھی کیا ہے۔" "یہ مقدس دیویاں ہیں جن کی شفاعت متوقع ہے۔" کیا بیٹے تمہارے لیے ہیں اور بیٹیاں خدا کے لیے، یہ تو بڑی دھاندلی کی تقسیم ہوئی۔"

ایک سانس میں ان دیویوں کے بھرم کو چاک کیا جا رہا ہے اور دوسرے سانس میں اس کی اہمیت تسلیم کر لی جاتی ہے، اس کے بعد یہ کہا جاتا ہے کہ بے وقوفو تم نے جو تقسیم کی ہے وہ کوئی منصفانہ تقسیم نہیں ہے۔ یہ تو بڑی بے انصافی اور دھاندلی کی بات ہے۔ جس چیز کو تم اپنے لیے حقیر اور ننگ و عار سمجھتے ہو اسے اللہ کی جانب منسوب کرتے ہو اور جس چیز سے تمہیں فائدہ حاصل ہونے والا ہے اسے اپنی طرف منسوب کرتے ہو۔

جن لوگوں نے اس الحاقی جملے کو اس سورہ کے درمیان میں ٹانکنے کی جرأت کی ہے، وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے اور ان کی بد دیانتی سورہ کے سلسلہ کلام سے واضح ہو جاتی ہے۔ جو لوگ نبیؐ پر ہمیشہ جھوٹ گھڑتے اور آپ کے خلاف ہمیشہ افترا پردازی کرتے رہتے تھے وہ اپنا دامن بچانے کے لیے اس طرح کا جھوٹ کیوں نہ گھڑتے۔

قرآن کا اعجاز یہ ہے کہ اس میں خارج از قرآن الفاظ کی آمیزش نہیں ہو سکتی۔ اگر اس

کی یہ خصوصیت نہ ہوتی تو اب تک اس میں نہ معلوم کتنی تحریف کر دی گئی ہوتی۔

واقعہ صحیح ہوتا تو تفصیلات میں تضاد نہیں ہوتا؟

اگر حضورؐ سے دیویوں کی الوہیت کو تسلیم کرنے کی لغزش ہوئی ہوتی تو اس کی تنسیخ اسی وقت کی جاتی۔ قرآن میں بہت سے احکام ایسے ہیں جن پر مسلمانوں کو عمل کرنا لازم اور ضروری ہے۔ مگر جب اللہ نے چاہا اور اس حکم کی افادیت ختم ہوگئی تو اس کی جگہ اللہ نے دوسرا حکم نازل کر دیا۔ کون سی آیت ناسخ ہے اور کون سی منسوخ۔ اس پر مفسرین نے بڑی طویل بحث کی ہے اور ان کا تعین بھی کیا ہے۔ مگر اس واقعہ کے متعلق ایسی کوئی صراحت نہیں ملتی۔ اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے یہ من گھڑت قصہ رونما ہی نہیں ہوا۔ حدیث کے مستند مجموعوں میں بھی اس کا تذکرہ نہ آنا واقعہ کے لغو ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ جن لوگوں نے اس واقعہ کو صحیح قرار دیا ہے، ان کے الفاظ پر غور کیا جائے تو اس میں حد درجہ تضاد نظر آتا ہے۔ محمد حسین ہیکل نے اس کے متعلق پانچ لفظی تضاد کا ذکر کیا ہے۔(۱۰) یہ تضاد قصہ کی اصلیت کو مجروح کرتا ہے اور بے بنیاد بنا دیتا ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ واقعہ کی تضاد بیانی کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''قصے کی تفصیلات میں چھوٹے چھوٹے اختلافات کو چھوڑ کر دو بہت بڑے اختلافات ہیں۔ ایک یہ کہ بتوں کی تعریف میں جو کلمات نبیؐ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں وہ قریب قریب ہر روایت دوسری روایت سے مختلف ہیں۔ ہم نے ان کا استقصا کرنے کی کوشش کی تو ۱۵ عبارتیں الگ الگ الفاظ میں پائیں۔ دوسرا بڑا اختلاف یہ ہے کہ کسی روایت کی رو سے یہ الفاظ دوران وحی میں شیطان نے آپ پر القا کر دیے اور آپ سمجھے کہ یہ بھی جبرئیل لائے ہیں۔ کسی روایت میں ہے کہ یہ الفاظ اپنی اس خواہش کے زیر اثر سہواً آپ کی زبان سے نکل گئے۔ کسی میں ہے کہ اس وقت آپ کو اونگھ آ گئی تھی اور اس حالت میں یہ الفاظ نکلے۔ کسی کا بیان ہے کہ آپ نے قصداً کہے مگر استفہام انکاری کے طور پر کہے۔ کسی کا قول ہے کہ شیطان نے آپ کی آواز میں ملا کر یہ الفاظ کہہ دیے اور سمجھا یہ گیا کہ آپ نے کہے ہیں اور کسی کے نزدیک کہنے والا مشرکین میں سے کوئی شخص تھا۔''(۱۱)

اس واقعہ کے ناقابل تسلیم ہونے کے مزید دلائل

اس واقعہ کو جن لوگوں نے ایک حقیقت کے طور پر بیان کیا ہے اس کی سند پر غور کریں تو اس میں کوئی بھی روایت سنداً مضبوط نہیں ہے۔ علامہ زرقانی نے شرح المواہب اللدنیہ میں ان راویوں پر تفصیل سے کلام کیا ہے اور جنہوں نے اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ جہاں جہاں کم زوری پائی ہے اس کی بھی نشان دہی کی ہے۔ علامہ ناصر الدین البانی نے اپنی کتاب نصب المجانیق فی قصۃ الغرانیق میں ان تمام روایتوں کا استقصا کیا ہے اور تمام طرق میں کوئی نہ کوئی ایسی کم زوری ثابت کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بے بنیاد ہے۔ پھر وہ لکھتے ہیں:

> ''یہ ماننے میں کوئی مانع نہیں ہے کہ یہ افسانہ بعد میں گھڑا گیا ہو۔ یہی زیادہ قرین قیاس ہے۔ اس لیے کہ اس کی روایت کسی صحابی سے کسی معتبر سند سے نہیں ہے۔ اس کے تمام طرق مرسل ہیں۔ پتا نہیں عہد نبوت کے کسی شخص نے اس کی روایت کی ہے۔ حدیثی نقطۂ نظر سے اس قصہ کے بے بنیاد ہونے پر میں نے اپنی کتاب 'نصب المجانیق لنسف قصۃ الغرانیق' میں تفصیل سے بحث کی ہے۔'' (۱۲)

جن سندوں سے یہ قصہ نقل ہوا ہے وہ محمد بن قیس، محمد بن کعب قرظی، عروہ بن زبیر، ابوصالح، ابوالعالیہ، سعید بن جبیر، ضحاک، ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث، قتادہ، مجاہد، سدی، ابن شہاب زہری اور ابن عباس پر جا کر ختم ہو جاتی ہے۔ ان تمام راویوں میں ابن عباس کے علاوہ کوئی صحابی نہیں ہے۔ (۱۳) یہی وجہ ہے کہ اس قصے کی تفصیلات میں لفظی اختلافات پیدا ہو گئے ہیں۔ جب کہ کبار محدثین ومفسرین نے واقعہ کو غلط اور من گھڑت قرار دیا ہے۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ جتنی سندوں سے یہ روایت ہوا ہے سب مرسل اور منقطع ہیں، کسی صحیح سند سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ بیہقی کے مطابق از روئے نقل بھی یہ قصہ ثابت نہیں۔ ابن خزیمہ نے کہا کہ یہ زنادقہ کا گھڑا ہوا ہے۔ قاضی عیاض کے مطابق اس قصے کی کم زوری اس سے ثابت ہوتی ہے کہ صحاح میں اس کا ذکر نہیں ہے اور نہ یہ کسی صحیح متصل بے عیب سند کے ساتھ ثقہ راویوں سے منقول ہوا ہے۔ امام زہری، قاضی ابوبکر اور علامہ آلوسی نے اس واقعہ پر تفصیل سے بحث کی ہے اور اس کا رد کیا ہے۔ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ عقلاً اور نقلاً کسی بھی لحاظ سے یہ روایت ثابت نہیں ہے۔ (۱۴)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی مفسرین، محدثین اور مورخین کے صحیح نقطہ نظر پیش کرنے کے بعد یہ لکھتے ہیں:

"بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔ ہوسکتا ہے کہ زبان حق ترجمان صاحب وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ۔ (وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں فرماتے بلکہ وہی کلام فرماتے ہیں جو وحی کی جاتی ہے) سے بتوں کی تعریف ہو جائے اور یہ ناممکن ہے کہ حضورؐ قرآن میں ایسی چیز کا قصداً یا سہواً اضافہ فرمائیں جو قرآن میں سے نہ ہو، خصوصاً ایسی چیز کا اضافہ جو توحید کے سلسلے میں اپنی لائی ہوئی چیز کے منافی و برخلاف ہو۔" (۱۴)

☆☆☆

مآخذ و مراجع

(۱) محمد بن عبدالباقی الزرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، مطبعۃ الازہریۃ، مصر، ۱۳۲۵ھ، ج:۱، ص:۲۸۱

(۲) ابی جعفر محمد بن جریر الطبری، تاریخ الطبری (تاریخ الرسل والملوک) دارالمعارف القاہرہ، ۱۹۷۷ء، ج:۲، ص:۳۳۸

(۳) ڈاکٹر عبدالقادر جیلانی، اسلام پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، اریب پبلیکیشنز، نئی دہلی، ص:۲۸۲، بحوالہ: Kleine F.A.Rev, The Religion of Islam. p:19

(۴) ایضاً، ص:۲۸۹، بحوالہ: Montgomery Waatt. What Is Islam. p:78

(۵) ایضاً، ص:۲۹۰، بحوالہ: Stanlely Lanepool, Introduction to selection from Quran. p:XLIX

(۶) صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب فاسجدوا للہ واعبدوا۔ کتاب مناقب الانصار، باب مالقی النبی واصحابہ من المشرکین

(۷) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، دارالفکر، بیروت، لبنان، ۱۹۹۷ء، ج:۱، ص:۱۳۹۔ تاریخ الطبری، ج:۲، ص:۳۳۸

(۸) اسلام پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، ص:۲۹۱-۲۹۲

(۹) تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۰ء، ج:۳، ص:۵۸۶۔ سیرت سرور عالم، ج:۲، ص:۲۶۹

(۱۰) محمد حسین ہیکل، حیاۃ محمد، مکتبۃ النہضۃ المصریۃ، قاہرہ، ۱۹۵۲ء، ص:۱۶۵

(۱۱) سیرت سرور عالمؐ، ج:۲، ص:۲۶۶

(۱۲) فقہ السیرۃ، ص:۱۱۸ (حاشیہ)

(۱۳) شرح المواہب اللدنیہ، ج:۱، بحث: الغرانیق العلیٰ

(۱۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوۃ (مترجم: غلام معین الدین) مکتبہ دانش، دیوبند، ۱۹۸۱ء، ج:۲، جز:۶، ص:۱۰۱-۱۰۲

باب: دہم

تعدد ازدواج کا مسئلہ

اسلام نے بعض ناگزیر حالات میں تعدد ازدواج کی اجازت دی ہے لیکن عدل کی شرط کے ساتھ اس کو محدود کر دیا ہے۔ پھر بھی معاندین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام نے تعدد ازدواج کی اجازت دے کر عورتوں کی عزت وعصمت کو پامال کر دیا اور ان کے اختیارات اور آزادی کو سلب کر لیا ہے۔ خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بہ کثرت عمل کیا۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ (نعوذ باللہ) رسولؐ حد درجہ شہوت پرست تھے۔ انھوں نے عام لوگوں کو صرف چار بیوی رکھنے کی اجازت دی اور خود اس سے زائد بیوی کر کے جنسی تلذذ حاصل کرتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تعدد ازدواج کی اجازت کے باوجود مسلمانوں میں رائج تو ضرور رہا، مگر عام طور پر مسلمان یک زوجگی پر ہی عامل رہے۔ اس کے برعکس دیگر مذاہب کے ماننے والے کثرت سے عورتوں کو اپنے حرم میں داخل کیا اور ان سے جائز وناجائز طریقے سے جنسی تلذذ حاصل کرتے رہے ہیں۔ اس کا پورا تاریخی ریکارڈ موجود ہے۔

تعدد ازدواج اور انبیائے سابقین

انبیائے کرام کی زندگی کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی تعدد ازدواج پر عامل تھے، بلکہ بعض انبیاء کی بیویوں کی تعداد اتنی تھی کہ اس کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی تین بیویاں تھیں۔ (۱) حضرت یعقوبؑ کی چار بیویاں تھیں۔ (۲) حضرت موسیٰؑ کی دو بیویاں تھیں۔ (۳) حضرت داؤدؑ کی دس بیویاں تھیں۔ (۴) حضرت سلیمانؑ کی سات سو بیویاں اور تین سو حرمیں تھیں۔ (۵) حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰؑ نے شادی نہیں کی تھی، مگر انجیل متی کے ایک واقعہ

سے پتا چلتا ہے کہ ان کے زمانے میں بھی تعدد ازدواج کا رواج تھا۔(۶) بعض دوسری شہادتوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بیش تر انبیاء کثرت سے تعدد ازدواج پر عامل تھے۔

مختلف مذاہب میں تعدد ازدواج

تعدد ازدواج کسی نہ کسی شکل میں ہر مذہب کے ماننے والوں کے درمیان رائج تھا اور دنیا کے بیش تر ممالک میں اس کا رواج تھا۔ زمانہ قدیم میں ایران کے اندر نکاح کا کوئی قانون نہیں تھا بلکہ قریبی رشتے داروں سے بھی نکاح جائز تھا۔ مغربی ملکوں میں بھی عورتوں کو بہ کثرت اپنے حرم میں رکھنے کا رواج تھا۔ یہودی مصنف ابراہیم لیون کے بقول زمانہ قدیم میں تعدد ازدواج کی کوئی ممانعت نہ تھی، Ribbi Gershor نے فتوئی جاری کر دیا تھا کہ ایک شخص جتنی بیویاں چاہے رکھ سکتا ہے۔ عہد نامہ قدیم کے زمانہ میں تعدد ازدواج کی اجازت تھی اور توریتی قانون نے بھی اس کی ممانعت نہیں کی۔ انجیل کے زمانہ نزول میں تعدد ازدواج کو قبول عام کا درجہ حاصل تھا۔ اسے مذہبی اور معاشرتی طور پر نہ صرف تسلیم کیا جاتا تھا بلکہ اس پر کسی قسم کی تنقید یا اعتراض نہ ہوتا تھا۔ اس میں ایک شادی کو پسندیدہ فعل تو ضرور قرار دیا گیا ہے، لیکن ایک مخصوص طبقہ کے سوا کسی اور کو ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کی ممانعت نہیں کی گئی ہے۔ ابتدائے عیسائیت کے بعد کئی سو برس تک کلیسا کی کسی مجلس نے تعدد ازدواج کی مخالفت نہیں کی اور کئی عیسائی امرا اور سلاطین نے ایک سے زیادہ بیویاں رکھیں۔ یورپین مصنف ویسٹر مارک کے مطابق بعض عیسائی فرقے تعدد ازدواج کی بڑی شدت سے وکالت کرتے رہے۔ ۱۵۳۱ء میں عیسائیوں کے ایک فرقہ نے اس بات کی تبلیغ کی جو سچا عیسائی بننا چاہتا ہے اس کی بہت سی بیویاں ہونی چاہئیں۔ دنیا میں رائج تعدد ازدواج کی رسم پر روشنی ڈالتے ہوئے 'انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا' کے ایک مضمون کی روشنی میں یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ تعدد ازدواج کا رواج دنیا کے بیش تر ممالک اور قوموں میں میں پایا جاتا ہے اور ماضی قریب تک اس کا عام رواج تھا۔ اس کے علاوہ لوگ اور دوسرے ناجائز طریقے سے بھی جنسی تلذذ حاصل کرتے تھے اور اسے زیادہ معیوب بھی نہیں سمجھا جاتا تھا۔(۷)

قدیم ہندوستان میں تعدد ازدواج

تاریخ میں بہت سے ہندوستانی مذہبی رہنماؤں کے نام ملتے ہیں، جنھوں نے تعدد ازدواج پر عمل کیا ہے۔ شری رام چندر جی کے والد مہاراجہ دسرتھ کی تین بیویاں تھیں۔ راجہ چانڈ کے جو مشہور پانڈوؤں کا جد اعلیٰ ہے دو بیویاں تھیں۔ راجہ سنتن کی بھی دو بیویاں تھیں۔ بکرما ایرج کی دو بیویاں اور ایک لونڈی تھی۔ (۸) ویدک لٹریچر میں متعدد شہادتیں ملتی ہیں کہ تعدد ازدواج کا رواج معاشرے کے بعض طبقات میں پوری طرح رائج تھا۔ (۹) ابوالریحان البیرونی نے صراحت کی ہے کہ طبقاتی اعتبار سے ایک شخص کی متعدد بیویاں ہو سکتی ہیں۔ برہمن کے لیے چار، چھتری کے لیے تین، ویش کے لیے دو اور شودر کے لیے ایک۔ (۱۰) باوجود اس کے راجا اور امراء کثرت سے عورتوں کو داشتہ بنا کر رکھتے تھے۔ بعض صورتوں میں ایک عورت کئی مردوں کی بیوی ہوتی تھی، جس سے ایک ہی وقت میں ان کے تمام شوہر جنسی تعلق قائم کرتے تھے۔ آج بھی ہندوؤں میں زیادہ بیویاں رکھنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔

اسلام میں تعدد ازدواج کی اجازت

اسلام نے تعدد ازدواج کی بعض ناگزیر حالات میں صرف اجازت دی ہے، اس کی تاکید نہیں کی ہے۔ قرآن کریم میں صاف صاف فرمادیا گیا ہے کہ اگر کوئی ضروری سمجھتے ہوئے تعدد ازدواج کا میلان رکھتا ہو تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں، مگر اس بات کو ملحوظ رکھا جائے کہ ان کے درمیان انصاف اور عدل کا معاملہ کیا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝

(النساء: ۳)

"اور اگر تم کو اندیشہ ہو کہ یتیموں کے ساتھ انصاف نہ کر سکو گے تو جو عورتیں تم کو پسند آئیں ان میں سے دو دو تین تین چار چار سے نکاح کر لو لیکن اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ ان

کے ساتھ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو یا ان عورتوں کو زوجیت میں لاؤ جو تمہارے قبضے میں آئی ہیں۔ بے انصافی سے بچنے کے لیے یہ زیادہ قرین صواب ہے۔"

اسی سورہ میں آگے یہ بھی فرمایا گیا ہے:

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَ لَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَ اِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴿١٢٩﴾ (النساء:۱۲۹)

"بیویوں کے درمیان پورا پورا عدل کرنا تمہارے بس میں نہیں، تم چاہو بھی تو اس پر قادر نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا قانون الٰہی کا منشا پورا کرنے کے لیے یہ کافی ہے کہ ایک بیوی کی طرف اس طرح نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو ادھر لٹکتا چھوڑ دو۔ اگر تم اپنا طرز عمل درست رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو اللہ چشم پوشی کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"

اس رخصت کے اثرات وفوائد

عہد نبوی میں جب تک تحدید نکاح کے سلسلے میں کوئی واضح حکم نازل نہیں ہوا تھا لوگ کئی کئی شادیاں کرتے تھے۔ کثرت ازدواج کے معاملے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک معتدل اور متوازن حکم دیا تاکہ طبقہ اناث کی بے توقیری نہ ہونے پائے۔ گویا کہ اسلام نے کثرت ازدواج کی بالکلیہ ممانعت بھی نہیں کی اور نہ اس میں بے اعتدالی برتی بلکہ ایک درمیانی طریقہ اختیار کرتا ہے۔ دونوں صورتوں میں سے کسی ایک صورت پر بھی اسلام سخت ہو جاتا تو معاشرہ خلفشار میں مبتلا ہو جاتا۔ اسی طرح مرد بھی دوسری عورتوں کی تحدید نکاح کی آیت نازل ہونے کے بعد جن لوگوں کے پاس چار سے زیادہ بیویاں تھیں، انہیں معروف طریقے سے طلاق دے کر جدا کر دیا۔ اگر اس تعداد کی تحدید میں بھی کمی بیشی ہوتی تو توازن برقرار نہ رہتا اور ایک ضرورت مند آدمی کے حق میں زیادتی ہوتی۔ کیوں کہ چار کی تعداد ایک توانا تندرست اور شہوانی غلبہ کے حامل مرد کی سال بھر کی جنسی ضرورت کی تکمیل کر دیتی ہے اور اس سے آگے ضرورت باقی نہیں رہتی۔ (۱۱) مولانا عبدالماجد دریا آبادی لکھتے ہیں:

"یہ تعدد ازدواج کی اجازت ہرگز کوئی ایسی چیز نہیں جس پر کسی مسلمان کو

شرمانے اور اس کی طرح طرح کی تاویلیں کرنے کی ضرورت محسوس ہو۔ مرد کے قویٰ اور اس کی جسمانی ساخت وترکیب ہی ایسی نوعیت کی ہے کہ بہ کثرت مردوں میں ایک بیوی مرد کی طبعی خواہش کی تشفی کے لیے کافی نہیں ہوتی۔ مرد و عورت کے اتحاد و تناسل کا جہاں تک تعلق ہے مرد کا عمل چند منٹ کے اندر ختم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد مرد پر جسمانی حیثیت سے کوئی ذمہ داری نہیں رہ جاتی، برخلاف اس کے عورت کے لیے اس دو منٹی عمل کے نتائج کا سلسلہ دنوں اور ہفتوں نہیں، حمل اور رضاعت کی مدت ملا کر ڈھائی سال بلکہ اس سے بھی آگے تک پھیلا ہوا رہتا ہے۔ پھر زمانہ حمل کے علاوہ بھی ہر جوان، تندرست عورت کے لیے ہر مہینے ایک ایک ہفتہ کی معذوری ایک امر طبعی ہے، اور وہ قانونی نظام کامل نہیں ناقص ہے جو مرد کی طبعی ضرورتوں کی طرف سے آنکھ بند کرے اور عورت کی طبعی معذوریوں کا لحاظ کر کے مرد کے لیے کوئی شہوت جائز نہ رکھے۔" (۱۲)

مردوں کے ان جائز اور فطری تقاضوں کو ملحوظ رکھا جائے تو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ شریعت اسلامیہ میں حد درجہ اعتدال اور توازن ہے، نہ تو اس نے زمانہ جاہلیت کی غیر محدود کثرت ازواج کی اجازت دی اور نہ اس میں اتنی تنگی رکھی کہ ایک سے زائد بیوی نہ رکھی جائے۔ بلکہ بین بین حالت کو برقرار رکھا اور معاشرہ کو گندگی سے محفوظ کرنے کا بہترین نسخہ انسانیت کو فراہم کر دیا۔ (۱۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مثالی شخصیت کی بنا پر ۴۰ سالہ بیوہ حضرت خدیجہؓ کی آرزوؤں اور خواہشوں کا مرکز بن گئے۔ عمر کی زیادتی کی بنا پر حضرت خدیجہؓ کو ہم عمر اور تجربہ کار رفیق کی ہی ضرورت تھی۔ لیکن انہوں نے اپنی عمر سے ۱۵ سال کم نوجوان کو رفیق سفر منتخب کیا۔ حضورؐ چاہتے تو یہ سوچ کر اس سے انکار کر دیتے کہ ایک نوجوان کا سن رسیدہ عورت سے کیا واسطہ۔ اس کے باوجود آپؐ نے یہ رشتہ منظور فرمایا۔ یہاں تک کہ آپ نے عمر عزیز کے انتہائی قیمتی ۲۵ سال حضرت خدیجہؓ کے ساتھ گزار دیے۔ جب حضورؐ کی عمر ۵۰ سال کی ہوئی تو وہ داغ مفارقت دے گئیں اور آپ تنہا ہو گئے۔ اچانک بچوں کی تربیت و نگرانی کی ذمہ داری درپیش تھی۔

تو آپؐ نے مشہور و معروف روایت کے مطابق حضرت سودہؓ سے شادی کی جو آپ کی ہم عمر بیوہ خاتون تھیں۔ اگر آپؐ پر نفسانی خواہش کا غلبہ ہوتا تو آپؐ جو شادی کرتے وہ کم از کم کسی کنواری خاتون سے کرتے۔ کوئی اور نہ سہی حضرت زینبؓ پھوپھی زاد بہن آپؐ کی نظروں کے سامنے تھیں۔ جو حسین و جمیل تھیں اور ان کے دل میں آپؐ کے لیے پہلے سے جگہ تھی۔(۱۴) کوئی بھی شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ نبیؐ پر نفسانی خواہشات کی پیروی کا الزام صادق نہیں آتا۔ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو عمر عزیز کے ۲۵ سالوں میں اس سے زیادہ تعداد میں شادی کرتے جو ہجرت مدینہ کے بعد کیا۔ حالانکہ اس وقت تک کثرت ازواج کی کوئی بندش بھی نہیں تھی اور عمر بھی ایسی تھی کہ جس میں نفسانی خواہشوں کا غلبہ ہوتا ہے، اسی عمر میں آدمی بھٹکتا ہے اور غیر ذمہ دارانہ فعل انجام دیتا ہے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ نبیؐ کی رسالت کے انکار کے سلسلے میں کفار و مشرکین اور منافقین نے آپؐ پر مختلف قسم کے الزام لگائے اور عیوب نکالے، مگر ان لوگوں نے آپ کے متعلق کبھی یہ رائے قائم نہیں کی کہ آپؐ حد درجہ شہوت پسند ہیں کہ بیوی پر بیوی کیے جا رہے ہیں۔ خود تو زیادہ شادیاں کرتے ہیں اور دوسروں کو چار بیویوں کا ہی پابند کرتے ہیں۔ جب زینب بنت جحش سے آپ کا نکاح ہوا تو اس وقت تک آپ کے حرم میں چار بیویاں موجود تھیں۔ مگر ان لوگوں کو اس پر اعتراض نہیں تھا کہ آپ پانچویں بیوی کو اپنے گھر میں داخل کر رہے ہیں، بلکہ اس پر اعتراض تھا کہ اپنے منھ بولے بیٹے کی بیوی سے شادی کر رہے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کثرت ازدواج کی خصوصی رعایت

حضورؐ نے تعدد ازدواج پر عمل کیا اور کئی شادیاں کیں۔ آپ نے یہ شادیاں ترپن سے ساٹھ سال کے درمیانی عرصے میں کیا اور ان میں سوائے حضرت عائشہؓ کے سب بیوہ تھیں۔ عمر کے آخری تین سالوں میں جب کہ پورے جزیرۃ العرب پر آپؐ کا اقتدار قائم ہو گیا تھا، مزید کوئی شادی نہیں کی اور اس رخصت سے آپ نے کوئی فائدہ نہ اٹھایا، جو اللہ نے آپ کو نکاح کے سلسلے میں دے رکھی تھی۔ پہلے سے جتنی بیویاں بقید حیات تھیں ان پر ہی قانع رہے۔ آپ پر خواہش نفسانی کا غلبہ ہوتا تو کم از کم تین سال کے حساب سے تین شادیاں اور کرتے۔ آپ کے

لیے رشتوں کا قحط نہ تھا۔ مگر چوں کہ جس مصلحت کے تحت آپ نے یہ شادیاں کی تھیں اس کی ضرورت بڑی حد تک ختم ہو چکی تھی اور فرمان الٰہی بھی آپ کے سامنے واضح تھا کہ اس بندش سے آپ کو آزاد کر دیا گیا ہے جو عام لوگوں کے لیے ہے۔ البتہ چند مزید دوسری تحدید زائد نکاح کے سلسلے میں آپ پر عائد کر دی گئیں، جس کی وضاحت سورۂ احزاب (آیت:۵۰) میں موجود ہے۔

کثرت ازدواج کا سبب اصحاب کی دل جوئی تھا

ہجرت مدینہ کے بعد آپؐ نے کوئی ۸ شادیاں کیں۔ ان کے اسباب پر غور کریں تو معاندین اسلام کے سارے اعتراضات کی جڑ خود بہ خود کٹ جاتی ہے۔ ان میں سے ایک سبب یہ تھا کہ اس کے ذریعے ٹوٹے اور آزردہ دلوں کی دل جوئی کی جائے۔ جن عورتوں سے آپ نے نکاح کیا وہ کوئی معمولی عورتیں نہ تھیں، بلکہ معزز گھرانے سے ان کا تعلق تھا۔ انہوں نے آپ کی آواز پر لبیک کہا اور اسلام قبول کر کے طرح طرح کی اذیتوں سے دوچار ہوئیں۔ ان کے شوہر راہ خدا میں شہید ہوئے۔ اگر ان کے ساتھ حضورؐ خود نکاح نہ کرتے اور ان کا کسی دوسرے صحابی سے نکاح کرا دیتے تو اس میں کوئی ممانعت بھی نہ تھی، لیکن آپ نے ان کی برتری اور عزت نفس کا خیال رکھا اور انہیں اپنے حبالہ عقد میں لے کر ان کی عزت و توقیر فرمائی۔

ام المومنین حضرت سودہؓ سے نکاح کرنے کی وجہ ان کا ہجرت حبشہ اور وہاں جا کر ان کے بیوہ ہو جانے کا حادثہ تھا۔ آپ نے حضرت عمرؓ کی صاحب زادی حضرت حفصہؓ سے ۳ھ میں نکاح کیا۔ انہوں نے بھی اپنے خاوند کے ساتھ ہجرت کی تھی۔ ان کے شوہر کا انتقال غزوۂ بدر میں ہو گیا۔ جب یہ بیوہ ہو گئیں تو حضرت عمرؓ کو ان کی شادی کی فکر لاحق ہوئی۔ انہوں نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عثمانؓ سے کہا کہ آپ ان سے شادی کر لیں مگر ان لوگوں نے انکار کر دیا۔ بعد میں اللہ کے رسولؐ نے حضرت حفصہؓ سے شادی کی۔

اسی سال آپ نے حضرت زینب بنت خزیمہؓ سے نکاح کیا۔ یہ چند ماہ ہی آپ کے نکاح میں رہیں اور ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کے پہلے شوہر عبداللہ بن جحش تھے جو ۳ھ میں غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے۔ عبداللہ سے پہلے وہ دو شوہر دیدہ تھیں۔

۴ھ میں آپ نے ام سلمہؓ سے نکاح کیا۔ان کے پہلے شوہر ان کے چچازاد بھائی ابوسلمہ بن الاسد مخزومی تھے۔انہوں نے اپنے شوہر کے ساتھ ہجرت حبشہ کی تھی، پھر مدینہ ہجرت کر کے آگئے۔غزوہ احد میں ان کے شوہر کو ایک کاری زخم لگا جو آگے چل کر موت کا سبب بن گیا۔ عدت گزرنے کے بعد رسولؐ نے ان سے نکاح کیا۔حالاں کہ یہ عیال دار تھیں۔

حضرت زینب بنت جحشؓ سے آپؐ نے ۵ھ میں شادی کی۔یہ آپ کی پھوپھی زاد بہن بھی تھیں۔آپؐ نے ان کی شادی اپنے ایک آزاد غلام زید بن حارثہ سے ایک بری رسم کی اصلاح کے لیے کروائی تھی، مگر بعض وجوہ سے دونوں کا نباہ نہ ہو سکا اور طلاق واقع ہوگئی۔آپؐ نے ان کی دل جوئی کے لیے نکاح کر لیا۔اسی شادی کے موقع پر اللہ نے آپ کو اجازت دی کہ آپ چار سے زیادہ بیوی کر سکتے ہیں اور یہ میری طرف سے صرف آپ کے لیے رخصت ہے نہ کہ آپ کی امت کے لیے۔

اسی ۵ھ میں حضرت جویریہ بنت حارثؓ سے آپ کی شادی ہوئی۔غزوہ مریسیع میں ان کے شوہر سافع بن صفوان مصطلقی مارے گئے اور حضرت جویریہؓ بچوں اور عورتوں کے ساتھ گرفتار ہوئیں۔آپؐ نے ان کا بدل کتابت ادا فرمایا اور آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا۔

۶ھ میں ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کو آپؐ نے اپنے نکاح میں لیا۔یہ ابوسفیان بن حرب کی بیٹی تھیں۔یہ پہلے عبیداللہ بن جحش کی زوجیت میں تھیں، میاں بیوی دونوں نے ہجرت حبشہ کی، مگر عبیداللہ بن جحش وہاں پہنچ کر نصرانی ہوگیا۔آپؐ نے عمر بن امیہ ضمری کو شاہ نجاشی کے پاس بھیجا، تاکہ ان کا نکاح نبیؐ کے ساتھ کر دیں۔چنانچہ ام حبیبہؓ نے خالد بن سعید العاصؓ کو اپنا وکیل بنایا اور انہوں نے محمدؐ سے ان کا نکاح کر دیا۔

۷ھ میں آپ نے حضرت صفیہ بنت حیؓ سے نکاح کیا۔ان کے شوہر کنانہ بن ربیع خیبر کے موقع پر قتل ہوئے اور صفیہ قیدی بنا کر لائی گئیں۔آپؐ نے ان کی نسبی فوقیت کا لحاظ کرتے ہوئے ان کو اپنے لیے منتخب فرمایا۔ان کے مشرف بہ اسلام ہو جانے پر ان کو آزاد کر دیا اور ان کے ساتھ نکاح کر لیا۔

اسی سال آپؐ نے حضرت میمونہ بنت حارثؓ کو اپنے عقد میں لیا۔وہ آپؐ سے پہلے ابورہم بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں تھیں، جن کا انتقال ہو چکا تھا، یہ اس وقت آپؐ کی زوجیت

میں آئیں جب آپ عمرۂ قضاء کے لیے گئے تھے۔ ابن سعد کے مطابق یہ آپؐ کی آخری بیوی ہیں، اس کے بعد آپ نے کسی اور خاتون سے نکاح نہیں کیا۔(۱۵)

اسلام کی توسیع اور عداوتوں کا خاتمہ

آپؐ نے توسیع اسلام کی خاطر مختلف قبیلوں اور خاندانوں کی خواتین سے شادی کی تا کہ ان کی عداوت میں کمی آئے۔ آپ کی ازواج مطہرات پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب مختلف قبائل اور خاندانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔

بعض اعدائے اسلام کی بیٹیوں سے شادی کرنے سے بڑی حد تک ان کی عداوت ختم ہوگئی۔

یہ امر واقعہ ہے کہ اس طرح آپ اپنے مقصد میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے۔ حضرت ام حبیبہؓ ابوسفیان کی لڑکی تھیں۔ اس وقت ابوسفیان کی اسلام دشمنی زوروں پر تھی، جب انہیں اپنی بیٹی کے نکاح کی خبر ملی تو بلا اختیار ان کی زبان سے یہ جملہ نکلا: ھو الفحل لا یخدع انفه (محمدؐ جواں مرد ہیں ان کی ناک نہیں کاٹی جاسکتی) یعنی یہ کہ وہ بلند ناک والے مرد ہیں، ان کو ذلیل کرنا آسان نہیں۔ ادھر ہم ان کو ذلیل کرنے کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں اور ادھر ہماری لڑکی ان کے نکاح میں چلی گئی۔ اس طرح ابوسفیان کی مخالفت ڈھیلی پڑ گئی اور کچھ عرصہ بعد ان کے دونوں فرزند معاویہ و یزید حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ ام المومنین حضرت میمونہ بنت حارثؓ کے بعد نجد کے فتنے ختم ہوگئے اور ان کی عداوتوں میں کمی آگئی۔(۱۶)

حضورؐ کی زندگی کا ہر گوشہ امت کے سامنے آنا بھی ضروری تھا

ہر انسان کی زندگی کے مختلف رنگ، روپ اور پہلو ہوتے ہیں۔ ایک آدمی اپنے اندرون خانہ تو بہت اچھا ہو، لیکن عام لوگوں کی نظر میں وہ ایسا نہ ہو، کوئی ضروری نہیں۔ اسی طرح اس کے برعکس بھی ہوسکتا ہے۔ چوں کہ حضورؐ پوری انسانیت کے لیے نمونہ بنا کر مبعوث کیے گئے تھے، اس لیے ضروری تھا کہ آپ کی زندگی کے دونوں گوشے امت کے سامنے آجائیں۔ خارجی گوشہ تو آپ کا واضح تھا، کیوں کہ آپ کے تمام اقوال و افعال صحابہ کے سامنے تھے، لیکن اندرونی

گوشہ امت کے سامنے لانے کے لیے اس کے سوا کیا صورت ہو سکتی تھی کہ آپ کی زیادہ بیویاں ہوں۔ چنانچہ آپ کی اندرون خانہ اخلاقی حالت کو آپ کی ازواج مطہرات نے بڑے ہی اچھے انداز میں لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ کس طرح آپؐ ذکر وفکر کیا کرتے ہیں۔ راتوں کو کثرت سے نوافل و تہجد کا اہتمام کرتے اور اپنے رب کے حضور راز و نیاز کی باتیں کرتے ہیں۔ کسی سے لین دین کرتے تو اس کو کہاں تک نبھاتے ہیں۔ اپنے اعزا و احباب اور پڑوسیوں کا کس حد تک خیال فرماتے ہیں۔ ماتحت لوگوں کی کتنی عزت و توقیر کرتے ہیں۔ بیویوں کے درمیان کس طرح عدل کرتے ہیں اور ان کی ضرورتوں اور ان کے حقوق کا کتنا لحاظ کرتے ہیں۔ یہ سب اخلاقی و معاشرتی تعلیمات ازواج مطہرات کے ذریعے ہی امت کے سامنے واشگاف ہوئیں۔

حسن معاشرت کا اظہار

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جہاں عورتیں زیادہ ہوتی ہیں چہ می گوئیوں کا بازار گرم رہتا ہے اور بعض وقت ایک دوسرے سے عداوت بڑھ جاتی ہے۔ حضورؐ کی ازواج مطہرات کو دیکھیں نو بیویاں ایک جگہ جمع ہیں۔ سب کی سب مختلف خاندان اور قبیلے سے تعلق رکھتی ہیں۔ کوئی مال دار باپ کی بیٹی ہے تو کوئی متوسط خاندان کی دختر نیک اختر، کوئی کنواری ہے تو کوئی بیوہ تو کوئی مطلقہ۔ کوئی عمر میں چھوٹی ہے تو کوئی بڑی، کسی کا تعلق مکہ سے ہے تو کسی کا مدینہ سے، کوئی مزاج کی گرم ہے تو کوئی نرم، کوئی بہت زیادہ فہیم اور عالمہ ہے تو کوئی معمولی شد بد رکھنے والی ہے۔ گویا کہ ہر رنگ، مزاج، تمدن اور زبان کی حامل خواتین کا آپ کے گھر میں اجتماع تھا۔ جب کہ گھر کی مالی حالت یہ تھی کہ کھانے کے لیے کئی کئی دن تک چولہا نہ جلتا تھا۔ غربت و افلاس کے بادل ہر وقت منڈلاتے رہتے تھے۔ اس کے باوجود امہات المومنین آپس میں اس انداز اور سلیقے سے رہتی ہیں کہ ایک کو دوسرے سے کوئی شکایت اور رنجش نہیں ہوتی۔ سب ایک دوسرے کی رفیق اور معاون ہیں اور سب اپنے شوہر نام دار کی عزت و مقام کا پورا پورا خیال رکھتی ہیں اور کسی طرح سے ان کی دل شکنی نہیں کرتیں، جس حال میں بھی ہیں خوش ہیں۔ اس طرح آپ اپنے امتیوں کو یہ تعلیم دینا چاہتے تھے کہ ایک سے زائد بیویوں سے کس طرح سلوک کیا جاتا ہے اور خواتین کو بھی سکھانا چاہتے تھے کہ تعدد ازدواج کی صورت میں شوہر سے اور ایک دوسرے سے ان کا رویہ

کیا ہونا چاہیے۔ آپ نے اپنی تمام بیویوں کے درمیان حد درجہ مساوات کا خیال رکھا حالاں کہ عام امتی کی طرح اس مساوات سے آپ کو آزاد کر دیا گیا تھا۔ خود حضورؐ اللہ سے دعا کرتے تھے: "یا اللہ جس چیز میں میرا اختیار ہے (یعنی نان نفقہ کی ادائگی اور شب باشی میں) اس میں میں نے تو برابری کر لی مگر جس میں میرا اختیار نہیں ہے اس معاملے میں مجھے ملامت نہ فرمانا۔" اس سے مراد دل کی محبت ہے کسی سے زیادہ اور کسی سے کم۔ باوجود اس کے آپ اپنی بیویوں کی اتنی رعایت فرماتے تھے کہ گویا کہ یہ آپ پر واجب تھا حالاں کہ یہ آپ کا محض فضل و کرم تھا۔ (۱۷)

تعلیم دین کی اشاعت

حضورؐ کی مدنی زندگی کا مطالعہ کریں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا زیادہ وقت استحکام دین کی سعی کرنے، مسلمانوں کو اعدائے اسلام کے حملے سے بچانے اور صحابہ کرام کی تعلیم و تربیت اور تفہیم دین میں صرف ہوتا تھا۔ سفر میں بھی یہی معمول تھا۔ چوں کہ عورتیں اس طرح کی سرگرمیوں میں یا پھر آپ کی مجلسوں سے اس طرح استفادہ نہیں کر سکتی تھیں جس طرح مرد کرتے تھے۔ اس لیے ضروری تھا کہ کوئی ایسا ذریعہ بروئے کار لایا جائے جس سے عورتوں کی تعلیم و تربیت کا بہتر انتظام ہو سکے۔ اس کے لیے اچھی صورت یہی ہو سکتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ عورتیں آپ کے نکاح میں آئیں اور آپ سے عورتوں کے نازک اور حساس مسائل کو سمجھ بوجھ کر دوسروں تک منتقل کریں۔ یہی وجہ ہے کہ امہات المومنین نے بغیر کسی جھجک اور حجاب کے حضورؐ سے علمی فیض حاصل کیا اور پھر اسے دوسروں تک منتقل کیا۔ ان کے ذریعہ ان مسائل کی تفہیم و تشریح نہ ہوتی تو آج تک مسلم امت مسائل و مشکلات سے دوچار رہتی۔ جن مسائل تک بعض کبار صحابہ، مفسرین، محدثین اور فقہاء کی نظر نہیں پہنچتیں انہیں امہات المومنین نے کھول کر بیان کر دیا ہے۔ بعض مسائل کو ٹھیک طریقے سے بیان کرنے میں صحابہ کرام کو دشواری ہوتی تو وہ براہ راست ازواج مطہرات سے رجوع کرتے۔ اس طرح امت کو دو فائدے پہنچے۔ ایک یہ کہ امت مسلمہ کی خواتین کے نازک مسائل واشگاف ہو گئے تو دوسرے عام لوگوں کے لیے علم کے دروازے کھل گئے۔ کتنے لوگوں نے ازواج مطہرات سے اکتساب علم کیا ہے اور ان کی علمی مجلسوں سے فائدہ اٹھایا ہے۔ بے شمار احادیث ازواج مطہرات سے مروی ہے اور بڑی تعداد میں ان کے

شاگرد ہوئے۔ حضرت عائشہؓ کے متعلق مذکور ہے کہ دو سو شاگردوں نے ان سے علم حاصل کیا ہے اور انہوں نے ۲۰۱۰ حدیثیں روایت کی ہیں۔ حضرت ام سلمہؓ سے ۳۷۸، حضرت ام حبیبہؓ سے ۶۵، حضرت میمونہؓ سے ۷۶، حضرت حفصہؓ سے ۶۰ حضرت صفیہؓ سے ۱۰ اور حضرت سودہؓ سے ۵ روایتیں نقل ہوئی ہیں۔ (۱۸) حضرت ام سلمہؓ کے فتاویٰ کے متعلق علامہ ابن قیم لکھتے ہیں کہ اگر ان فتاویٰ کو جمع کیا جائے جو انہوں نے حضورؐ کی وفات کے بعد دیے ہیں تو ایک رسالہ مرتب ہو سکتا ہے۔ (۱۹) ان خدمات کے علاوہ ان کے ذریعہ اشاعت اسلام کا کام بھی کثرت سے ہوا ہے اور بڑی تعداد میں لوگوں نے ان کے اخلاق و کردار سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا ہے۔

چنانچہ حضورؐ کے کثرت ازدواج کو ایک ضروری امر قرار دیتے ہوئے ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں:

> ''کئی باتیں ایسی ہیں جو کوئی خاتون مارے شرم کے کسی مرد سے پوچھ نہیں سکتی۔ وہ کسی دوسری عورت سے وہی سوال آسانی سے کر سکتی ہے۔ چنانچہ مسلم معاشرہ میں پڑھی لکھی خاتون کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ بھلا رسول خدا کی ازواج مطہرات سے زیادہ عالم کون سی خاتون ہو سکتی تھی، جو ہر وقت اللہ کے نبی کے ساتھ رہتی تھیں اور انہی سے (اسلام کے اصول وقوانین) سیکھتی تھیں۔ اگر رسولؐ کی صرف ایک زوجہ مطہرہ ہوتیں تو اس بات کی کیا ضمانت تھی کہ وہ طویل عمر پاتیں۔ کسی شخص کی جتنی زیادہ بیویاں ہوں گی اتنا ہی یہ امکان بھی زیادہ ہوگا کہ ان بیویوں میں سے بعض زیادہ عرصہ زندہ رہیں گی۔ رسولؐ کی جتنی احادیث پیغمبر کی ازواج مطہرات سے مروی ہیں اور جتنے فتوے انہوں نے دیے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات کتنی ذہین اور عقل سلیم کی مالک تھیں۔ پھر انہوں نے پاکیزہ اور انسانی ہمدردی سے پر زندگی کی عملی مثالیں پیش کی ہیں''۔ (۲۰)

عام مسلمانوں کے مقابلے میں حضورؐ کے لیے پابندیاں زیادہ تھیں

عام مسلمانوں کو اجازت تھی کہ وہ بیک وقت چار بیویوں کو اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے۔ اگر کسی وجہ سے یہ تعداد گھٹ جائے تو وہ جب چاہے اور جس سے چاہے نکاح کر سکتا ہے۔ اس طرح وہ باری باری جتنی عورتوں سے چاہے نکاح کر لے تو شرعاً اس پر کوئی پابندی عائد نہیں ہوتی، جب کہ وہ سب کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی نہ کرتا ہو۔ جب کہ نبی اکرمؐ کو کثرت ازدواج کی

خصوصی رعایت دے کر اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو کئی باتوں کا پابند بنایا۔ اپنے قریبی رشتہ داروں میں جن سے عام مسلمان شادی کر سکتے ہیں حضورؐ ان سے شادی نہیں کر سکتے تھے۔ اسی کے ساتھ آپ کو اس امر کا بھی پابند بنایا گیا کہ آپ اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دے سکتے۔ اسی طرح مسلمانوں کے لیے یہ رخصت ہے کہ وہ اہل کتاب کی عورتوں سے شادی کر سکتے ہیں، جب کہ حضورؐ کے لیے ضروری تھا کہ وہ مومنہ عورت سے شادی کریں۔

اقتدار کے نشہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعداد ازدواج پر نہیں ابھارا

حضورؐ کو فتح مکہ تک اسلامی ریاست کے استحکام وقیام میں بڑی محنت کرنی اور جنگیں لڑنی پڑیں۔ اگرچہ اس سے قبل کفار سے جتنی بھی لڑائیاں ہوئیں اسلام کا پلڑا بھاری رہا، مگر کسی بھی جنگ کے آغاز میں اللہ کے رسول کو اپنی فوج کے سہارے کلی اطمینان حاصل نہ تھا کہ ہم اپنے جواں مرد مجاہد اور عمدہ ہتھیار اور اسلحہ کے ذریعہ دشمنان دین سے جنگ جیت لیں گے، بلکہ آپ نے جو بھی مقابلہ کیا وہ اپنے دفاع کے لیے کیا اور ہر جنگ کے آغاز سے قبل اللہ کے رسولؐ رب کے سامنے دست بدعا ہوتے: یا اللہ عزت وذلت کا تو ہی مالک ہے ہم تیری نصرت کی امید پر اور دین کی حفاظت کی خاطر آگے بڑھ رہے ہیں، تو ہماری غیب سے مدد فرما۔ گویا کہ فتح مکہ تک آپ کو کلی اقتدار حاصل نہ ہوا تھا، بلکہ تدریجی دور سے گزر رہے تھے۔ اسی دور میں آپؐ نے کئی شادیاں کیں۔ مگر فتح مکہ کے بعد آپ بڑی حد تک پورے جزیرۃ العرب کے حکمراں بن گئے لیکن اس کے بعد آپ نے کوئی شادی نہیں کی۔ اگر اقتدار کا نشہ ہوتا تو تعداد ازدواج آخری ایام میں بڑھ جانا چاہیے تھا، جب کہ آخری چار سالوں میں ازواج کی تعداد میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ ہاں کثرت کا تعلق اقتدار سے ہی ہے تو پھر معاندین کو یہ مان لینا چاہیے کہ یہ اقتدار مدنی دور کی ابتدا میں ہی مسلمہ ہو چکا تھا۔ (۲۱)

تعداد ازدواج بعض صورتوں میں شدید ضرورت بن جاتی ہے

بعض لوگ اتنے توانا اور تندرست ہوتے ہیں کہ ایک بیوی سے ان کی جنسی ضرورت پوری نہیں ہوتی۔ جب کہ عورت شوہر کے اس داعیہ کی بار بار تکمیل شادی کے بعد کچھ عرصہ تک تو

کر سکتی ہے مگر زیادہ دنوں تک وہ اس کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ اس کے علاوہ ہر مہینے میں کچھ دنوں تک وہ اس قابل نہیں رہتیں کہ شوہر اس سے جنسی تعلق قائم کرے۔ اسی طرح حمل کے دنوں کی پریشانی تقاضا کرتی ہے کہ مرد اپنی بیوی سے جنسی تعلق قائم نہ کرے۔ ولادت کے بعد کم از کم چالیس دنوں تک عورت اپنے شوہر کے لیے قابل انتفاع نہیں رہتی۔ رضاعت کا زمانہ بھی ایسا ہے کہ مرد مطمئن ہو کر بیوی سے نہیں مل سکتا۔ اگر عورت کو حمل ٹھہر گیا تو پہلے بچہ کے لیے دودھ پینے اور پلانے کا مسئلہ کھڑا ہو جاتا ہے اور عورت کی صحت خراب ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بعض عورتیں دائم المرض ہوتی ہیں اور وہ تعلقات زن وشو کے قابل نہیں ہوتیں یا ازدواجی تعلقات اس کی زندگی اور اس کی صحت کے لیے مہلک ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں عورت کو طلاق دے کر الگ کر دینا بھی اچھی بات نہیں۔ بعض عورتیں بانجھ ہوتی ہیں جب کہ مرد کے لیے بعض حالات میں اولاد ناگزیر ضرورت بن جاتی ہے۔ بعض عورتیں سخت مزاج ہوتی ہیں، اس کی بدمزاجی سے گھر کا ماحول درہم برہم اور سکون چھن جاتا ہے، یہاں تک کہ بعض وقت وہ وظیفہ جنسی کے لیے بھی تیار نہیں ہوتی۔ کبھی کبھی اچھے رشتوں کی کمی کی وجہ سے والدین اپنی لڑکیوں کا نکاح شادی شدہ مرد سے کر دیتے ہیں تا کہ وہ عزت کی زندگی گزار سکے۔ ان حالات میں مرد اپنے جنسی جذبات کو کیسے پورا کرے، کیا وہ ناجائز طریقہ اختیار کرے۔ اسی طرح عورت بالعموم ۵۰ سال تک ہی بچے جننے کی صلاحیت رکھتی ہے، جب کہ مرد کے اندر بارآوری کی صلاحیت اس سے بہت زیادہ دنوں تک باقی رہتی ہے۔ اس وقت تک اس کے اندر حصول اولاد کا داعیہ پیدا ہوتا رہے گا، اس کی تلافی کی کیا صورت ہوگی۔ عورت فطری طور پر مجبور ہے، لیکن مرد کے لیے یہ خارجی پریشانی ہے جس کی تلافی کی جائز صورت یہی ہے کہ اس کے پاس دوسری بیوی ہو۔

تعدد ازدواج کی ممانعت عورتوں کے حق میں بھی ظلم ہے

اگر اسلام تعدد ازدواج کی اجازت نہیں دیتا تو عورتوں پر ظلم ہوتا اور وہ بے سہارا اور بے یار ومددگار ہو کر رہ جاتیں۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ عورت اور مرد پیدا تو برابر ہوتے ہیں، لیکن عورتوں سے زیادہ مرد آفات دنیا کا شکار ہوتے ہیں۔ زندگی کی دوڑ بھاگ میں انہیں بڑی مشکل اور کٹھن راہوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ ملک کی خدمات اور عوام کی حفاظت کی ذمہ داری بھی مرد ہی

انجام دیتے ہیں جن کی موت وحیات کا کسی کو بھی یقین نہیں۔ جنگوں میں مرد ہی معرکہ آرائی کرتے ہیں، جب کہ عورتیں ان ذمہ داریوں سے آزاد ہوتی ہیں۔ اگر اس میں سے چار مرکھپ گئے تو وہ ان چار لڑکیوں کا جوڑ کیا ہوگا، کیا وہ یوں ہی اپنی عمر کو ضائع کردیں گی یا وہ اپنا گھر بسائیں گی اور زندگی کا لطف اٹھائیں گی، یا پھر وہ غلط طریقے سے اس ضرورت کی تکمیل کریں گی۔ خاص طور پر مغربی ملکوں میں عورتوں کی آبادی مردوں سے زیادہ ہے، امریکہ میں عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلے میں ۷۸ لاکھ زیادہ ہے۔ صرف نیویارک میں ہی عورتوں کی آبادی مردوں سے لگ بھگ دس لاکھ زیادہ بتائی جاتی ہے۔ برطانیہ میں خواتین کی آبادی مردوں کے مقابلے میں چالیس لاکھ زیادہ ہے۔ جرمنی میں عورتوں کی تعداد مردوں سے پچاس لاکھ زیادہ ہے۔ روس میں ۹۰ لاکھ سے زیادہ خواتین ہیں۔ (۲۲) موجودہ تناظر میں اگرچہ ہندستان میں خواتین کی تعداد مردوں سے زیادہ نہیں ہے، لیکن لڑکیوں کو بچپن میں قتل کرنے اور اسقاط حمل کی وارداتوں کو ضرور ذہن میں رکھا جائے۔ ایسی صورت میں تعدد ازدواج کی اجازت عورتوں کے حق میں یقیناً مفید ہے۔ اگر مردوں کو صرف ایک بیوی رکھنے کی ہی اجازت ہو تو ان مزید عورتوں کا کیا ہوگا؟ اس کے لیے اس کے سوا کیا راستہ ہوسکتا ہے کہ وہ شادی شدہ مردوں سے شادی کرکے جائز طریقے سے زندگی کا لطف اٹھائیں اور عزت کی زندگی بسر کریں۔

اسلام کے تعدد ازدواج کی اہمیت کا اعتراف

اسلام نے تعدد ازدواج کی جو اجازت دی ہے اس میں بہت سے فوائد اور کثیر مصالح ہیں۔ اس کا اعتراف بعض مستشرقین نے بھی کیا ہے۔ چند دنوں قبل ہندستان میں بھی اس مسئلہ پر بڑی گرما گرمی رہی ہے اور معاندین اسلام نے غلط رخ دے کر عدالت عظمیٰ میں پیش کیا۔ تاکہ اسلام کی اس رخصت پر قدغن لگائی جاسکے اور مسلمان اس رخصت سے فائدہ نہ اٹھاسکیں۔ بڑے بڑے مفکرین اور قانون دانوں نے اس مسئلہ پر غور کرنے کے بعد اس رخصت کو مستحسن قرار دیا اور نتیجہ کے طور پر کہا کہ اسلام میں اس کی اجازت کے باوجود مسلمان تعدد ازدواج پر کم ہی عمل کرتے ہیں۔ جب کہ ہندوؤں میں مذہبی طور پر اس کی ممانعت ہونے کے باوجود اس کا رواج اور رجحان زیادہ ہے۔

ابھی حال میں لاء کمیشن آف انڈیا نے ایک رپورٹ وزارت قانون کو پیش کی ہے اس میں اسلام کے تعدد ازدواج کی اہمیت وافادیت کو تسلیم کیا ہے اور ہندو قانون نکاح کی بڑی حد تک دھجیاں اڑائی گئی ہیں۔ اس میں اس بات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے کہ اسلام نے تعدد ازدواج کی جو اجازت دی ہے اس کو لوگ توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں اور اسے مسلمانوں کے حق میں غیر منصفانہ قانون قرار دیتے ہیں، جو کہ درست نہیں ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے:

> ”عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ مسلم قانون میں مرد کو ایک بیوی کے ہوتے ہوئے بے روک ٹوک دوسری شادی کا حق ہے۔ لیکن جب ہم قرآن اور شرعی قوانین کے دوسرے مآخذات پر غور وفکر کرتے ہیں تو یہ خیال درست نہیں لگتا۔ اسلامی قانون ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت درحقیقت اس تصور کے ساتھ دیتا ہے کہ ایک شوہر کے ساتھ ایک سے زیادہ بیویاں خوشی خوشی زندگی بسر کر لیں گی۔ پہلی بیوی کو چھوڑ کر یا اس سے بے تعلق ہو کر دوسری بیوی لے آنا اسلام کا تصور کثرت ازدواج نہیں ہے۔“ (۴۳)

کمیشن نے یہ بھی باور کرایا ہے کہ اسلام نے بیوی کے جائز تعلقات میں ایک توازن قائم کیا ہے اور اس کے دور رس اثرات انسانی معاشرہ پر پڑے ہیں۔

مسلمان دوسری قوموں کی بہ نسبت تعدد ازدواج پر عمل کم ہی کرتے ہیں

تعدد ازدواج کی بڑھتی ہوئی تعداد کو روکنے کے لیے ہندستان میں ایک قانون ۱۹۵۵ء میں نافذ کیا گیا اور اس پر پابندی لگائی گئی تھی۔ اس ایکٹ کے مطابق ضروری ہے کہ شادی کے وقت فریقین میں سے کسی ایک کے میاں بیوی زندہ موجود نہ ہوں، ورنہ دوسری شادی نہ صرف باطل تصور کی جائے گی بلکہ یہ اقدام ہندو مرد وعورت دونوں کے لیے قابل تعزیر جرم قرار پائے گا۔ اس قانون کی منظوری کے بعد اس کی مخالفت کی گئی اور خدشہ ظاہر کیا گیا کہ تعدد ازدواج پر پابندی کی وجہ سے نہ صرف ناجائز تعلقات میں اضافہ ہوگا، بلکہ یہ اقدام تبدیلی مذہب کا بھی محرک ہو سکتا ہے۔ حالیہ رپورٹ اور جائزے سے یہ امر واضح ہے کہ دوسری شادی رچانے کی غرض سے ہندوؤں نے بڑی تعداد میں اسلام قبول کیا ہے۔ بعض غیر مسلم حضرات دوسری اور تیسری شادی کی غرض سے اسلام قبول کر لیتے ہیں، اس کے کچھ دن بعد اپنے سابقہ مذہب میں

لوٹ آتے ہیں۔ اس طرح کے ذریعہ اسلام اور اسلامی تعلیمات کا مذاق اڑایا جاتا ہے، جو کسی بھی طرح سے درست نہیں ہے۔ عدالت کو چاہیے کہ اس پر قدغن لگائے۔

ہندوؤں میں تعدد ازدواج کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے حکومت کی طرف سے کئی مرتبہ سروے کیا گیا۔ ۱۹۷۱ء کی مردم شماری میں ۵.۳ ۴ کروڑ ہندوؤں میں اور ۶ کروڑ مسلمانوں میں ہندوؤں کی تعداد زیادہ تھی جو تعدد ازدواج پر عمل کرتے تھے۔ ۱۹۷۴ء میں ۴۵ کروڑ ہندوؤں میں ایک کروڑ لوگوں نے دوسری شادی کر رکھی تھی اور ۶ کروڑ مسلمان آبادی میں سے ۱۲ لاکھ لوگوں کی دو بیویاں تھیں۔ اسی سال کے سروے سے یہ بھی انکشاف ہوا ہے کہ ان مسلمانوں کی تعداد جو تعدد ازدواج پر عامل ہیں ۶.۵ فیصد تھی۔ جب کہ ہندوؤں کے اعلیٰ ذات سے تعلق رکھنے والے تعدد ازدواج پر عامل افراد کی تعداد ۵.۸ فیصد تھی۔ (۲۴) ۱۹۸۱ء کے ایک سروے کے مطابق مسلمانوں میں بیک وقت دو شادیوں کا رواج ۴.۳ فی صد ہے، جب کہ ہندوؤں میں ۵.۶ فیصد ہے۔ بدھ مذہب میں ۸ فیصد اور قبائلی لوگوں میں ۱۵ فیصد۔ (۲۵) ۱۹۶۱ء کی رپورٹ کے مطابق جینیوں میں یہ تناسب ۹ فیصد ہے۔ تمل ناڈو کے ایک سروے کے مطابق تقریباً یہی اعداد و شمار سامنے آتے ہیں۔ مسلمانوں میں یہ تناسب ۴ فیصد اور ہندوؤں میں ساڑھے پانچ فیصد ہے۔ (۲۶) ہندو جنسی خواہش اور ہوس رانی کی تکمیل کے لیے تعدد ازدواج پر عمل کرتے ہیں۔ اور مسلمان شدید مجبوری کی بنا پر دوسری شادی کرتے ہیں، جس کا شریعت نے انہیں مجاز بنایا ہے۔

مغربی ممالک میں نکاح اور طلاق کے ناقص نظام کی وجہ سے گھر میں بیوی کے ہوتے ہوئے لوگ دوسری عورت سے بلا روک ٹوک جنسی تعلق قائم کرتے ہیں، اسی طرح بیوی بھی دوسرے مرد سے آشنا ہوتی ہے۔ ہم جنس پرستی کی لعنت بھی موجود ہے۔ یہ خرابیاں صرف اس لیے پیدا ہو رہی ہیں کہ فطری قانون سے بغاوت کی جا رہی ہے اور لوگوں کو یک زوجگی کا پابند بنایا جا رہا ہے۔ مولانا ادریس کاندھلویؒ نے اس تعلق سے جس حقیقت کو واضح کیا ہے اس سے مغرب کی بد دیانتی واضح ہوتی ہے:

> ''افسوس صد افسوس کہ اہل مغرب اسلام کے اس جائز اور سراپا مصلحت آمیز تعدد ازدواج پر تو عیش پسندی کا الزام لگائیں اور غیر محدود ناجائز تعلقات اور بلا نکاح کی لاتعداد آشنائی کو تہذیب اور تمدن سمجھیں۔ مدعیان زنا جو کہ تمام انبیاء و مرسلین کی

شریعتوں میں حرام اور تمام حکما کی حکمتوں میں قبیح اور شرمناک فعل رہا، مغرب کے داعیان تہذیب کو اس کا قبح نظر نہیں آتا اور تعدد ازدواج کہ جو تمام انبیاء ومرسلین اور تمام حکما اور عقلا کے نزدیک جائز اور مستحسن رہا وہ ان کو قبیح نظر آتا ہے۔ان مہذب قوموں کے نزدیک تعدد ازدواج تو جرم ہے اور زنا اور بدکاری اور غیر عورتوں سے آشنائی جرم نہیں۔ان مہذب قوموں میں تعدد ازدواج کی ممانعت کا تو قانون موجود ہے مگر زنا کی ممانعت کا کوئی قانون نہیں۔" (۲۷)

حاصل بحث

ان تفصیلات کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ کثرت ازواج کے حوالے سے حضرت محمدؐ پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں وہ بے بنیاد ہیں۔تمام مذاہب میں تعدد ازدواج کی اجازت تھی۔نبیؐ نے دینی مصالح کی بنا پر کئی شادیاں کی تھیں مگر اس سے قبل جو چار بیویاں آپ کے حرم میں تھیں وہ اس وقت کے سماجی حالات کے تحت تھیں اور ممانعت کثرت ازدواج کا کوئی حکم بھی نازل نہیں ہوا تھا، اس لیے ایسا کرنے میں کوئی حرج بھی نہ تھا۔چوں کہ حضورؐ اللہ کے حکم کے تابع تھے، وہ اپنی طرف سے اپنے مفاد میں یا امت کے حق میں کوئی حکم نافذ کرنے یا بنانے کے مجاز نہ تھے۔اس لیے سابقہ رواج پر عمل کرتے رہے۔لیکن جب اس سلسلے میں واضح حکم نازل ہو گیا تو اس کے مطابق عمل کیا گیا۔معاندین اسلام خاص کر مغرب کے علماء اور دانش وروں کو نبیؐ کی نبوت اور ان کے پیش کردہ معتدل ومتوازن دین سے ان کی برتری کی دیوار منہدم ہوتی نظر آتی ہے، اس لیے وہ اسلام کے نظام قانون اور سیرت رسول کی عالم گیر افادیت کو مجروح کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہتے ہیں، جو حق وانصاف اور علمی دیانت داری کے خلاف ہے۔

☆☆☆

مآخذ و مراجع

(۱) عہدنامہ قدیم، کتاب پیدائش، باب:۲۱، درس:۱۔ باب:۲۵، درس:۱

(۲) ایضاً، باب:۹، درس:۱

(۳) ایضاً، کتاب خروج، باب:۲، درس:۲۲۔ گنتی، باب:۱۲، درس:۱۔ استثنا، باب:۲۱، درس:۱۰-۱۳

(۴) ایضاً، کتاب سلاطین، باب:۱-۲ سموئیل: باب:۱۹-۱۱ اور باب:۲۷

(۵) ایضاً، کتاب سلاطین، باب:۱۱، درس:۱-۳

(۶) انجیل متی، باب:۲۵، درس:۱-۱۲

(۷) مولانا سید حامد علی، تعدد ازدواج، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دہلی، ۲۰۰۳ء، بحوالہ: انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا، ج:۸، ص: ۱۸۶- ۱۸۷، عنوان: مسیحیت اور دور جدید ص:۳۶-۳۷

(۸) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، فرید بک ڈپو، دہلی، ۱۹۹۹ء، ص:۱۲۷

(۹) سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، اکتوبر-دسمبر ۱۹۸۷ء، ص:۴۷-۵۷، مضمون: تعدد ازدواج پر ایک تحقیقی نظر

(۱۰) ابوالریحان محمد البیرونی، فی تحقیق ماللہند مقولۃ مقبولۃ فی العقل او مرذولۃ، مطبوعہ حیدرآباد، ۱۳۷۷ھ، ص:۴۶۹-۴۷۰

(۱۱) مولانا اشرف علی تھانوی، المصالح العقلیہ (احکام اسلامی عقل کی نظر میں) کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند، ص:۲۰۱-۲۰۲

(۱۲) مولانا عبدالماجد دریا آبادی، تفسیر ماجدی، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنو، ۲۰۰۸ء، ج:۱، ص:۶۹۰

(۱۳) مولانا ادریس کاندھلوی، سیرۃ المصطفیٰ، دارالکتاب، دیوبند، ج:۳، ص:۳۶۰

(۱۴) عزالدین ابن اثیر الجزری، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، دارالشعب، قاہرہ، ۱۹۷۰ء، ج:۳، ص:۲۸۲

(۱۵) ابن سعد، الطبقات الکبری، دارالفکر، بیروت، لبنان، ۱۹۹۴ء، ج:۶، ص:۱۹۸۔ ازواج مطہرات کی شادیاں کب اور کن حالت میں ہوئیں اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ، ج:۷۔ سیرۃ النبی، ج:۴، ص:۳۲۱-۳۲۵

(۱۶) مفتی محمد شفیع عثمانی، معارف القرآن، اشرفی بک ڈپو، دیوبند، ج:۲، ص:۱۹۴۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دہلی، ۲۰۰۲ء، ج:۴، ص:۱۱۶

(۱۷) معارف القرآن، ج:۷، ص:۱۷۲ اور ج:۲، ص:۱۹۶

(۱۸) ایضا، ج:۷، ص:۱۷۲۔ ماہ نامہ نقوش (رسول نمبر) ادارہ فروغ اردو، لاہور، جنوری ۱۹۹۳ء، ج:۴، ص:۶۶۲

(۱۹) ابن قیم جوزیہ، اعلام الموقعین، ادارہ الطباعۃ المنیریۃ، دمشق، ج:۱، ص:۹

(۲۰) ڈاکٹر محمد حمید اللہ، محمد رسول اللہ، فرید بک ڈپو، دہلی، ۲۰۰۳ء، ص:۲۱۳-۲۱۴

(۲۱) ڈاکٹر عبدالقادر جیلانی، اسلام پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، اریب پبلیکیشنز، دہلی، ۲۰۰۷ء، ص:۳۴۷

(۲۲) ڈاکٹر ذاکر نائک، مذاہب عالم میں خدا کا تصور اور اسلام کے بارے میں غیر مسلموں کے ۲۰ سوال، اسلامک بک سروس، نئی دہلی، ۲۰۰۸ء، ص:۶۳

(۲۳) ماہ نامہ ملی اتحاد، نئی دہلی، ستمبر ۲۰۰۹ء، ص:۱۲، مضمون: یک زوجگی، کثرت ازواج اور لاکمیشن کی رپورٹ

(۲۴) ہفت روزہ عالمی سہارا، نئی دہلی، ۳/ اکتوبر ۲۰۰۹ء، ص:۲۸-۲۹، مضمون: مسلمانوں سے زیادہ ہندوؤں میں تعدد ازدواج

(۲۵) سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، اکتوبر-دسمبر ۱۹۸۷ء، ص:۷۷، بحوالہ: روزنامہ دکن ہیرالڈ، ۲۴/ اپریل ۱۹۸۴ء

(۲۶) سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، اکتوبر-دسمبر ۱۹۸۷ء، ص:۷۷، بحوالہ: روزنامہ اسٹیٹسمین، کلکتہ، ۲۸ ستمبر ۱۹۸۴ء

(۲۷) سیرۃ المصطفیٰ، ج:۳، ص:۳۶

باب: یازدہم

نکاح زینبؓ کی حقیقت

اللہ کے رسولؐ نے اپنے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا نکاح اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے کر دیا تھا۔ بعض وجوہ سے دونوں کا نباہ نہ ہو سکا اور ایک سال کے بعد طلاق واقع ہوگئی۔ اس کے بعد حضرت زینبؓ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر لیا۔ اس واقعہ کو معاندین اسلام بالخصوص مستشرقین نے ایسا مکروہ بنا کر پیش کیا ہے کہ بعض پڑھے لکھے مسلمان بھی ان کی فریب کاری کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کی ہرزہ سرائی کا لب لباب یہی ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر شہوت پرست تھے کہ ایک شادی شدہ عورت کو طلاق دلوا کر اس سے اپنی شادی کر لی۔ پھر اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ایک گروہ کہتا ہے کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینبؓ کے گھر گئے، انہیں نیم برہنہ حالت میں اس طرح دیکھا کہ ان کی سیاہ زلفیں ان کے سیمیں بدن پر بکھری ہوئی تھیں، جن سے ان کے دل میں محبت کی لگن پیدا ہوگئی اور بعض حیلے بہانے اختیار کر کے زیدؓ سے طلاق دلوادی، اس طرح آپؐ سے ان کی شادی کرنے کا راستہ صاف ہوگیا۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ ایک دن حضورؐ زیدؓ کی غیر موجودگی میں ان کے گھر گئے، دیکھا کہ زینبؓ شب باشی کا لباس زیب تن کیے پلنگ پر لیٹی ہوئی ہیں، اس وقت ان کے دل میں زینبؓ سے رغبت پیدا ہوگئی اور 'سبحان اللہ العظیم سبحان مصرف القلوب' کہتے ہوئے لوٹ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ آواز زینبؓ کے گوش گزار ہوئی تو ان کے کے دل میں امید جاگ گئی۔ زیدؓ گھر آئے تو زینبؓ نے ان سے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ از راہ مروت و محبت زیدؓ نے زینبؓ کو طلاق دینے کا فیصلہ کیا، مگر نبی ﷺ نے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا۔ پھر بھی زیدؓ نے انہیں طلاق دے دی۔ اس کے بعد

نبی اکرم ﷺ نے ان سے نکاح کرلیا۔اس تضاد بیانی سے واقعہ کے غلط ہونے کا بہ خوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔اس طرح کی بے بنیاد باتیں وضع کرنے والے مستشرقین کی بڑی تعداد ہے۔ سر ولیم میور، در منگھم، واشنگٹن اورنگ، لامنس وغیرہ ان ہی لوگوں میں شامل ہیں۔درج ذیل سطور میں اسی واقعہ کا قدرے تفصیل سے جائزہ لیا گیا ہے۔

حضرت زیدؓ اور زینبؓ

حضرت زید بن حارثہؓ حضرت خدیجہؓ کے غلام تھے،مطابق انہیں عکاظ کے بازار سے حکیم بن حزام نے خرید کر اپنی پھوپھی خدیجہؓ کو ہبہ کردیا تھا۔(۱) جب خدیجہؓ کی شادی حضور ﷺ سے ہوئی تو انہوں نے زیدؓ کو آپؐ کی نذر کردیا۔(۲) دررسول صلی اللہ علیہ وسلم پر انہیں اتنا انس و آرام ملا کہ جب ان کے والدین انہیں تلاش کرتے ہوئے مکہ پہنچے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو اپنے ساتھ لے جانے کی درخواست کی تو انہوں نے اپنی آزادی پر غلامی کو ترجیح دی اور جانے سے انکار کردیا۔(۳) زید کے اس غیر معمولی تعلق کو دیکھ کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع میں کھڑے ہوکر اعلان کیا: لوگو! گواہ رہنا آج سے یہ میرا بیٹا ہے اور ہم دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔(۴) اب وہ زید کے بجائے زید بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہے جانے لگے۔ یہ واقعہ بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کا ہے۔ان کا شمار ان چار خوش نصیب لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے سرفراز کیے جانے کے بعد سب سے پہلے اللہ کا نبی ہونے کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لائے۔(۵) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت زیدؓ پر حد درجہ اعتماد تھا۔

حضرت زینب بنت جحشؓ حضورؐ کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی صاحب زادی تھیں۔ بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ۱۷ رسال قبل پیدا ہوئیں۔ان کا شمار بھی قدیم الاسلام خاتون میں ہوتا ہے۔جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کے ساتھ مدینہ ہجرت کی تو اپنے گھر والوں کے ساتھ ہجرت کرکے یہ بھی مدینہ چلی گئیں۔ یہ بڑی نیک اور فضل وکمال والی خاتون تھیں۔ ذہین تھیں اور نوشت وخواند سے بھی واقف تھیں۔

زینبؓ کے ساتھ زیدؓ کا نکاح

حضرت زیدؓ غلام ہونے کے باوجود بہت سی خوبیوں کے مالک تھے، اس لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب سے زیدؓ کے نکاح پر زور دیا۔ شادی کا پیغام لے کر خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم زینب کے گھر گئے۔ خاندانی برتری کی وجہ سے پہلے تو زینب کے گھر والوں نے اس رشتہ سے انکار کر دیا اور ٹال مٹول کرتے رہے، یہاں تک کہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی، جس میں فرمایا گیا:

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؕ﴿۳۶﴾ (الاحزاب:۳۶)

”کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی معاملہ کا فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے گا تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔“

اس آیت کے نزول کے بعد زینب کے بھائی عبداللہ بن جحشؓ اور خود زینبؓ بھی اس شادی سے راضی ہو گئیں۔ (۶) خطبہ نکاح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھایا۔ زیدؓ کی طرف سے مہر کی رقم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کی اور رہنے سہنے کے لیے کچھ ضروری اشیا فراہم کیں۔ (۷)

میاں بیوی میں کشیدگی

شادی کے بعد بھی زینبؓ کے اندر خاندانی برتری کا احساس برقرار رہا۔ وہ اپنی خاندانی حیثیت کو زید کے خاندان سے ملا کر مقابلہ کرتیں، آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھتیں اور پھر زید پر نظر ڈالتیں تو زمین آسمان کا فرق نظر آتا۔ حضرت زیدؓ ایک سادہ لوح انسان تھے، لیکن بیوی ضدی تھیں اور اپنا ہی کہنا کرتی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حالات بگڑتے گئے، اور باہمی مناقشات نقطۂ عروج

پر پہنچ گئے۔ چنانچہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی۔ زیدؓ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بیوی کے رویہ کا ذکر اور اپنا ارادہ ظاہر کیا:

”یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زینب اپنی زبان درازی سے مجھے تکلیف پہنچاتی ہیں، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ انہیں طلاق دے دوں۔“(۸)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے زیدؓ کی باتوں کو بغور سنا ہوگا، انہیں جلد بازی سے کام لینے سے منع کیا اور قرآن کی زبان مین انہیں صبر کی تلقین فرمائی۔ (الاحزاب: ۳۷) کیا یہ ممکن نہیں تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم زید کی باتوں کو سن کر زینب کو سمجھانے ان کے گھر گئے ہوں، کبھی زید کی موجودگی اور کبھی غیر موجودگی میں۔ تھیں تو وہ متبنیٰ کی بیوی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن۔ بعض تصریحات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے جس طرح زیدؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا دردسناتے تھے، اسی طرح زینبؓ بھی زیدؓ کی ناگواری کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتی تھیں۔ علامہ زرقانیؒ لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے زیدؓ کے دل میں زینبؓ سے متعلق کراہیت ڈال دی تھی۔(۹)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کشیدگی کا اثر

اس کشیدگی سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پس وپیش میں مبتلا ہو گئے کہ خدانخواستہ ایسا ہو گیا تو اس دیرینہ مفاد کو زد پہنچے گی جس کے لیے ان دونوں کا نکاح ہوا تھا۔ اور زینبؓ کے اہل خانہ کو کہنے کا موقع مل جائے گا کہ یہ ساری خرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہوئی ہے۔ خود زینب کا کیا ہوگا، کون مطلقہ سے شادی کرے گا۔ منافقین الگ طعنہ دیں گے کہ زینبؓ کے اندر شوہر کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی صلاحیت نہیں رہی۔ گویا مختلف قسم کے خیالات وشبہات نبی ﷺ کے قلب وذہن میں پیدا ہو رہے تھے۔ خیالات کے اس ہجوم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں یہ بات بھی آئی کہ اگر زید زینبؓ کو طلاق دے دیں گے تو ان کی دل جوئی کے لیے میں خود ان سے شادی کر لوں گا۔ مفسرین اور سیرت نگاروں کے مطابق یہ ہمدردی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے ذہن کی پیداوار نہیں تھی، بلکہ وحی کے ذریعہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی تھی کہ زید انہیں طلاق دیں گے، بعدہ آپ زینب سے نکاح کریں گے۔(۱۰) اس کے باوجود

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار کی اور زید کو سمجھاتے رہے کہ وہ زینب کو طلاق نہ دیں اور صبر سے کام لیں۔ اشارہ غیبی پانے کے باوجود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو ظاہر کیوں نہ کیا اور زید کو سمجھاتے رہے، اس کی وجہ کیا تھی؟ اس مصلحت پر روشنی ڈالتے ہوئے مفسر قرآن مفتی محمد شفیع عثمانیؒ لکھتے ہیں:

> "دو وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کو طلاق دینے سے روکا۔ اول یہ کہ طلاق دینا اگرچہ شریعت اسلام میں جائز ہے مگر پسندیدہ نہیں، بلکہ ابغض المباحات یعنی جائز چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض و مکروہ ہے اور تکوینی طور پر کسی کام کا وقوع تشریعی حکم کو متاثر نہیں کرتا۔ دوسرے قلب مبارک میں یہ بھی خیال پیدا ہوا کہ اگر انہوں نے طلاق دے دی اور پھر زینبؓ کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا تو عرب اپنے دستور جاہلیت کے مطابق یہ طعنے دیں گے کہ اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا۔" (۱۱)

عرب معاشرے میں منھ بولے بیٹے کی حیثیت

عرب معاشرے میں منھ بولے بیٹے کو وہی حیثیت حاصل تھی جو حقیقی بیٹے کو۔ اس جاہلی تصور کو اسلام ختم کرنا چاہتا تھا کہ کسی کو گود لینے سے وہ حقیقی بیٹا نہیں ہو جاتا۔ اس سے دونوں کا فرق مٹ کر رہ جائے گا اور حقیقی اولاد کی قدر و قیمت گھٹ کر رہ جائے گی۔ چنانچہ اس جاہلی تصور کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یک لخت اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ختم کر دیا۔ (الاحزاب:۴) گود لینے کے ساتھ لوگ اس بچہ کے حقیقی والدین کو بھلا دیتے تھے۔ جس نے گود لیا ہے، اسی کی جانب اس بچہ کا انتساب ہوتا تھا اور لوگ اسے اسی نام سے جانتے اور پکارتے تھے اور دونوں ایک دوسرے کے وارث بھی ہوتے تھے۔ جیسا کہ خود زید بن حارثہؓ کے بجائے زید بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہے جاتے تھے۔ اس سے حقیقی والدین کو کتنی اذیت ہوتی ہوگی اور انہیں کتنا صدمہ پہنچتا ہوگا اس کا صحیح اندازہ وہی کر سکتے ہیں جن کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہو۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنا فیصلہ صادر کیا اور فرمایا کہ جس کے نطفہ سے بچہ پیدا ہوا ہے اسی کی جانب اس کا انتساب ہوگا اور انہیں ان کے باپ کے نام سے ہی پکارا جائے گا۔ (الاحزاب:۵)

اس حکم کے نازل ہوتے ہی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو سختی سے منع کر دیا کہ زید کو میری نسبت سے نہیں بلکہ ان کے باپ کی نسبت سے پکارو۔ اب وہ زید بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے زید بن حارثہ کہے جانے لگے۔(۱۲) اس پر دشمنانِ اسلام سر پیٹ کر رہ گئے۔ کیوں کہ یہ اس بغاوت کے بھی خلاف تھا کہ جس کو کوئی اولاد نرینہ نہ ہوتی تھی تو وہ کسی کو متبنیٰ بنا لیتے اور اللہ کو طعنہ دیتے کہ دیکھ لیا تم نے بیٹا نہیں دیا تو کیا ہوا، ہم نے بیٹا حاصل کر ہی لیا۔(۱۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادۂ نکاح ظاہر نہ کرنے کی ایک اور وجہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی فیصلہ کیا ہو یا وحی کے ذریعہ حکم دیا گیا ہو کہ زینبؓ سے نکاح کریں۔ لیکن اس اقدام سے رکے رہنے کی بڑی اہم وجہ یہ بھی تھی کہ نکاح کا عام اور واضح حکم نازل ہو گیا تھا جس میں ہدایت دی گئی تھی کہ کوئی بھی مرد اپنے نکاح میں بہ یک وقت چار بیویوں سے زیادہ نہیں رکھ سکتا۔(النساء:۳) اس حکم کے نازل ہونے کے بعد جن لوگوں کے پاس چار سے زیادہ بیویاں تھیں انہوں نے انہیں طلاق دے کر الگ کر دیا۔(۱۴) حضور ﷺ کی زوجیت میں اس وقت چار بیویاں تھیں۔ ایسی صورت میں کیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پانچویں شادی کرتے، جب تک کہ کوئی واضح حکم من جانب اللہ نہ مل جاتا۔ ایسے وقت میں زینبؓ سے نکاح کرنے سے مفسدینِ اسلام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو مجروح کرنے کا ایک سنہرا موقعہ ہاتھ لگ جاتا۔ وہ کہنے لگتے یہ کیسے نبی ہیں جو اپنے ماننے والوں کو زیادہ سے زیادہ چار عورتیں ہی رکھنے کی اجازت دیتے ہیں اور خود اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تردد کو اللہ نے اس آیت کے ذریعہ دور کر دیا:

وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَ تَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ (الاحزاب:۳۷)

"اور اس وقت تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے تھے، جسے اللہ کھولنا چاہتا تھا، تم لوگوں سے ڈر رہے تھے، حالاں کہ اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔"

اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وحی کے ذریعہ منشائے مولیٰ کا علم ہونے کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوری پیش قدمی نہیں کی اور راز کی باتوں کو چھپائے رکھا، جس کو بعد

میں اللہ تعالیٰ نے ظاہر کردیا۔ اور تخشی الناس کے معنیٰ یہ ہیں کہ آپ اس کے اظہار سے شرماتے تھے کہ کسی کو یہ حکم کریں کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیں۔ خشیت سے مراد شرمانا یا ڈرنا ہے اور ڈر اس بات کا تھا کہ منافقین زبان طعن دراز کریں گے یا لوگ بدگمانی کر کے اپنی عاقبت خراب کریں گے۔(۱۵) یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مزید نکاح کرنے کی جو رکاوٹیں تھیں انہیں دور کردیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دی:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَ بَنٰتِ عَمِّكَ وَ بَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَ بَنٰتِ خَالِكَ وَ بَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۫ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (الاحزاب:۵۰)

"اے نبیؐ، ہم نے تمہارے لیے حلال کردیں تمہاری وہ بیویاں جن کے مہر تم نے ادا کیے ہیں اور وہ عورتیں جو اللہ کی عطا کردہ لونڈیوں میں سے تمہاری ملکت میں آئیں اور تمہاری وہ چچازاد اور پھوپھی زاد اور ماموں زاد اور خالہ زاد بہنیں جنہوں نے تمہارے ساتھ ہجرت کی ہے اور وہ مومن عورت جس نے اپنے آپ کو نبیؐ کے لیے ہبہ کیا ہو۔ اگر نبیؐ اسے نکاح میں لینا چاہے۔ یہ رعایت خالصتاً تمہارے لیے ہے، دوسرے مومنوں کے لیے نہیں ہے۔ ہم کو معلوم ہے کہ عام مومنوں پر ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں ہم نے کیا حدود عائد کیے ہیں۔ (تمہیں ان حدود سے ہم نے اس لیے مستثنیٰ کیا ہے) تاکہ تمہارے اوپر تنگی نہ رہے اور اللہ غفور ورحیم ہے۔"

حضرت زینبؓ کا نبیؐ سے نکاح

ایک دن حضرت زیدؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آکر اطلاع دی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زینبؓ کے رویے سے تنگ آکر میں نے اسے طلاق دے دی ہے۔ زینبؓ فوراً ہی ان کے گھر

سے نکل آئیں اور زیدؓ کو اطمینان کی سانس لینے کا موقع ملا۔ اس میں شک نہیں کہ ان کا حسن راحت چشم تھا، لیکن ان کا رخصت ہونا راحت قلب معلوم ہونے لگا۔ بعض سیرت نگار لکھتے ہیں کہ اس طلاق کا زینبؓ اور ان کے گھر والوں پر کچھ بھی اثر نہ ہوا ہوگا، کیوں کہ وہ پہلے ہی اس رشتے کو نامنظور کر چکے تھے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طلاق کا جو اثر ہوا ہوگا اس کا ذکر کرتے ہوئے قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری لکھتے ہیں:

> ''اول تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دیرینہ مصلحت دینیہ کو صدمہ پہنچا جس کے استحکام کے لیے اس نکاح پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زور دیا تھا اور اپنے خاندان کی ممتاز عورت کو ایک ایسے شخص سے تزویج پر رضامند کیا جو غلام ہو کر بکا تھا اور موالی کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ دوم زینبؓ اور اس کے خاندان والوں کی اطاعت اور اس اطاعت کے ضمن میں ان کی آماج گاہ مصیبت ہونے کا واقعہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رحم پرور قلب کے لیے کچھ کم صدمہ رساں نہ تھا۔ اس پیچیدہ حالت میں اللہ تعالیٰ کی وحی قرآنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کرتی ہے کہ زینب کو ام المومنین کا درجہ عطا کیا گیا۔ اب خدا کا نبی بذات خود اس کی دل شکنی کا معاوضہ ہو گیا۔'' (١٦)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نکاح کا پیغام لے کر زیدؓ ہی کیوں گئے؟

حضرت زیدؓ کے طلاق دینے کے بعد حضرت زینبؓ نے عدت پوری کی، اس کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کرنے کا حتمی فیصلہ کیا۔ نکاح کا پیغام لے کر حضرت زیدؓ کو ہی بھیجا، تاکہ لوگوں پر یہ واضح ہو جائے کہ اس طلاق کے واقع ہونے میں نبی ﷺ کا کوئی عمل دخل نہیں ہے، زید نے اپنی مرضی سے طلاق دی ہے۔ مفسرین کے مطابق یہ وقت زیدؓ کے لیے سخت آزمائش کی گھڑی تھی۔ زیدؓ کو پیغام لے جانے میں ہچکچاہٹ ہوئی تو انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: میری آنکھیں زینب کا سامنا نہیں کر سکتیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس کام کے لیے تم سے زیادہ موزوں آدمی کسی کو نہیں پاتا۔ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے وہ پیغام لے کر گئے۔ زید جب زینبؓ کے گھر پہنچے تو دیکھا کہ وہ کسی کام میں مشغول ہیں، چاہا کہ ان کی طرف دیکھیں، لیکن کچھ سوچ کر منھ پھیر لیا اور دروازے کی طرف پشت کر کے فرمایا: زینبؓ

مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے اپنے نکاح کا پیغام دے کر بھیجا ہے، اس بارے تمہاری کیا رائے ہے۔ زینب نے فوری طور پر کوئی جواب نہ دیا اور نماز استخارہ کے لیے مصلیٰ پر کھڑی ہو گئیں۔(۱۸) ادھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نکاح کے واقع ہونے کی اطلاع بذریعہ وحی دی گئی۔(احزاب:۳۷)

حضرت زینبؓ کا نکاح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے آسمان پر فرشتوں کی موجودگی میں کر دیا۔(۱۹) ایک دوسری روایت سے پتا چلتا ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے پاس تھے۔ اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی۔ جب یہ کیفیت زائل ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا کون ہے جو جائے اور زینبؓ کو شادی کی خوش خبری سنائے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ آیت تلاوت فرمائی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت تلاوت فرما چکے تو میرے دل میں خیال آیا کہ زینبؓ تو حسین وجمیل ہیں ہی، اب وہ اس بات پر بھی فخر کریں گی کہ میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے آسمان پر کیا ہے۔(۲۰) زینبؓ کے پاس اس شادی کی خوش خبری لے کر حضرت سلمیٰؓ گئیں۔ جسے سنتے ہی زینبؓ سجدے میں گر گئیں۔ اس کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے اور انہیں مبارک باد دی۔ امام ترمذی اور دوسرے محدثین نے الفاظ کے فرق کے ساتھ کئی حدیثیں نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ زینبؓ کو اپنے اس نکاح پر فخر تھا اور وہ ازواج مطہرات سے کہا کرتی تھیں کہ تمہارا نکاح تمہارے والدین نے کیا ہے اور میرا نکاح اللہ نے ساتویں آسمان پر کیا ہے اور میرے ولیمہ میں روٹی اور گوشت کھلانے کا اہتمام کیا گیا۔(۲۱) ان کا یہ فخر کرنا تحدیث نعمت کے طور پر غرور وتکبر کے طور پر نہیں تھا۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ ازواج مطہرات میں زینبؓ ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں عزت ومرتبہ میں حضرت عائشہؓ کا مقابلہ کرتی تھیں۔(۲۲) شعبی فرماتے ہیں کہ وہ تین وجوں سے رسول ﷺ پر ناز کرتی تھیں: اول یہ کہ میرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد ایک ہی ہیں (یعنی عبدالمطلب)۔ دوسرے یہ کہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح مجھ سے آسمان پر کیا اور تیسرے یہ کہ جبرئیل امین اس بارے میں سفیر بنے۔(۲۳)

اس نکاح کا ایک اور فائدہ

اس شادی کی خبر منافقین کو معلوم ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ کیا زمانہ آ گیا ہے، نبی ﷺ اپنے منھ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر بیٹھے۔ عرب کے خود ساختہ معاشرتی قوانین میں یہ تو جائز تھا کہ کوئی شخص اپنی ساس سے بیاہ رچا لے یا اپنے باپ کی بیواؤں میں سے کسی سوتیلی ماں کو پسند کر کے اسے اپنی بیوی بنا لے، لیکن منھ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی کا باپ کی مناکحت میں آنا قطعاً ناجائز اور ناقابل قبول تھا۔ یہ جانتے ہوئے کہ منھ بولا لڑکا کسی صورت میں بھی حقیقی فرزند نہیں ہو سکتا، ان کی طبعی جہالت اس رشتہ کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھی، مخالفت قینچی کی طرح تیزی سے چل رہی تھی اور زینبؓ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ سخت مخالفت کی آماج گاہ بن گیا تھا۔(۲۴)

چوں کہ یہ نکاح مشیت الٰہی کے مطابق اور بڑے مقصد کے حصول کے لیے ہوا تھا، اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس قضیے کو بہت اچھے طریقہ سے حل کیا۔ منھ بولے بیٹے کی جو حیثیت اللہ نے تسلیم کرائی اس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ متبنی کے متعلق باپ بیٹے کا جو تصور تھا اور بہو سے شادی کرنے کے کے سلسلے میں جو غلط فہمی پائی جاتی تھی اس کا ازالہ کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ (الاحزاب:۴۰)

”لوگو! محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔“

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مردوں میں سے کسی کے باپ ہی نہیں ہیں تو پھر لڑکے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ’اس جاہلی تصور پر اگر اسی وقت ضرب نہ لگائی گئی ہوتی تو شاید منھ بولے بیٹے کا بیٹا وراثت نبوی کا بھی دعوے دار ہوتا اور وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہی نوزائدہ مملکت اسلامیہ خانہ جنگی اور دھڑے بندیوں کا شکار ہو جاتی، دین کا ارتقا تھم کر اسلامی معاشرہ فطری نمو سے محروم ہو جاتا۔‘(۲۵)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے زینبؓ سے ملاقات کے مواقع

حضرت زینبؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قریبی رشتہ دار تھیں اور عمر میں بھی تفاوت تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں کے سامنے ہی پلی بڑھیں اور جوان ہوئیں۔ ان کے افعال و کردار سے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم بخوبی واقف تھے۔ مہاجر ہونے کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے اور ان کے گھر والوں کے ساتھ ہمدردی بھی اپنی جگہ مسلم تھی۔ باوجود اس کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فکر وخیال میں یہ بات نہ آئی کہ میں ان سے اپنی شادی کروں گا۔ زیدؓ کی عزت افزائی اور ایک اہم سماجی اصلاح کی خاطر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ ذات خود اس نکاح پر زور دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب شادی کا پیغام لے کر گئے تو ان لوگوں نے یہی سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا رشتہ قائم کرنا چاہتے ہیں:

> ''زینب اور ان کے بھائی نے سمجھا کہ یہ رشتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیے کرنا چاہتے ہیں، اس لیے قبول کرنے میں کوئی تردد نہ ہوا، مگر جب معلوم ہوا کہ زید کے لیے رشتہ لے کر آئے ہیں تو انکار کر دیا۔'' (۲۶)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں کوئی ایسی بات ہوتی تو اسے منظور کرنے میں اس وقت کیا موانع تھے۔ پھر انعقاد نکاح کے بعد زینبؓ سے ملنے کے کئی مواقع پیش آئے ہوں گے، کیوں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے کی بیوی تھیں۔ اس وقت بھی آپ کے دل میں ان سے شادی کا خیال نہ آیا۔ یکا یک جب بات بگڑتی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں زینبؓ سے متعلق شہوانی خواہش جاگ جاتی ہے، مستشرقین اور معاندین اسلام کی یہ کتنی غیر منصفانہ اور مضحکہ خیز بات ہے۔ یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان اور شریعت کی مصلحت تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مطلقہ کو اپنی زوجیت میں لے کر عزت بخش دی۔

نکاح زینبؓ کے دوررس اثرات

اس پورے واقعہ کا غیر جانب دارانہ جائزہ لیا جائے تو مستشرقین اور معاندین اسلام کی بے بنیاد باتوں کی قلعی کھل جاتی ہے بلکہ اس واقعہ کی وجہ سے شریعت اسلامی کے پانچ اہم فائدے مسلمانوں کے سامنے ابھر کر آئے:

۱۔ کوئی بھی آدمی خاندانی اور نسبی تفاخر کی بنا پر معزز نہیں ہوسکتا، بلکہ معزز وہ ہے جس کے اندر دین داری اور تقویٰ ہے۔اس حیثیت سے ایک غلام کو بھی باعزت طریقے سے جینے اور زندگی گزارنے کا حق ہے اور کوئی بھی اس وجہ سے کم تر نہیں ہوسکتا کہ اس کی پیشانی پر کبھی غلامی کا داغ لگا ہو۔

۲۔ جس کسی نے کسی کو اپنا منھ بولا بیٹا بنایا ہوا سے سماج میں وہ مقام و مرتبہ ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا جو ایک حقیقی بیٹے کو حاصل ہوتا ہے۔

۳۔ منھ بولا بیٹا بھی وراثت میں اتنے ہی حصے کا حق دار ہوگا جتنا کہ حقیقی بیٹا ہوتا ہے، اس باطل تصور کی اس واقعے نے جڑ کاٹ کر رکھ دی۔

۴۔ منھ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ضرورت پڑنے پر ایسا کیا جاسکتا ہے۔

۵۔ حضرت زینبؓ کا نکاح حضورؐ سے ہونے کے بعد ہی حجاب کا واضح حکم نازل ہوا۔

☆☆☆

مآخذ و مراجع

(۱) عزالدین بن الاثیر الجزری، اسدا لغابہ فی معرفۃ الصحابہ، دارلشعب، قاہرہ، ۱۹۷۰ء، ج:۲، ص:۲۸۱

(۲) ایضا

(۳) ابو محمد عبدالملک بن ہشام، سیرۃ النبی، مطبع حجازی، قاہرہ، ۱۹۳۷ء، ج:۱، ص:۲۶۵-۲۶۶

(۴) صحیح البخاری، کتاب فضائل صحابہ، باب من فضائل زید بن حارثہ وابنہ۔ جامع الترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب زید بن حارثہ۔ ابی عبداللہ محمد بن احمد القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، معروف بہ تفسیر القرطبی، مرکز تحقیق التراث المصریہ، ۱۹۷۷ء، ج:۱۴، ص:۱۸۶۔ اسدا لغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج:۲، ص:۲۸۱۔ ابن حجر العسقلانی، الاصابہ فی تمیز الصحابہ، دارالمعرفۃ، بیروت لبنان، ۲۰۰۴ء، ج:۱، ص:۶۴۵

(۵) حافظ ابن کثیر الدمشقی، البدایہ والنہایہ، دارالریان للتراث، قاہرہ، ۱۹۸۸ء، ج:۲، جز:۳، ص:۲۶

(۶) اسدالغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج:۷، ص:۱۲۵

(۷) ابی الفضل شہاب الدین محمود آلوسی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع الثانی، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، ج:۲۲، ۲۳۔ عماد الدین ابی الفدا اسماعیل بن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، دارالکتاب، دیوبند، ۲۰۰۲ء، ج:۳، ص:۶۴۲

(۸) جامع الترمذی، کتاب التفسیر، باب سورۃ الاحزاب۔ روح المعانی، ج:۲، ص:۲۴۔ احمد بن حجر العسقلانی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، دارالمعرفۃ، بیروت لبنان، ج:۸، ص:۵۲۳

(۹) محمد بن عبداللہ عبدالباقی الزرقانی، شرح زرقانی علی المواہب اللدنیہ، مطبع الازہریہ، مصر، ۱۳۲۶ھ، ج:۳، ص:۲۴۳

(۱۰) روح المعانی، ج:۲۲، ص:۲۴۔ زرقانی، ج:۳، ص:۲۴۳

(۱۱) مفتی محمد شفیع عثمانی، معارف القرآن، اشرفی بک ڈپو، دیوبند، ج:۷، ص:۳۰

(۱۲) اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج:۲، ص:۲۸۱

(۱۳) رحمۃ للعالمین، ج:۲، ص:۱۶۸

(۱۴) سنن ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب من اسلم وعندہ نساء اکثر من اربع او اختان۔ جامع الترمذی، ابواب النکاح، باب ماجاء فی الرجل یسلم وعندہ عشر نسوۃ

(۱۵) ادریس کاندھلوی، سیرۃ المصطفیٰ، دارالکتاب، دیوبند، ج:۳، ص:۳۱۵

(۱۶) رحمۃ للعالمین، ج:۲، ص:۱۷۰

(۱۷) شرح زرقانی، ج:۳، ص:۲۴۵۔ تفسیر القرطبی، ج:۱۴، ص:۱۹۲

(۱۸) صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب زواج زینب بنت جحش ونزول الحجاب۔ سنن نسائی، کتاب النکاح، باب صلاۃ المراءۃ اذا خطبت واستخارتہار بہا۔ مسند احمد بن حنبل، ج:۳، ص:۱۹۵

(۱۹) صحیح البخاری، کتاب التوحید، باب وکان عرشہ علی السماء۔ تفسیر القرآن العظیم، ج:۳، ص:۶۴۳

(۲۰) اسد الغابہ فی معرفۃ صحابہ، ج:۷، ص:۱۲۶۔ شرح زرقانی، ج:۳، ص:۲۴۶۔ الطبقات الکبریٰ، ج:۶، ص:۷۵

(۲۱) جامع الترمذی، کتاب التفسیر، باب سورۃ الاحزاب

(۲۲) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فضل العائشۃ

(۲۳) تفسیر القرطبی، ج:۱۴، ص:۱۹۵

(۲۴) خالد لطیف گابا، پیغمبر صحرا، فرید بک ڈپو، دہلی، ۲۰۰۴ء، ص:۱۷۳

(۲۵) ڈاکٹر عبدالقادر جیلانی، اسلام، پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، اریب پبلیکیشنز، دہلی، ۲۰۰۷ء، ص:۳۴۸

(۲۶) محمد المختار الشنقیطی، شرح سنن النسائی المسمی سروق الانوار المنن الکبری الالھیۃ بکشف اسرار السنن الصغری النسائیہ، ریاض، ۱۴۲۵ھ، ج:۱، ص:۸۶۱

کتابیات

۱ القرآن المجید

متون حدیث

۲ ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرہ بن بردزبہ البخاری، الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ ﷺ وسننہ وایامہ

۳ حافظ ابی الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری، المسند الصحیح المختصر من السنن بنقل العدل عن رسول اللہ ﷺ

۴ حافظ ابی داؤد سلیمان بن الاشعث بن اسحاق الازدی السجستانی، السنن

۵ حافظ ابی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ ابن موسیٰ الترمذی، الجامع المختصر من السنن عن رسول اللہ ﷺ ومعرفۃ الصحیح والمعلول وما علیہ العمل

۶ ابی عبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن سنان النسائی، المجتبیٰ من السنن

۷ حافظ ابی عبداللہ محمد بن یزید الربعی ابن ماجہ القزوینی، السنن

۸ ابوعبداللہ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر، موطا امام مالک

۹ حافظ ابوعبداللہ احمد بن حنبل بن ہلال بن اسد بن ادریس الذہلی الشیبانی، مسند احمد بن حنبل، المطبعۃ المیمنۃ مصر، ۱۳۱۳ھ

۱۰ ابی بکر احمد بن الحسینی ابن علی البیہقی، السنن الکبریٰ، دائرۃ المعارف اسلامیہ، حیدر آباد، ۱۳۵۲ھ

عربی

۱۱ ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور، لسان العرب، دار صادر، بیروت، ۱۹۵۵ء

۱۲ ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص، احکام القرآن، مطبعۃ البہیۃ، مصر، ۱۳۴۷ھ

۱۳ ابومحمد عبدالملک بن ہشام المغافری، سیرۃ النبی ﷺ، مطبع حجازی، قاہرہ، ۱۹۳۷ء

۱۴ ابوالریحان محمد بن احمد البیرونی، فی تحقیق ماللھند من مقولۃ مقبولۃ فی العقل اومرذولۃ، دائرۃ المعارف العثمانیۃ، حیدرآباد، ۱۳۷۷ھ

۱۵ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری، تفسیر الطبری (جامع البیان عن التاویل القرآن) دارالمعارف، مصر ۱۹۶۹ء

۱۶ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری، تاریخ الطبری (تاریخ الرسل والملوک) دارالمعارف، قاہرہ، ۱۹۹۷ء

۱۷ ابی الحسن علی بن ابی الکرم محمد بن عبدالکریم الملقب بہ عزالدین، الکامل فی التاریخ، دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۹۸۶ء

۱۸ ابی حیان الاندلسی، تفسیر البحر المحیط، دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان، ۲۰۰۲ء

۱۹ ابی عبداللہ محمد بن احمد القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، مطبعۃ الھیئۃ المصریہ، ۱۹۸۷ء

۲۰ ابی العباس تقی الدین احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہ، مجموعہ فتاوی شیخ الاسلام، دارالعربیہ للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، لبنان، ۱۳۹۸ھ

۲۱ ابی الفضل شہاب الدین محمود آلوسی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع الثانی، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر

۲۲ احمد بن علی بن حجر العسقلانی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، دارالمعرفۃ، بیروت، لبنان

۲۳ احمد بن علی بن حجر العسقلانی، الاصابہ فی تمیز الصحابہ، دارلمعرفۃ، بیروت لبنان، ۲۰۰۴ء

۲۴ احمد شہاب الدین الخفاجی، نسیم الریاض فی شرح قاضی عیاض، مطبع الازہریہ، المصر، ۱۳۲۷ء

۲۵ بدرالدین العینی، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، مطبع مصطفی البابی الحلبی، مصر، ۱۹۷۲ء

۲۶ جلال الدین السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، مطبعۃ الازہریہ، مصر، ۱۹۲۵ء

۲۷ راغب اصفہانی، مفردات القرآن، دارالمعرفۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۹ء

۲۸ الزبیدی، تاج العروس، دارلیبیابنغاری، ۱۳۸۶ء

۲۹ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ، فیصل پبلیکیشنز، دیوبند

۳۰ شمس الدین ابی عبداللہ محمد بن ابی بکر، بابن قیم الجوزیۃ، اعلام الموقعین عن رب العالمین، ادارہ الطباعۃ المنیریہ، دمشق

۳۱ شمس الدین ابی عبداللہ محمد بن ابی بکر بابن قیم الجوزیۃ، زادالمعاد فی ہدی خیر العباد، دارالریان، بیروت، ۱۹۸۷ء

۳۲ صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن، مطبعۃ جامعہ، دمشق، ۱۹۶۲ء

۳۳ عبدالعظیم زرقانی، مناہل العرفان فی علوم القرآن، مطبع عیسی البابی الحلبی، مصر، ۱۳۷۲ھ

۳۴ عبداللہ بن محمد القربی، المعرفۃ فی الاسلام: مصادرھا ومجالاتہا، دار عالم الفوائد، ریاض، مکۃ المکرمہ، ۱۴۱۹ھ

۳۵ عزالدین بن اثیر ابی الحسن علی بن محمد الجزری، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ، دار الشعب، قاہرہ، ۱۹۷۰ء

۳۶ عمادالدین ابی الفدا اسماعیل بن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، دارالاشاعت، دیوبند، ۲۰۰۲ء

۳۷ عمادالدین ابی الفدا اسماعیل بن کثیر، البدایہ والنہایہ، دارالفکر، بیروت، لبنان، ۱۹۹۴ء

۳۹ مجدالدین ابی السعادات المبارک المعروف بابن اثیر، النہایہ فی غریب الحدیث والاثر، مطبع عثمانیہ، مصر، ۱۳۱۱ھ

۴۰ محمد سعید رمضان البوطی، فقہ السیرۃ النبویۃ، دارالفکر المعاصر، بیروت، لبنان، ۱۹۹۱ء

۴۱ محمد الغزالی، فقہ السیرۃ، مطبعۃ حسان، قاہرہ، ۱۹۷۶ء

۴۲ محمد انور شاہ کشمیری، فیض الباری علی صحیح البخاری، مطبع حجازی، قاہرہ، ۱۹۳۸ء

۴۳ محمد المختار بن محمد احمد الشنقیطی، شرح سنن النسائی سروق الانوار المنن الکبری الالٰھیۃ بکشف اسرار السنن الصغری النسائیۃ، ریاض، ۱۴۲۵ھ

۴۴ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، دارالفکر، بیروت، لبنان، ۱۹۹۴ء

۴۵ محمد حسین ہیکل، حیاۃ محمد، مکتبۃ النہضۃ، قاہرہ، ۱۹۵۲ء

۴۶ محمد رشید رضا مصری، الوحی المحمدی، المکتب الاسلامی، مصر

۴۷ محمد عبداللہ بن عبدالباقی الزرقانی، شرح زرقانی علی المواہب اللدنیہ، مطبع الازہریہ، مصر، ۱۳۲۶ھ

۴۸ مصطفیٰ السباعی، المرأۃ بین الفقہ والقانون، المکتبۃ الاسلامی، بیروت، ۱۹۷۵ء

۴۹ ملا جیون، نورالانوار، مطبع مجتبائی، دہلی

۵۰ مناع خلیل القطان، مباحث علوم القرآن، دار السعودیہ للنشر، ۱۹۷۱ء

۵۱ یحییٰ بن شرف نووی، شرح صحیح مسلم، دار الریان التراث، قاہرہ، ۱۹۸۷ء

۵۲ یوسف موسیٰ، العقیدۃ الشریعۃ فی الاسلام (انگریزی سے ترجمہ) مصر، ۱۹۴۸ء

اردو

۵۳ ابوسعید بزمی، تاریخ انقلاب عالم، کتاب منزل، لاہور، ۱۹۴۹ء

۵۴ اکبر شاہ نجیب آبادی، آئینہ حقیقت نما، شیخ الہند اکیڈمی، دیوبند، ۱۹۹۷ء

۵۵ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور پاکستان، ۱۹۷۹ء

۵۶ خالد مسعود، حیات رسول امی، دار التذکیر، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۳

۵۷ ڈاکٹر ذاکر نائک، مذاہب عالم میں خدا کا تصور اور اسلام کے بارے میں غیر مسلموں کے ۲۰ سوال، اسلامک بک سروس، نئی دہلی، ۲۰۰۸ء

۵۸ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، خطبات بھاول پور، اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی، ۱۹۹۷ء

۵۹ ڈاکٹر عبد القادر جیلانی، اسلام، پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، اریب پبلیکیشنز، دہلی، ۲۰۰۷ء

۶۰ رئیس احمد جعفری، اسلام اور رواداری، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۵۵ء

۶۱ سر سید احمد خاں، الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرۃ المحمدیہ، سر سید اکیڈمی، علی گڑھ، ۲۰۰۳ء

۶۲ سعید احمد اکبر آبادی، اسلام میں غلامی کی حقیقت، ندوۃ المصنفین، دہلی

۶۳ سعید احمد اکبر آبادی، غلامان اسلام (الرق فی الاسلام) ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۴۰ء

۶۴ سعید احمد اکبر آبادی، وحی الٰہی، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۷۰ء

۶۵ سعید انصاری، سیر الصحابیات، دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۱ء

۶۶ سید ابو الاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۲ء

۶۷ سید ابو الاعلیٰ مودودی، تفہیم الاحادیث، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۵

۶۸ سید ابو الاعلیٰ مودودی، تفہیمات، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۵

۶۹ سید ابو الاعلیٰ مودودی، سنت کی آئینی حیثیت، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۵ء

۷۰ سید ابو الاعلیٰ مودودی، سیرت سرور عالم، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۵ء

۷۱ سید ابو الاعلیٰ مودودی، الجہاد فی الاسلام، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۷ء

۷۲ سید حامد علی، تعدد ازدواج، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دہلی، ۲۰۰۳ء

۷۳ سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبیؐ، دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۳

۷۴ سید سلیمان ندوی، خطبات مدراس، فرید بک ڈپو، دہلی، ۲۰۰۴ء

۷۵ سید سلیمان ندوی (مرتب) مقالات شبلی، دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ

۷۶ سید صباح الدین عبد الرحمٰن (مرتب) اسلام اور مستشرقین، دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ

۷۷ سید صباح الدین عبد الرحمٰن (مرتب) مقالات سلیمان، دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۶ء

۷۸ سید محمد اسماعیل، سیرت رسول اور عصر جدید، اریب پبلیکیشنز، دہلی، ۲۰۰۸ء

۷۹ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۳ء

۸۰ شبیر عثمانی، فضل الباری، اسلامی اکیڈمی، ڈھاکہ، ۱۴۰۹ھ

۸۱ عبد الجبار اعظمی، امداد الباری شرح صحیح البخاری، مکتبہ حرم، مراد آباد، ۱۴۰۴ھ

۸۲ عبدالماجد دریا آبادی **تفسیر ماجدی**، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنو
۸۳ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، **رحمۃ للعالمینؐ**، فرید بک ڈپو، دہلی، ۱۹۹۹ء
۸۴ گنگا پرسادا و پادھیائے، **مصابیح الاسلام**، ٹریکٹ وبھاگ، آریہ سماج چوک الہ آباد، ۱۹۶۳ء
۸۵ محمد ادریس کاندھلوی، **سیرۃ المصطفےٰ**، دارالکتاب، دیوبند
۸۶ مفتی محمد شفیع عثمانی، **معارف القرآن**، اشرفی بک ڈپو، دیوبند
۸۷ مولانا اشرف علی تھانوی، **احکام اسلامی عقل کی نظر میں** (المصالح العقلیہ) کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند
۸۸ مولوی عبدالحق، **البیان فی علوم القرآن**، مطبع تحفہ ہندی، دہلی، ۱۳۲۴ھ
۸۹ اردو دائرہ **معارف اسلامیہ**، دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

تراجم (دیگر زبانوں کی کتابیں جن کا 'اردو ترجمہ' پیش نظر تھا)

۹۰ **عہد نامہ قدیم وجدید**
۹۱ **شری مدبھگوت پران**
۹۲ **یجروید**
۹۳ آسی ضیائی، **برناباس کی انجیل**، اسلامک پبلیکشنز لمیٹڈ، لاہور، پاکستان، ۱۹۷۴ء
۹۴ ابوبکر سراج الدین (مارٹن لنگس) **حیات سرور کائناتؐ**، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۵ء
۹۵ جرجی زیدان، **تاریخ تمدن اسلام**، فرید بک ڈپو، دہلی، ۲۰۰۷ء
۹۶ خالد لطیف گابا، **پیغمبر صحرا**، فرید بک ڈپو، دہلی، ۲۰۰۴ء
۹۷ ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمن بنت الشاطی، **قرآن کریم کا اعجاز بیان**، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۱۹۹۹ء
۹۸ ڈاکٹر عبدالعلیم، **سیرۃ النبی اور مستشرقین**، مطبوعہ لکھنو، ۲۰۰۰ء
۹۹ ڈاکٹر محمد ثناء اللہ ندوی (مرتب) **عربی اسلامی اور مستشرقین**، توحید ایجوکیشنل ٹرسٹ، کشن گنج، بہار، ۲۰۰۴ء
۱۰۰ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، **محمد رسول اللہ**، فرید بک ڈپو، دہلی، ۲۰۰۳ء
۱۰۱ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، **پیغمبر اسلامؐ**، ملی پبلیکیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۹ء
۱۰۲ ڈاکٹر محمد محمد ابوزہرہ، **تاریخ حدیث ومحدثین**، کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند، ۲۰۰۴ء
۱۰۳ سید امیر علی، **روح اسلام**، اسلامک بک سینٹر، دہلی، ۲۰۰۵ء
۱۰۴ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی، **مکتوبات امام ربانی**
۱۰۵ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، **مدارج النبوۃ**، مکتبہ دانش، دیوبند
۱۰۶ عبدالرحمن ابن جوزی، **الوفاء باحوال المصطفےٰ**، اعتقاد پبلیشنگ ہاؤس، دہلی، ۱۹۸۳ء
۱۰۷ کونسٹینٹن ویرژیل جور جیو، **عکس سیرت**، رحمن پرنٹرز وپبلشرز، کولکاتا، ۲۰۰۸ء
۱۰۸ محمد اسد، **اسلام دوراہے پر**، آزاد کتاب گھر، دہلی، ۱۹۶۸ء

۱۰۹ محمد بن اسحاق بن یسار، سیرت ابن اسحاق، ملی پبلیکیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۹ء
۱۱۰ محمد قطب، اسلام اور جدید ذہن کے شبہات، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی، ۱۹۹۰ء
۱۱۱ محمد صدیق قریشی، رسول اکرمؐ کی سیاست خارجہ، فرید بک ڈپو، دہلی، ۲۰۰۲ء
۱۱۲ ڈاکٹر ای مارسڈن، وثائق یہود، ہمراز پبلشرز، دہلی، ۲۰۰۵

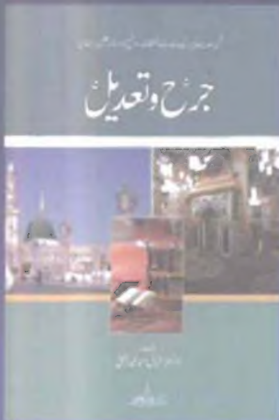
رسائل و جرائد

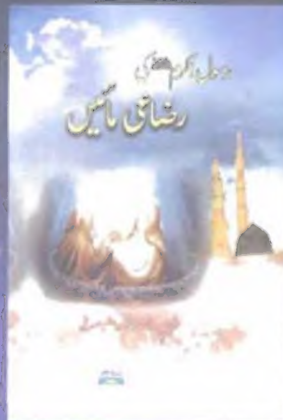
۱۱۳ سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، اکتوبر-دسمبر ۱۹۸۷ء
۱۱۴ ماہ نامہ تہذیب الاخلاق علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ستمبر ۲۰۰۵ء
۱۱۵ ماہ نامہ ملی اتحاد، نئی دہلی، ستمبر ۲۰۰۹ء
۱۱۶ ماہ نامہ نقوش (رسول نمبر) ادارہ فروغ اردو، لاہور، جنوری، ۱۹۹۳ء
۱۱۷ ہفت روزہ عالمی سہارا، نئی دہلی، ۳/اکتوبر ۲۰۰۹ء
۱۱۸ ہفت روزہ فرائڈے اسپیشل، کراچی، پاکستان، ۱۲-۱۸/دسمبر، ۲۰۰۸ء

انگریزی

۱۱۹ ***Chamber's Encyclopedia***, Edinburgh, London.1874
۱۲۰ D.S.Margoliouth, ***Mohammad and the Rise of Islam***, London\New York, 1965
۱۲۱ Dr.Micheal H. Hart, ***The 100***,New York, 1978
۱۲۲ Joseph Schcht, Muhammad, ***Encyclopedia of Social Ssiene***, New York,1959
۱۲۳ Philip K. Hitti, ***The Arabs a short History***, London, 1968
۱۲۴ Stanlely Lanepool, ***Introduction to selection from Quran***
۱۲۵ Thoms Carlyle, ***The hero as prophet***, Islam Service Lea gue Dongri, Bomby
۱۲۶ William Montgomery Watt, ***Muhammad Prophet and States man***, Oxford University Prees London
۱۲۷ William Montgomery Watt,***Islam A short History***, OneworldPublication, Oxford,1999

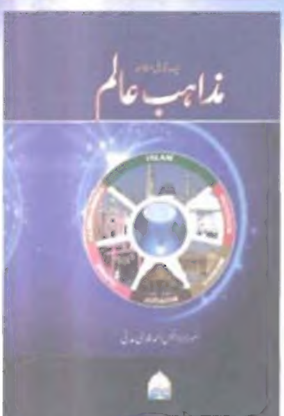
(کتاب میں قرآنی آیات کا ترجمہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تفسیر 'تفہیم القرآن' سے منقول ہے۔)

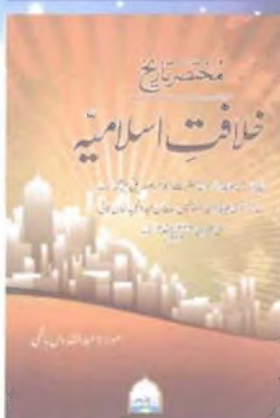












رحمان مارکیٹ ⊙ غزنی سٹریٹ ⊙ اردو بازار ⊙ لاہور ⊙ پاکستان
Ph: 042-37231119 , 0321-4021415
qasimulaloom@gmail.com